بسم الله الرحمن الرحيم

نوائے رومی

مثنوی معنوی کے منتخب حصوں کا منظوم اُردو ترجمہ

محمد یونس سیٹھی وفا

اپنے والدِ گرامی

حاجی حافظ محمد ایوب سیٹھی

اور

والدہ محترمہ کے نام

جن کی شفقت اور تربیت نے مجھے

جینا سکھایا

جلد اول

پیش لفظ

الحمدللہ مثنوی مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ کا مطالعہ عرصہ دراز سے میرے روزمرہ کے معمولات کا حصہ رہا۔ بچپن سے گھر میں فارسی کے برگزیدہ شعرائے کرام کا تذکرہ اوران کے اشعار سننے کا موقع حاصل رہااور یوں ان سے ایک گونہ قلبی وابستگی پیدا ہوگئی۔اسی ربط وتعلق نے مثنوی مولانا رومؒ کو پڑھنے اور سمجھنے کے ذوق وشوق کوایسی کیفیت میں ڈھال دیا کہ اپنی کم علمی اور کم فہمی کے احساس کے باوجود دل کی گہرائیوں میں یہ ولولہ موجزن ہوا کہ فارسی ادب کی اس شہرۂ آفاق تخلیق کا اُردو میں منظوم ترجمہ کیا جائے۔یہ آرزو مدتوں سینے میں پرورش پاتی رہی۔جب بھی کسی محفل میں خمخانۂ رومی سے بادۂ عرفان کے جام لنڈھائے گئے یا کہیں نوائے نَے نے ہجر وفراق کے درد بکھیرے تو میرے دل میں برسوں کی خوابیدہ تمنا تڑپ اٹھی اور بے ساختہ جی چاہا کہ گلشنِ رومی سے گل چینی کی جائے لیکن زندگی کی مسلسل کشمکش کے باعث مطلوبہ فرصت اور یکسوئی حاصل نہ ہو سکی۔تاہم ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد میں نے اپنی زندگی بھر کی آرزو کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا فیصلہ کیا تو اس ارادے کو قطبِ دوراں قبلہ سیّد پیر مہر علی شاہ مدظلہ،اور حضرت قبلہ سیّد غلام محی الدین المعروف بابو جی قدس سرّہ، سے میرے روحانی تعلق اور قلبی نسبت نے روزافزوں تقویت بخشی جو خود بھی پیر رومیؒ کے بڑے عقیدت منداور مداح تھے۔

مثنوی کی ضخامت کے پیشِ نظر یہ طے کیا کہ مرحلہ وار منتخب حصوں کا ترجمہ کیا جائے۔چونکہ مثنوی کا ہر شعر بجائے خود علم وعرفاں کا بحرِ ذخّار ہے اس لیے ایسی صورت میں سے انتخاب ایک دشوار عمل تھا چنانچہ میں نے مختلف ابواب اور حکایات میں سے جابجا ایک ہی موضوع پر جو اشعار موجود تھے ترجمہ کے لیے منتخب کیے اور نفسِ مضمون کے اعتبار سے انہیں مناسب عنوانات دیئے مثلاً مثنوی کے ابتدائی اشعار کو جو نَے (بانسری) کی روداد سے متعلق ہیں نوائے نَے کا عنوان دیا اور جہد وتوکل کے بارے میں اشعار کو جہد وتوکل کے عنوان سے شامل کیا۔بہرنوع زیرِ نظر انتخاب میں کئی عنوانات وہی ہیں جو اصل نسخہ میں درج ہیں۔

فارسی ادب کا ایک اپنا جداگانہ مزاج ہے اور اسے اُردو میں منتقل کرنا چنداں آسان کام نہیں

تاہم چونکہ دونوں زبانوں میں اکثر الفاظ اور تراکیب مشترک ہیں اس لیے ترجمہ کرنے میں زیادہ مشکل پیش نہیں آئی۔ لیکن مثنوی مولانا رومؒ کا ترجمہ اس لحاظ سے خاصا مشکل ہے کہ اس کے اشعار کی فکری گہرائی اور روحانی گیرائی کو بطور کلی منعکس کرنا دریا کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہے۔ مثنوی میں مولانا رومؒ نے نہایت مختصر الفاظ میں اشارتاً اور کنایتاً نہایت نازک اور دقیق مسائل اور عارفانہ اسرار و رموز بیان کیے ہیں۔ جنہیں شعر کے مرکزی خیال کو متاثر کیے بغیر اردو کے قالب میں ڈھالنا جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا۔ میرے خیال میں مثنوی میں شعری حسن سے زیادہ نفسِ مضمون کو اہمیت حاصل ہے اس لیے مولانا رومؒ مثنوی کے ذریعے اسلام کا ابدی پیغام عوام الناس تک پہنچانا چاہتے تھے لہٰذا میں نے ترجمہ کرتے وقت اس امر کو ملحوظِ خاطر رکھا کہ شعر کی معنویت شعریت کی اور شعریت معنویت کی نذر نہ ہو جائے۔ میں نے حتی المقدور ان دونوں لوازمات میں ایک گونہ توازن برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے تاکہ شعر کا اصل مفہوم بھی ادا ہو جائے اور شعری حسن بھی متاثر نہ ہو۔ اس کوشش میں مجھے کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ اس کا اندازہ تو پڑھنے والے ہی لگا سکتے ہیں۔ بہر حال میرا مقصد یہ تھا کہ فارسی زبان سے ناآشنا قاری مولانا رومؒ کے اس عظیم اور نادر روزگار شاہکار کے مندرجات سے مستفیض ہوں اور اپنے ثقافتی ورثے سے ہمارا شکستہ رشتہ دوبارہ پیوستہ ہو۔

اس کتاب کی طباعت اور اشاعت کے سلسلے میں مجھے بعض نہایت مخلص احباب کا تعاون حاصل رہا جن میں سرفہرست جناب مظہر الاسلام صاحب ہیں جنہوں نے انتہائی محبت و خلوص کے ساتھ ہر مرحلہ پر اپنی ماہرانہ رائے اور مشورہ سے رہنمائی کی۔ مَیں جناب طارق نعیم صاحب کا بھی احسان مند ہوں کہ انہوں نے کتابت شدہ مسودہ پر نظر ثانی کی۔ اسی طرح محبوب احمد صاحب منیجر پرنٹ سٹائل اسلام آباد بھی میرے شکریہ کے مستحق ہیں جن کی نگرانی میں یہ کتاب شائع ہوئی۔ اور میں قسور علی خاموش صاحب کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے بڑی مستعدی، مہارت اور کمالِ فن سے کتابت کی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے۔ آمین!

مسافر چند روزہ
محمد یونس سیٹھی وفاؔ

فہرست

-1	مولانا روم	17
-2	نوائے نے	47
-3	دنیا و عقبیٰ	53
-4	جہد و توکل	56
-5	صاحبِ وصف	58
-6	امرِ ربی	60
-7	عقل	62
-8	چشمِ بینا	63
-9	نورِ حق	64
-10	قول	66
-11	خالق و مخلوق	67
-12	التجا	69
-13	حدیث مبارک	71
-14	علم	73
-15	قادرِ مطلق۔ کارساز	74
-16	رزقِ حلال	77
-17	نعتِ تعظیمِ مصطفیٰ کہ در انجیل بود	78
-18	قصہ فریاد رسیدن رسول اللہ کاروان عرب را	80

-19	دعائے آدم	88
-20	مُناجات	91
-21	جہانِ عمل	94
-22	نفس	96
-23	رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر کی تفسیر	98
-24	مردِ کامل	101
-25	سبب و مسبب	103
-26	اسرارِ عشق	106
-27	چشمِ گریاں	108
-28	تفسیر "ماشاء اللہ کان مالم یشالم یکن"	112
-29	آیت "مرج البحرین یلتقیان بینھما برزخ لا یبغیان" کے معانی ۔	115
-30	دیدۂ دل	121
-31	عرضِ نیاز	123
-32	درد و درماں	126
-33	شیطان کی فتنہ سامانی	128
-34	دُرِّ حقائق	130
-35	حرفِ راز	134
-36	مؤمن کی دُعا کی قبولیت میں تاخیر کا سبب	137
-37	عجز و انکسار	139
-38	اعمالِ نیک	143
-39	طلب	146
-40	حدیث "الصدق طمانیۃ والکذب ریبۃ" کی تشریح	152

41-	ہست و بود	157
42-	ربِّ رحمان و رحیم	160
43-	ظاہر و باطن	161
44-	ہے وہی حاجت روا	163
45-	سگِ کوئے لیلیٰ	165
46-	بہلول کا اک درویش سے سوال	167
47-	نظر اپنی اپنی	171
48-	مَن و تو	172
49-	اللہ گفتن نیازمند عین لبیک گفتنِ حق ست	176
50-	محبت کے طفیل	180
51-	دل	182
52-	طلبیدنِ فتح مکہ پیغمبرؐ را جہت دوستی ملکِ دنیا نبود چونکہ فرمود الدنیا جیفۃ وطالبہا کلاب، بلکہ بامرِ خدا بود	185
53-	قصۂ خیو انداختن خصم در روئے امیر المومنین حضرت علیؓ و انداختن حضرت امیر المومنین شمشیر از دست	188
54-	جواب دادن امیر المومنین	192
55-	عشق	195
56-	مضرتِ تعظیم خلق و انگشت نما شدن	197

مولانا رومؒ

مولانا جلال الدین رومیؒ دنیائے تصوف کے ایک بلند و بالا، درخشندہ و تابندہ ستارہ نور ہیں جس سے پھوٹنے والی شعاعوں نے صدیوں سے ذہنوں کو جلا بخشی ہے اور قلب و روح کو سکون و طمانیت سے مالا مال کیا۔ مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ کے چشمۂ فیض سے دنیا کے گوشے گوشے میں رنگ و نسل اور مذہب و ملت سے قطعِ نظر لاتعداد انسان فیض یاب ہوئے ہیں۔ آزمائش و ابتلا اور رنج و محن سے بوجھل زندگی اور حالات کی اذیتوں اور کلفتوں سے مجبور انسان نے مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ کے اشعار و افکار سے روحانی اطمینان اور عزم و عمل کا درس حاصل کیا ہے۔

مثنوی مولانا رومؒ درحقیقت قرآنِ پاک اور احادیثِ نبویؐ کا عکسِ جمیل ہے جس میں مولانا رومؒ نے روحِ قرآنِ حکیم اور پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشادات و فرمودات اور اعمال و افکار کی تشریح و تفسیر روزمرہ کی زندگی کی امثال کے حوالے سے نہایت مؤثر اور دلفریب انداز میں پیش کی ہے۔

کئی صدیاں گزر جانے کے بعد بھی مولانا رومؒ کے کلام و پیام کی تازگی اور شگفتگی نہ صرف قائم و دائم ہے بلکہ مشرق و مغرب میں اس کی مقبولیت اور پذیرائی میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کی اثر انگیزی کا یہ عالم ہے کہ کئی مغربی زبانوں کے مستشرقین نے مثنوی کے تراجم اور تفاسیر شائع کی ہیں اور اس شہرۂ آفاق تخلیق کو ایک ابدی منبعِ دانش قرار دیا گیا ہے۔ مثنوی مولانا رومؒ کا پیغام وقت اور زمانہ کی قید سے آزاد ہے اور عہدِ حاضر کے لیے نہایت حقیقت پسندانہ اور برمحل ہے کیونکہ اس کا تعلق براہِ راست اُس حقیقی انسان سے ہے جو ہم سب کے اندر ہمیشہ سے موجود ہے اور رہے گا۔ تاہم تہذیبِ نو کی گوناں گوں فتنہ سامانیوں نے اس انسان کو خود فراموشی میں مبتلا کر کے اپنے اصل سے دور کر دیا ہے۔ مولانا رومؒ کی مثنوی اس انسان کو اپنے تئیں از سرِ نو دریافت کرنے اور اپنے اصل کی جستجو میں سرگرمِ عمل ہونے کی نہ صرف ترغیب دیتی ہے بلکہ اس کی رہنمائی بھی کرتی ہے۔

مولانا رومؒ ایک عالی مرتبہ عالم دین اور صوفی باصفا تھے وہ جہانِ تصوف کے متقدمین کی تعلیمات وتصنیفات اور تجربات ومکاشفات کے اسرار ورموز سے بطورِکلی بہرہ ور اور آگاہ تھے۔اس گہری وابستگی کے ساتھ ساتھ ان کی اپنی عبودیت اور روحانی فضیلت نے انہیں اس ارفع واعلیٰ مقام پر پہنچا دیا تھا جہاں ان کی شخصیت عہدِ رفتہ کے صوفیائے کرام کی اُن تمام خصوصیات کا مجموعہ ومخزن نظر آتی ہے جو ان اکابرین کی وجہ ٔ امتیاز وحرمت تھیں۔ درحقیقت مولانا رومؒ کی ذات مختلف ادوار میں عالمِ اسلام کے متعدد روحانی سرچشموں کا نکتۂ اتصال رہی ہے۔انہوں نے عالم تصوف کی تمام اقدار و روایات اور تجلّیات کو اپنی زندگی میں اس طرح سمو رکھا تھا کہ ان کے دیوان اور مثنوی میں عہدِ رفتہ کے اولیاء وصوفیاء بالخصوص بایزید بسطامیؒ،منصور حلاجؒ،فریدالدین عطارؒ،معروف کرخیؒ اور ابوالحسن الخرقانی کا فکر وفلسفہ اس حسن وخوبی سے جھلکتا ہے کہ قاری کو محسوس ہوتا ہے کہ عالم اسلام کی یہ بلند مرتبہ شخصیات مولانا رومؒ کے توسط سے کارزارِ حیات میں ازسرِ نو سرگرم عمل ہو گئیں ہیں۔تعلیماتِ اسلامی اور تصوف کے حوالے سے مولانا رومؒ کے اشعار میں ابنِ عربی کے نظریات کی گہرائی اور گیرائی اور فلسفۂ وحدت الوجود کا اثر بھی نمایاں نظر آتا ہے۔

مولانا رومؒ نے سلسلۂ تصوف اور منزلِ سلوک کی راہ میں اپنے افکار سے ایسا چراغ روشن کیا ہے جس کی ضیاپاشیوں سے کامل وناقص، عاقل وجاہل،شاہ وگدا،خورد وکلاں، پیر وجواں اور مرد وزن سبھی اپنی اپنی استطاعت کے مطابق فیضیاب ہوئے ہیں اور سدا ہوتے رہیں گے۔مولانا کے کلام میں شریعت وطریقت،حقیقت ومعرفت،حق وصداقت،حکمت وفراست اور روحانیت وجاذبیت کی ایسی کیفیات موجزن ہیں جن کی ابدیت نے ہر کس وناکس کو متاثر کیا اور فارسی ادب کے واجب الاحترام و عالی مقام شاعر مولانا جامیؒ نے ان کی ہمہ گیر فضیلت وعظمت کو احاطہ یوں کیا۔

نیست پیغمبر ولے دارد کتاب

نام ونسب:

مولانا جلال الدین رومیؒ کا نام محمد لقب جلال الدین اور سلسلہ نسب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے۔محمد صرف مولانا کا ہی نام نہیں ہے بلکہ ان کے والد اور دادا کا نام بھی محمد تھا۔

مولانا رومؒ کے والد ماجد کا لقب بہاؤالدین تھا وہ بلخ کے رہنے والے تھے۔ پورے خراسان میں ایک بلند مرتبہ صاحب علم وفضل بزرگ کی حیثیت سے ان کا بے حد احترام کیا جاتا تھا اوران کے عرفان وعمل اورزہد وتقویٰ کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ چنانچہ ان کے حلقۂ ارادت میں عوام وخواص سبھی شامل تھے۔ دینی اور علمی مسائل کے لیے ہر طرف سے علماء اور طلباء ان سے رشدوہدایت اور رہنمائی حاصل کرنے کی غرض سے حاضر ہوتے تھے۔ آپ مختلف معاملات میں فتوے بھی صادر فرماتے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ صبح سے دوپہر تک علوم درسیہ کا درس دیتے تھے اور ظہر کے بعد حقائق واسرار بیان کرتے تھے البتہ پیر اور جمعہ کے ایام وعظ کے لیے مخصوص تھے۔

وہ سلسلۂ خوارزمیہ کا دورِ حکومت تھا اور محمد خوارزم شاہ برسرِ اقتدار تھا وہ شیخ بہاؤ الدین کے معتقدین میں سے تھا اور اکثر وبیشتر ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ بسا اوقات امام فخر الدین رازی جو خوارزم شاہ کے مقرّبِ خاص تھے ان کے ہمراہ ہوتے تھے۔

شیخ بہاؤالدین کی روز افزوں مقبولیت اور خوارزم کی ان سے بڑھتی ہوئی عقیدت دربار شاہی کے امراء اور علما کو کھٹکنے لگی یہاں تک کہ بالآخر وہ خوارزم کے دل میں بھی شکوک وشبہات پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ شیخ بہاؤالدین نے بدلے ہوئے حالات کو محسوس کرتے ہوئے ۶۱۰ھ میں ترکِ وطن کا فیصلہ کیا اور نیشاپور چلے گئے۔ بعض مؤرخین کے مطابق خوارزم کے رویہ میں تبدیلی کے محرک امام فخر الدین رازی تھے۔ جو شیخ بہاؤالدین سے کئی بنیادی مسائل پر گہرے اختلافات رکھتے تھے تاہم یہ روایت کچھ تبصرہ نگاروں کے نزدیک اس لیے قابل قبول نہیں کہ امام رازی شیخ بہاؤالدین کے ترکِ وطن سے دو تین سال پیشتر وفات پا چکے تھے۔ بہر نوع شیخ بہاؤالدین کی روانگی کا سُن کر خوارزم کو بہت افسوس ہوا اور اُس نے حاضر ہو کر بہت منت سماجت کی لیکن شیخ صاحب نے اپنا ارادہ نہ بدلا اور تقریباً تین سو مریدوں کے ہمراہ نیشاپور کے لیے روانہ ہو گئے۔ دورانِ سفر جگہ جگہ رؤساء واُمراء اور عوام آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہوتے رہے۔ نیشاپور پہنچے تو خواجہ فریدالدین عطار سے ملاقات ہوئی۔ اس وقت مولانا رومؒ کی عمر تقریباً چھ برس کی تھی (گو بقول ڈاکٹر افضل اقبال مولانا رومؒ اس وقت تقریباً ۱۲ برس کے تھے۔) خواجہ صاحب نے مولانا رومؒ کو دیکھا تو شیخ بہاؤالدین سے مخاطب ہوئے اور

فرمایا کہ "اس جوہرِ قابل سے غافل نہ ہونا" اور یہ کہہ کر اپنی مثنوی "اسرار نامہ" کا ایک نسخہ مولانا کو مطالعہ کیلئے عنایت کیا۔

نیشاپور میں کچھ عرصہ قیام کے بعد شیخ بہاؤالدین بغداد آ گئے اور یہاں ایک مدت تک قیام پذیر رہے۔ یہاں شہر اور گردونواح کی کئی سرکردہ شخصیات اور نامور علماء ملاقات کے لیے حاضر ہو کر ان سے دینی اور علمی موضوعات پر معارف و حقائق کی روشنی حاصل کرتے۔ اتفاق سے انہی دنوں بادشاہِ روم کیقباد کی طرف سے بھیجے ہوئے ایک وفد کے ارکان نے بھی شیخ بہاؤالدین کے درس میں شرکت کی اور اس قدر متاثر ہوئے کہ اُن کے حلقۂ ارادت میں شمولیت اختیار کر لی۔ روم پہنچ کر انہوں نے کیقباد سے شیخ بہاؤالدین کا تذکرہ کیا تو اُس کے دل میں شیخ صاحب سے ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا اور پھر بعد میں وہ ان کے مریدوں میں شامل ہو گیا۔

شیخ بہاؤالدین بغداد سے حجاز اور حجاز سے شام پہنچے۔ دمشق میں قیام کے دوران میں کئی مشاہیر اور علما و فضلا سے اُن کی ملاقاتیں رہیں۔ شام سے قصدِ سفر کیا تو زنجان آئے اور وہاں سے لارندہ پہنچے۔ یہاں وہ تقریباً سات برس تک قیام پذیر رہے۔ اس وقت مولانا روم کی عمر ۱۸ برس کی تھی شیخ بہاؤالدین نے یہیں مولانا کی شادی کرا دی اور ۶۲۳ھ میں مولانا کے فرزند رشید سلطان ولد پیدا ہوئے۔

لارندہ سے شیخ بہاؤالدین شاہِ روم کیقباد کی درخواست پر قونیہ آ گئے جب کیقباد کو شیخ بہاؤالدین کی آمد کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے تمام امراء اور ارکانِ سلطنت کے ہمراہ شہر میں داخل ہونے سے پہلے ان کا استقبال کیا اور انہیں نہایت عزت و احترام اور تزک و احتشام کے ساتھ شہر میں لایا۔ شہر کے قریب آ کر کیقباد اپنی سواری سے اتر آیا اور شیخ بہاؤالدین کی سواری کے ہمراہ پیادہ شہر میں داخل ہوا جہاں راستہ کے دونوں طرف ہزاروں لوگ استقبال کے لیے صف آرا تھے۔

شیخ بہاؤالدین اور ان کے اہلِ خانہ کو ایک شاندار گھر میں ٹھہرایا گیا جہاں آسائش و آرام کی تمام ضروریات موجود تھیں۔ کیقباد اکثر شیخ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی صحبت سے کسبِ فیض کرتا۔

شیخ بہاؤالدین نے اپنی حیات کے باقی ایام یہیں بسر کیے اور بروز جمعہ ۱۸ ربیع الثانی ۶۲۸ھ کو اپنے خالقِ حقیقی سے واصل ہوئے۔

مولانا رومؒ

مولانا محمد جلال الدین رومی ۶۰۴ھ میں بلخ میں پیدا ہوئے انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد شیخ بہاؤالدین سے حاصل کی۔تاہم علوم دینی کی تحصیل کے لیے سیّد برہان الدین محقق کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔سیّد برہان الدین محقق اس دور کے بڑے نامور اور بلند پایہ عالم و فاضل تھے۔وہ شیخ بہاؤالدین کے مرید اور مقرب خاص تھے۔استاد اور اتالیق کی حیثیت سے انہوں نے مولانا کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی۔مولانا نے اکثر علوم و فنون پر انہیں کے زیرِ سایہ دسترس حاصل کی۔

شیخ بہاؤالدین کی وفات کے بعد ۶۲۹ھ میں مولانا نے مزید تحصیلِ علم و فن کی غرض سے شام میں سکونت اختیار کر لی۔ان دنوں شام میں دمشق اور حلب دونوں شہر علم و دانش کے مرکز اور علما و فضلا کا مسکن تھے اور مدینۃ العلوم کا درجہ رکھتے تھے جہاں متعدد بڑے بڑے مدرسے قائم تھے جن میں نزد و دور سے آئے ہوئے طالبانِ علم نامور اور جید صاحبانِ علم و حکمت سے کسبِ فیض کرتے اور دامنِ مراد بھرتے تھے۔

مولانا پہلے حلب گئے اور وہاں مدرسۂ حلاویہ کے دارالاقامت میں قیام کیا اس مدرسہ میں کمال الدین بن عدیم حلبی درس و تدریس میں مشغول تھے وہ ایک نہایت اعلیٰ درجہ کے محدّث، حافظ، مؤرخ، کاتب، مفتی اور ادیب تھے۔ان کی لکھی ہوئی ''تاریخ حلب'' کا کچھ حصہ اب بھی یورپ میں محفوظ ہے۔مولانا نے مدرسہ حلاویہ کے علاوہ حلب کے بعض دوسرے مدرسوں میں بھی تعلیم حاصل کی۔ مختلف تذکرہ نگاروں نے تسلیم کیا ہے کہ مولانا کو اُس وقت بھی عربیت، فقہ، حدیث، تفسیر اور معقول پر عبور حاصل تھا اور جب بھی کوئی مشکل مسئلہ آ جاتا اور کوئی بھی اس کا خاطر خواہ حل پیش کرنے کے قابل نہ ہوتا تو لوگ مولانا سے رجوع کرتے۔

دمشق میں قیام کے دوران مولانا کی اس عہد کی یکتائے روزگار اور بلند مرتبہ علما و فضلا سے ملاقاتیں رہیں جن میں شیخ محی الدین اکبر، شیخ سعدالدین حموی، شیخ عثمان رومی، شیخ اوحدالدین کرمانی اور

شیخ صدرالدین قونوی کےعلاوہ کئی دوسرے مشاہیر کرام بھی شامل تھے۔ان سے ملاقاتوں اورصحبتوں میں حقائق واسرار کےمختلف پہلوؤں پرتبادلہ خیال کیاجاتا۔

دریں اثنا جب کچھ عرصہ بعد سیّد برہان الدین محقق کواپنے وطن ترمذ میں شیخ بہاؤالدین کے انتقال کی اطلاع ملی تو وہ قونیہ پہنچے۔اس وقت مولانا لارندہ میں تھے۔اپنے استاد اور اتالیق کی قونیہ میں آمد کی خبر ملتے ہی قونیہ پہنچ گئے۔استاد شاگرد انتہائی خلوص ومحبت سے بغل گیر ہوئے اورکافی دیرتک دونوں پرایک گونہ وارفتگی کی کیفیت طاری رہی۔بعد میں سیّد برہان الدین نے جب مولانا سے مختلف دینی امور پر گفتگو کی اورانہیں تمام علوم میں کامل پایا تو فرمایا کہ علمِ باطنی رہ گیا ہے اور یہ تمہارے والد ماجد کی امانت ہے جو میں تمھیں دینا چاہتا ہوں۔چنانچہ چند سال وہیں قیام کیا۔مولانا نے انہی سے علوم لدُنی،حکمتِ الہامی اورطریقت وسلوک کےاسرار ورموز کی معرفت حاصل کی۔بعض تذکرہ نگاروں کےمطابق مولانا اُسی زمانہ میں ان کے مرید ہوگئے تھے۔جس کی تصدیق ''مناقب العارفین'' سے بھی ہوتی ہے۔چنانچہ مثنوی میں مولانا جابجا سیّد برہان الدین محقق کا ذکراسی عزت واحترام اورمحبت ونیاز سے کرتے ہیں جس طرح ایک مخلص مرید اپنے مرشد کا کرتا ہے۔اس دور میں مولانا پر ظاہری علوم کا رنگ غالب تھا۔درس وتدریس میں مصروف رہتے۔فتوے صادر فرماتے۔وعظ کی مجالس ہوتیں تاہم سماع سے سخت احترازکرتے۔

اخلاق وعادات:

مولانا جب تک تصوف کے دائرے میں نہیں آئے ان کی زندگی عالمانہ جاہ وجلال کی شان رکھتی تھی۔امراء اورسلاطین کے دربار سے بھی انہیں تعلق تھا لیکن سلوک میں داخل ہونے کے ساتھ ہی یہ حالت بدل گئی۔مختلف تذکرہ نگاروں کےمطابق (جیسا کہ اکثر ذکر کیا جاچکا ہے)۔مولانا کی صوفیانہ زندگی کا آغاز شمس الدین تبریزؒ سے ملاقات کے بعد ہوا۔درس وتدریس،افتاءاورافادہ کا سلسلہ جاری رہا لیکن وہ گذشتہ زندگی کی محض ایک یادگار تھی ورنہ زیادہ تر تصوف کے نشے میں سرشار رہے۔

ریاضت اورمجاہدہ ان کی زندگی کامعمول بن گیا۔سپہ سالار جوبرسوں مولانا کے ساتھ رہے لکھتے ہیں کہ ''میں نے کبھی ان کو شب خوابی کے لباس میں نہیں دیکھا۔بچھونا اورتکیہ کبھی پاس نہیں رکھتے

تھےاور لیٹنے سے بھی پرہیز کرتے تھے۔اگر کبھی نیند غالب آتی تو بیٹھے بیٹھے ہی سو جاتے۔''

اکثر وبیشتر روزہ سے ہوتے بلکہ بعض معتبر روایات کے مطابق کئی دن تک کچھ نہ کھاتے۔ نماز کا وقت آتا تو فوراً قبلہ رو ہو جاتے اور چہرے کا رنگ بدل جاتا۔نماز کی ادائیگی میں استغراق کا یہ عالم تھا کہ بقول سپہ سالار بارہااوّل عشاء کی نیت باندھی اور دو رکعت میں صبح ہو گئی۔چنانچہ مولانا نے ایک غزل میں اس کیفیت کا ذکر یوں کیا ہے۔

بخدا خبر ندارم چو نماز می گذارم
کہ تمام شد رکوعے کہ امام شد فلانے

ایک دفعہ جاڑوں کے دن تھے۔مولانا نماز میں اس قدر روئے کہ تمام چہرہ اور داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔سردی کی شدت کے باعث آنسو جمع ہو کر یخ ہو گئے۔لیکن وہ اسی طرح نماز میں مشغول رہے۔

مولانا کے مزاج میں بے حد قناعت تھی۔اگر چہ سلاطین وامراء نقدی اور دوسرے تحائف آپ کی خدمت میں پیش کرتے تھے لیکن جو کچھ بھی آتا صلاح الدین زرکوب یا حسام الدین چلپی کے حوالے کر دیتے۔اپنے پاس کچھ بھی نہ رکھتے۔مستند روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ بسا اوقات گھر میں خاصی تنگی ہوتی اور مولانا کے صاحبزادے سلطان ولد اصرار کرتے تو کچھ رکھ لیتے۔جس دن گھر میں کھانے کا سامان نہ ہوتا تو خوش ہو کر کہتے آج ہمارے گھر سے درویشی کی خوشبو آرہی ہے۔

فیاضی اور ایثار کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی سائل آتا تو جو کچھ پاس ہوتا دے دیتے حتیٰ کہ عبا تک اتار کر اُس کے حوالے کر دیتے۔

مولانا کے عجز وانکسار،فقر واستغنیٰ اور جذب ومستی کے حوالے سے مختلف تذکروں میں بے شمار ایسے واقعات درج ہیں جن کے مطالعہ سے مولانا کی درویشانہ عظمت کا پتہ چلتا ہے۔

ایک روز موسم سرما میں حسام الدین چلپی سے ملنے گئے۔چونکہ کافی رات ہو چکی تھی اور دروازے بند تھے اس لیے وہیں رُک گئے۔برف باری کی وجہ سے تمام جسم برف سے ڈھک گیا لیکن اس خیال سے کہ اہلِ خانہ کو تکلیف نہ ہو دروازہ کھٹکھٹانا یا آواز دینا مناسب نہ سمجھا۔صبح ہوئی اور

حاجب نے دروازہ کھولا تو مولانا کو سرتاپا برف پوش دیکھا۔حسام الدین چلپی کو اطلاع دی وہ بھاگتا ہوا آیا اور قدموں میں گر کر زاروقطار رونے لگا۔مولانا نے گلے سے لگالیا اور تسلی دی۔

ایک دفعہ مولانا سماع کی مجلس میں تشریف فرما تھے۔اہلِ محفل اور خود مولانا پر وجد کی سی کیفیت طاری تھی۔ایک شخص عالمِ محویت و مستی میں تڑپتا تو مولانا سے جا کر ٹکراتا۔چند دفعہ یہی اتفاق ہوا تو معتقدین نے اس کو بزورمولانا کے پاس سے ہٹا کر دور بٹھادیا۔مولانا نے قدرے ناراضگی سے فرمایا"شراب اس نے پی ہے اور بدمستی تم کرتے ہو۔"

ایک بار مسجد میں جمعہ کے دن وعظ کی مجلس تھی۔تمام امراء اور صلحاء حاضر تھے۔مولانا نے قرآن مجید کے نکات اور دقائق بیان کرنا شروع کئے۔ہر طرف سے بےاختیار سبحان اللہ اور داد و تحسین کی صدائیں بلند ہوئیں۔ان دنوں ایسی مجالس کا طریقہ کار یوں تھا کہ قاری قرآن حکیم کی چند آیتیں تلاوت کرتا تھا اور واعظ ان آیات کی تفسیر بیان کرتا تھا۔مجمع میں ایک فقیہ بھی تشریف فرما تھے۔انہیں مولانا سے حسد پیدا ہوا۔چنانچہ اُٹھے اور کہا کہ ایسی مجالس میں آیتیں پہلے سے مقرر کرلی جاتی ہیں لہٰذا ان کی تفسیر بیان کرنا چنداں مشکل کام نہیں مولانا نے فرمایا آپ کوئی سی سورۃ پڑھیے میں اس کی تفسیر بیان کروں گا۔فقیہ نے والضحیٰ تلاوت کی۔مولانا نے اس سورۃ کے نکات و دقائق بیان کرنا شروع کئے تو صرف "والضحیٰ" کے "واؤ" کے متعلق اس قدر شرح و بسط سے بیان کیا کہ شام ہوگئی۔تمام مجلس پر ایک گونہ وجد کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔فقیہ نہ صرف بے حد شرمسار ہوئے بلکہ وجد کی حالت میں اپنے کپڑوں کو بھی پارہ پارہ کرڈالا اور مولانا کے قدموں میں گر پڑے۔تذکرہ نگاروں کے مطابق اس جلسہ کے بعد مولانا نے مواعظ کا سلسلہ منقطع کردیا۔فرمایا کرتے تھے کہ جس قدر میری شہرت بڑھتی جاتی ہے میں اُسی قدر مشکلات میں مبتلا ہوتا جاتا ہوں لیکن کیا کروں کوئی چارہ نظر نہیں آتا۔

"مناقب العارفین" میں لکھا ہے کہ مولانا کو اوقاف کی مد سے پندرہ دینار ماہوار وظیفہ ملتا تھا لیکن چونکہ مولانا مفت خوری کو قطعاً ناپسند کرتے تھے اس لئے اس وظیفہ کے عوض فتوے لکھا کرتے تھے اور مریدوں کو تاکیداً کہہ رکھا تھا کہ جب اور جس وقت بھی کوئی فتویٰ لائے تو مجھے فوراً مطلع کیا جائے۔چنانچہ کئی بار عالمِ جذب و کیف میں فتوے صادر فرمائے۔ایک دفعہ اِسی حالت میں فتویٰ لکھا تو شمس الدین ماروتی نے اس پر کچھ اعتراض کیا۔مولانا نے سُنا تو کہلا بھیجا کہ فلاں کتاب کے فلاں صفحہ پر یہ فتویٰ

موجود ہے۔چنانچہ جب لوگوں نے تحقیق کی تو مولانا نے جو کچھ کہا تھا وہ درست ثابت ہوا۔

مولانا کے معتقدین میں سے ایک صاحب نے کہا شیخ صدرالدین کو ہزاروں دینار کا وظیفہ ملتا ہے اور آپ کو کل پندرہ دینار ملتے ہیں۔مولانا نے کہا "شیخ کے مصارف بھی بہت ہیں اور حق تو یہ ہے کہ میرے پندرہ دینار بھی انہی کو ملنا چاہئیں"

مولانا پر اکثر استغراق، وجد اور محویت کی حالت طاری رہتی تھی بیٹھے بیٹھے یکبارگی اُٹھ کھڑے ہوتے اور رقص کرنے لگتے۔کبھی کبھی چپکے سے کسی طرف کو نکل جاتے اور کئی کئی روز تک غائب رہتے۔معتقدین تلاش بسیار کے بعد کسی ویرانے سے گھر واپس لاتے۔سماع کی مجالس میں جب وجد کا عالم طاری ہوتا تو دن رات اُسی حالت میں گذر جاتے۔کبھی راہ چلتے کسی طرف سے کوئی وجد آور آواز آتی تو وہیں رُک کر محو رقص ہو جاتے۔تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مولانا کی زندگی طریقت و شریعت کا ایک نہایت حسین اور متناسب امتزاج تھی اور مولانا کا یہی حسن مثنوی میں بھی منعکس ہے۔مثنوی کے مطالعہ سے واضح ہوگا کہ مولانا نے نہایت منظم اور باضابطہ کوشش کی ہے کہ شریعت و طریقت میں کسی قسم کی مغائرت نظر نہ آئے۔انہوں نے ارباب شریعت پر واضح کیا کہ اگر احکام خداوندی کی حقانیت طریقِ کشف سے روشن نہ ہو تو دل کو سکون حاصل نہیں ہوتا۔صوفی کے لیے احکامِ شریعت پر عمل پیرا ہونا عین راحت ہے اس لیے کہ وہ عشقِ الٰہی میں سرشار ہوتا ہے اور اس پر کسی قسم کا جبر نہیں جب کہ اربابِ طریقت پر مولانا نے یہ بات روشن کی کہ تصوف درحقیقت شریعت ہی کا دوسرا نام ہے اور یہ دعویٰ کرنا کسی طرح بھی درست نہیں کہ تزکیۂ قلب حاصل ہو جائے تو تکالیفِ شرعی کی پابندی ضروری نہیں رہتی۔مولانا نے تصوف کے اعلیٰ مقام پر پہنچ کر بھی احکامِ شرعی کو کبھی نظر انداز نہیں ہونے دیا۔اور اس طرح عملاً تصوف کی واضح حد بندی کر دی۔جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ طریقت یا تصوف یہ ہے کہ انسان تہِ قلب سے احکامِ شرعی کی حقانیت اور صداقت کا احساس کرے۔بہ الفاظِ دیگر تصوف میں تمام وظائفِ شرعی کا ادا کرنا عشقِ الٰہی کا نتیجہ ہے اور صوفی قرب و معرفتِ خداوندی کے باعث دل کی گہرائیوں سے احکامِ شرعی کی رمزِ حقیقی کو محسوس کرتا ہے۔تاہم اگر عالمِ استغراق میں تکلیفاتِ شرعیہ کی پابندی نہ ہو سکے تو اس کی تشریح و توضیح یوں فرمائی ہے۔

موسیا! آداب داناں دیگر اند — سوختہ جان و رواناں دیگر اند
خوں شہیداں را ز آب اولیٰ ترست — ایں گنہ از صد ثواب اولیٰ ترست
درمیانِ کعبہ رسم قبلہ نیست — غم چہ ار غواص را پا چپلہ نیست
عاشقاں را ہر زماں سو زید نیست — بردہِ ویراں خراج و عشر نیست

ان اشعار کا حاصل یہ ہے کہ خون ناپاک چیز ہے لیکن شہداء کا خون ناپاک نہیں سمجھا جاتا اور اسی وجہ سے انہیں غسل بھی نہیں دیا جاتا ۔اسی طرح خانہ کعبہ میں پہنچ کر قبلہ کی پابندی بھی اٹھ جاتی ہے (آپ کسی طرف سے بھی قبلہ رو ہو کر نماز ادا کر سکتے ہیں)اور غوطہ خور جب دریا میں داخل ہوتا ہے تو اُسے چپل کی ضرورت نہیں ہوتی ۔لہٰذا وارفتگانِ محبت جب مقام محویت اور قرب میں پہنچ جاتے ہیں تو ان پر ظاہری آداب کی پابندی ضروری نہیں رہتی ۔

مولانا اور شمس تبریز:

مولانا روم کی زندگی کا دوسرا دور شمس تبریز سے ملاقات کے بعد شروع ہوتا ہے ۔مولانا اور شمس تبریز کی مالاقات کو مولانا کہ زندگی میں جو اہمیت حاصل ہے اس سے کسی کو انکار نہیں تاہم مقامِ حیرت ہے کہ اس اہم ترین واقعہ کو تذکروں اور تاریخی کتب میں مختلف صورتوں میں پیش کیا گیا ہے ''جواہر مفئیہ'' جسے علمائے کرام کے حالات کے بارے میں سب سے پہلی اور مستند کتاب قرار دیا جاتا ہے اس میں درج ہے:

''ایک دن مولانا اپنے شاگردوں کے حلقہ میں تشریف فرما تھے ۔چاروں طرف کتابوں کے انبار لگے تھے کہ اچانک شمس تبریز قلندرانہ انداز میں آئے اور سلام کر کے بیٹھے اور کتابوں کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ''یہ کیا ہے''؟مولانا نے جواب دیا کہ''یہ وہ چیز ہے جس سے تم واقف نہیں ۔''مولانا کا یہ کہنا تھا کہ اچانک کتابوں میں آگ لگ گئی ۔یہ دیکھ کر مولانا نے دریافت کیا''یہ کیا ہے''؟شمس تبریز نے فرمایا''یہ وہ چیز ہے جس سے تم واقف نہیں''اور یہ کہہ کر وہاں سے چلے گئے اس واقعہ سے مولانا اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کی زندگی کا رخ ہی بدل گیا ۔گھر بار، درس وتدریس اور معاملاتِ زندگی کو ترک کر کے صحرا نوردی شروع کر دی ۔ ملک کے گوشے گوشے میں شمس تبریز کو تلاش کیا لیکن وہ کہیں نہ ملے ۔مولانا کے عقیدت منداس صورتِ حال سے سخت پریشان تھے ۔روایت ہے کہ مولانا کے کسی مرید نے شمس تبریز

کوقتل کردیا تھا"۔

بعض تاریخ نگاروں کا خیال ہے کہ شمس تبریز کو ان کے مرشد بابا کمال الدین جندی نے حکم دیا تھا کہ روم جاؤ وہاں ایک سوختہ دل ہے اُسے گرما آؤ۔ چنانچہ شمس تبریز گھومتے پھرتے قونیہ پہنچے اور شکر فروشوں کی سرائے میں قیام کیا۔ ایک دن مولانا روم کی سواری بڑے تزک و احتشام سے جارہی تھی تو شمس تبریز نے روکا اور پوچھا کہ مجاہدہ وریاضت کا کیا مقصد ہے؟ مولانا نے فرمایا "اتباع شریعت"، شمس تبریز نے کہا "یہ تو سب جانتے ہیں" مولانا نے جواب دیا "اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتا ہے"۔ شمس تبریز بولے "علم کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ تمہیں منزل تک پہنچائے۔" پھر حکیم سنائی کا یہ شعر پڑھا۔

علم کز تو ترا بستاند

جہل زاں علم بہ بود بسیار

(جو علم تجھے تجھ سے نہ لے لے اس علم سے جہل بہت بہتر ہے)

ان جملوں سے مولانا اس قدر متاثر ہوئے کہ اُسی وقت شمس تبریز کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

ایک اور روایت ہے کہ مولانا کسی حوض کے کنارے بیٹھے کتابوں کا مطالعہ کررہے تھے کہ شمس تبریز آپہنچے اور مولانا سے دریافت کیا کہ یہ کیسی کتابیں ہیں؟ مولانا نے فرمایا کہ "تمہیں ان کتابوں سے کیا واسطہ؟ یہ سن کر شمس تبریز نے وہ کتابیں اٹھا کر حوض میں پھینک دیں۔ مولانا کو سخت رنج ہوا اور کہا کہ "میاں درویش تم نے ایسی کتابیں ضائع کردیں جن میں کئی نادر نسخے بھی تھے اور اب ان کا ملنا محال اور مشکل ہے"۔ اس پر شمس تبریز نے وہ کتابیں خشک حالت میں حوض سے نکال کر مولانا کے سامنے رکھ دیں۔ مولانا حیران ہوئے تو شمس تبریز نے کہا "یہ حال کی باتیں ہیں تم صاحب قال ان کو کیا جانو"۔ اس واقعہ نے مولانا کو اس قدر متاثر کیا کہ وہ شمس تبریز کے ارادتمندوں میں شامل ہوگئے۔

ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ جب وہ قونیہ میں تھا تو وہاں مولانا اور شمس تبریز کی ملاقات کے بارے میں جو روایت عوام میں مشہور تھی اس کے مطابق مولانا اپنے مدرسہ میں درس دے رہے تھے کہ ایک روز ایک شخص حلوہ بیچتا ہوا مدرسہ میں آیا۔ مولانا نے اس سے ایک قاش حلوہ کی لے کر نوش فرمائی۔ حلوہ فروش تو چلا گیا لیکن مولانا پر کچھ ایسی وارفتگی سی طاری ہوئی کہ وہ بے اختیار ہوکر

اٹھے اور کسی انجانی طرف کو نکل گئے۔ برسوں کچھ پتہ نہ چل سکا۔تا ہم جب کئی برس بعد واپس آئے تو یہ حالت تھی کہ کسی سے بات چیت نہ کرتے تھے۔ جب بھی کچھ کہتے تو شعر کی صورت میں۔ان کے شاگردوں نے یہ اشعار جمع کر لیے جن سے مثنوی مرتب ہوئی۔'' اگر چہ یہ روایت بقول ابن بطوطہ اس زمانہ میں قونیہ میں اکثر بیان کی جاتی تھی تا ہم دوسری روایتوں کی نسبت یہ حقیقت حال سے بعید از قیاس نظر آتی ہے۔مولانا اور شمس تبریز کی ملاقات کے بارے میں سپہ سالار جو مولانا کے خاص شاگرد تھے اور چالیس برس تک ان کی خدمت میں رہے جو حال لکھا ہے وہ سادہ، صاف اور زیادہ قرین قیاس ہے۔یہ حال نقل کرنے سے پیشتر مناسب ہوگا کہ شمس تبریز کے بارے میں مختصراً کچھ بیان کر دیا جائے۔

شمس تبریز کا پورا نام شمس الدین بن علی بن ملک مراد تبریزی تھا۔ان کے والد کا نام علاؤالدین تھا جو ''کیا'' بزرگ کے خاندان سے تھے جو فرقۂ اسماعیلیہ کا امام تھا (دیباچۂ مثنوی نفحات میں لکھا ہے شمس کا ''کیا'' بزرگ کے خاندان سے کوئی واسطہ نہ تھا۔) لیکن شمس نے اپنا آبائی مذہب ترک کر دیا تھا۔انہوں نے تبریز میں علمِ ظاہری کی تحصیل کی۔پھر بابا کمال الدین جندی کے مرید ہوئے۔تجارت سے بسر اوقات ہوتی۔اس غرض سے جہاں پہنچتے کارواں سرائے میں اترتے ہی حجرے کا دروازہ بند کر کے مراقبے میں مصروف ہو جاتے۔ذریعۂ معاش کے لیے حسب ضرورت ازار بند بُن لیتے اور انہیں بیچ کر اخراجات پورے کرتے۔ایک دفعہ حق تعالیٰ سے مناجات کرتے ہوئے دُعا مانگی کا الٰہی کوئی ایسا بندۂ خاص مل جائے جو میری صحبت کا متحمل ہو سکے۔عالمِ غیب سے اشارہ ہوا کہ ارضِ روم جاؤ۔چنانچہ اسی وقت سفر پر روانہ ہو گئے اور جب قونیہ پہنچے تو رات کا وقت تھا۔برنج فروشوں کی سرائے میں قیام کیا۔سرائے کے دروازے پر ایک بلند چبوترہ بنا ہوا تھا۔اکثر امراء اور عمائدینِ شہر تفریح کے لیے وہاں مل بیٹھتے تھے۔شمس بھی اُس چبوترہ پر جا کر بیٹھ گئے۔مولانا روم کو ان کی آمد کا علم ہوا تو ملاقات کی غرض سے سرائے برنج فروشاں کو چلے۔راستہ بھر لوگ نہایت عزت واحترام سے قدم بوس ہوتے رہے۔اسی شان ومنزلت سے سرائے کے دروازے پر پہنچے تو انہیں دیکھ کر شمس نے جان لیا کہ یہی وہ شخص ہے جس کی نسبت بشارت ہوئی ہے۔دونوں بزرگوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو تا دیر زبانِ حال سے باتیں ہوتی رہیں۔شمس نے مولانا سے پوچھا کہ حضرت بایزید بسطامی کے ان دو

واقعات میں تطبیق کیونکر ہو سکتی ہے کہ ایک طرف تو یہ حال تھا کہ تمام عمر اس خیال سے خربوزہ نہیں کھایا کہ معلوم نہیں جناب رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کو کس طرح کھایا تھا اور دوسری طرف اپنی نسبت یوں فرماتے ہیں کہ ''سبحانی ما اعظم شانی'' (یعنی اللہ اکبر میری شان کس قدر بڑی ہے) حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم باایں ہمہ جلالتِ شان فرمایا کرتے تھے کہ میں دن میں ۷۰ (ستّر) دفعہ استغفار کرتا ہوں۔ مولانا نے فرمایا کہ بایزیدؒ اگرچہ بہت بڑے پائے کے بزرگ تھے لیکن مقام ولایت میں وہ ایک خاص درجہ پر ٹھہر گئے تھے اور اُس درجہ کی عظمت کے اثر سے ان کی زبان سے ایسے الفاظ ادا ہو جاتے تھے۔ اس کے برعکس جناب رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم منازلِ تقرب میں برابر ایک پائے سے دوسرے پائے پر چڑھتے جاتے تھے۔ اس لیے جب بلند پائے پر پہنچتے تو پہلا پایہ اس قدر پست نظر آتا کہ اس سے استغفار کرتے تھے۔

''مناقب العارفین'' کے مطابق یہ واقعہ ۶۴۲ھ کا ہے۔ اس بنیاد پر مولانا کی مسندنشینیِ فقر کی تاریخ اسی سال سے شروع ہوتی ہے۔ سپہ سالار رقم طراز ہے کہ دونوں بزرگ چھ ماہ تک صلاح الدین زرکوب کے حجرہ میں چلّہ کش رہے۔ تاہم ''مناقب العارفین'' میں یہ مدت تین ماہ بیان کی گئی ہے۔ مولانا روم کی زندگی میں یہی وہ مرحلہ ہے جب ان کی حالت میں ایک نمایاں تغیر پیدا ہوا۔ اب تک وہ سماع سے احتراز کرتے تھے لیکن اب انہیں سماع کے بغیر چین نہیں آتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک اور اہم تبدیلی یہ آئی کہ مولانا نے درس و تدریس اور وعظ و پند کے مشاغل بھی ترک کر دیئے اور شبانہ روز شمس تبریز کی خدمت میں مصروف رہنے لگے۔ مولانا کے معمولات میں اس اچانک تبدیلی سے اہلیانِ شہر میں مولانا کے مواعظ اور تعلیم سے محرومی کے احساس نے ایک گونہ شورش کی سی صورت اختیار کر لی۔ لوگوں کو سخت افسوس ہوا اور رنج تھا کہ ایک درویشِ بے سروپا نے مولانا پر ایسا جادو کر دیا ہے کہ ان کے معمولات یکسر بدل گئے ہیں۔ عوام کے علاوہ مولانا کے مریدین اور معتقدین خاص بھی اس صورتِ حال سے برہم تھے اور شمس تبریز کی وہاں موجودگی سے کسی طرح بھی خوش نہ تھے۔ گردوپیش کے کشیدہ ماحول اور خاص و عام کے شدید ردِّ عمل کو دیکھ کر شمس تبریز کو اندیشہ ہوا کہ لوگوں میں یہ برافروختگی کہیں فتنہ انگیزی کا موجب نہ بن جائے چنانچہ ایک روز وہ اچانک گھر سے نکلے اور دمشق چلے گئے۔ مولانا کو

شمس کے جانے کا اس درجہ صدمہ ہوا کہ تمام معمولات سے دست کش ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ یہاں تک کہ مریدانِ خاص بھی شرفِ ملاقات سے محروم ہوئے۔ کچھ مدت بعد شمس نے مولانا کو دمشق سے خط لکھا۔ اِس خط نے مولانا کے دل میں شوقِ ملاقات کی آگ بھڑکائی اور اُن دِنوں انہوں نے جو اشعار کہے ان کا لہجہ نہایت غمزدہ اور رقّت آمیز تھا۔ جن حضرات کے رویّہ سے شمس دلآزردہ ہوئے تھے انہیں اپنے کیے پر سخت ندامت ہوئی اور مولانا سے معذرت کے خواستگار ہوئے۔ چنانچہ باہمی مشورہ کے بعد طے پایا کہ ایک وفد دمشق جائے اور شمس کو منا کر لائے۔ سلطان ولد کو اس وفد کا رہنما مقرر کیا گیا۔ مولانا نے شمس کے نام ایک منظوم خط لکھا جس کا ہر شعر غمِ جدائی اور ذوقِ دیدار کا عکاس تھا۔

سلطان ولد قافلے کے ساتھ دمشق پہنچے اور تلاشِ بسیار کے بعد شمس کا پتہ لگانے میں کامیاب ہوئے۔ چنانچہ جب شمس کے حضور پہنچ کر سب آداب بجا لائے اور مولانا کا خط اور نذرانہ پیش کیا تو شمس نے مسکرا کر کہا "اِن خزف ریزوں کی ضرورت نہیں۔ مولانا کا پیام کافی ہے۔" سلطان ولد اور ان کے ساتھی چند روز شمس کے ہاں مہمان رہے اور پھر یہ قافلہ شمس کی قیادت میں دمشق سے روانہ ہوا۔ تمام افراد سواریوں پر تھے۔ لیکن سلطان ولد نے ادب واحترام کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے شمس کی سواری کے ساتھ قونیہ تک پاپیادہ سفر کیا۔ جب مولانا کو شمس کی آمد کی اطلاع ملی تو تمام ارادتمندوں کے ہمراہ استقبال کی غرض سے بیرونِ شہر تک آئے اور نہایت عزت واحترام اور تزک واحتشام کے ساتھ انہیں گھر لائے۔ دونوں میں ایک مدت تک طویل نشستیں اور بڑے ذوق وشوق کی صحبتیں جاری رہیں۔

اِسی دوران حضرت شمس نے کیمیا نامی ایک خاتون سے شادی کر لی۔ مولانا نے اپنے مکان کے بالمقابل ایک خیمہ نصب کرایا جہاں حضرت شمس اپنی اہلیہ کے ہمراہ قیام پذیر ہوئے مولانا کے ایک صاحبزادے علاء الدین جب بھی مولانا سے ملنے آتے تو حضرت شمس کے خیمہ سے ہو کر گذرتے۔ حضرت شمس کو ان کی یہ حرکت ناگوار گذرتی تھی چنانچہ انہیں چند بار منع بھی کیا لیکن وہ باز نہ آئے۔ علاؤالدین نے لوگوں سے حضرت شمس کے اس رویہ کی شکایت کی تو حاسدوں نے کہنا شروع کیا کہ یہ صورت حال کیونکر قبول کی جا سکتی ہے۔ ایک غیر آئے اور اپنوں کو گھر میں آنے جانے سے منع کرے۔ یہ بات اس شدّت سے پھیلی کہ شمس نے وہاں مزید ٹھہرنا مناسب خیال نہیں کیا اور دل ہی دل میں پختہ عزم کر لیا

کہ اس دفعہ جا کر پھر کبھی واپس نہیں آئیں گے۔ چنانچہ ایک روز اچانک سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چلے گئے۔ مولانا کو سخت رنج ہوا۔ شمس کو تلاش کرنے کے لیے کئی آدمی بھجوائے لیکن ان کا کوئی سراغ نہ ملا۔ آخر اپنے معتقدین کے ہمراہ مولانا دمشق پہنچے تاکہ شمس کو منا کر ساتھ لے آئیں لیکن وہاں سے بھی سوائے مایوسی کچھ حاصل نہ ہوا تو قونیہ واپس آ گئے۔

اس واقعہ کے بارے میں سپہ سالار نے جو تقریباً ۴۰ برس مولانا کی خدمت میں رہے صرف اتنا ذکر کیا ہے کہ وہ رنجیدہ ہو کر کسی نامعلوم مقام کی طرف نکل گئے اور پھر ان کا کچھ پتہ نہ چل سکا۔ تاہم ''جواہر مضیاء'' اور دوسرے تذکروں کے مطابق مولانا کے بعض مریدوں نے اسی زمانہ میں جب شمس تبریز وہاں مقیم تھے حسد کی وجہ سے انہیں قتل کر دیا تھا۔ جب کہ ''نفحات الانس'' میں درج ہے کہ خود مولانا کے صاحبزادے علاؤالدین جن سے شمس کے تعلقات خاصے کشیدہ تھے۔ اس حرکت کے ذمہ دار ہیں۔ مختلف تذکروں کے مطالعہ سے جو صورت حال سامنے آتی ہے وہ کچھ اس طرح ہے۔

۱۔ شمس تبریز پہلی بار ۶۴۲ھ میں قونیہ آئے اور مولانا سے ملے۔ اپنے قیام کے دوران انہوں نے مولانا کو طریقت و سلوک سے آشنا کیا۔

۲۔ کچھ مدت بعد عوام کی ناخوشی اور مولانا کے عزیز و اقارب کی رنجیدگی کے باعث قونیہ چھوڑ کر چلے گئے۔

۳۔ ۶۴۴ھ کے لگ بھگ مولانا کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے پھر قونیہ آئے لیکن اس بار عوام اور مولانا کے اقرباء کی ناراضگی پہلے سے بھی زیادہ تھی لہٰذا ۶۴۵ھ میں پھر غائب ہو گئے اور اس کے بعد ان کا کوئی سراغ نہیں ملا۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شمس تبریز سے ملاقات سے پہلے مولانا کی شاعری کا رنگ جداگانہ تھا۔ ان کے جذبات ان کی طبیعت میں اسی طرح پنہاں تھے جس طرح پتھر میں آگ چھپی ہوتی ہے۔ شمس کی جدائی ایک گونہ چقماق ثابت ہوئی اور ان کے اندر چھپی ہوئی چنگاریاں اشعار کی صورت میں شعلہ افشاں ہوئیں۔

شمس تبریز کی جدائی میں مولانا اکثر و بیشتر بے قرار اور بے تاب رہتے تھے۔ ایک روز اسی وجدانی کیفیت میں گھر سے نکلے۔ راہ میں شیخ صلاح الدین زرکوب کی دکان تھی۔ وہ اس وقت چاندی

کے ورق کوٹ رہے تھے ۔ہتھوڑی سے پیدا ہونے والی مسحور کن لے اور تال نے کچھ ایسا اثر کیا کہ قدم رک گئے اور ان پر وجد کی سی کیفیت طاری ہوگئی ۔شیخ صلاح الدین نے مولانا کی محویت کو دیکھ کر ہاتھ نہ روکا اور ورق کوٹتے رہے ۔مولانا وجد کے عالم میں کافی دیر تک جھومتے رہے ۔صلاح الدین زرکوب بھی کچھ دیر بعد کام چھوڑ کر اٹھے اور مولانا سے بغلگیر ہوئے ۔مولانا نے بے ساختہ یہ شعر پڑھا۔

یکے گنجے پدید آمد ازیں دُکانِ زرکوبی

زہے صورت زہے معنیٰ زہے خوبی زہے خوبی

(اس زرکوب کی دکان سے ایک خزانہ مل گیا ۔عجب صورت ہے عجب معنی ہیں عجب مستی ہی مستی ہے ۔)

دونوں بزرگ کیف و مستی کے عالم میں ظہر سے عصر تک اسی وجد انگیز کیفیت میں محو رہے ۔ اور اس کے بعد صلاح الدین زرکوبی پر جوش وجذبہ کی کچھ ایسی صورت طاری ہوئی کہ اپنی ساری دکان لٹا کر مولانا کے ساتھ ہو لیے ۔صلاح الدین زرکوبی پہلے بھی صاحب حال بزرگ تھے اور سیّد برہان الدین محقق کے مرید تھے ۔اس طرح وہ مولانا کے ہم استاد تھے ۔اب دونوں بزرگوں کی طویل صحبتیں اور مجلسیں ہوتی ۔مولانا کو ان ملاقاتوں سے بے حد سکون حاصل ہوتا تقریباً نو برس تک یہ سلسلہ جاری رہا ۔۶۶۲ھ میں جب صلاح الدین زرکوبی کا انتقال ہوا تو مولانا نے اپنے مرید خاص حسام الدین چلپی کو اپنا ہمدم و ہمراز بنالیا ۔مولانا کو ان سے اس درجہ قربت و تعلق خاطر پیدا ہوا کہ اُن کا ذکر کچھ اس انداز سے کرنے لگے جیسے کوئی اپنے پیر و مرشد کا ذکر کرتا ہو ۔اِس ربط و تعلق کے باوجود حسام الدین مولانا کا بے حد احترام کرتے تھے حتیٰ کہ مولانا کے وضو خانہ میں وضو کرنا بھی گستاخی تصور کرتے تھے ۔یہاں تک کہ برفباری کے دنوں میں بھی اپنے گھر جا کر وضو کر کے آتے تھے ۔اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہی حسام الدین ہیں جو مولانا کے مثنوی لکھنے کا باعث ہوئے ۔چنانچہ مولانا نے ہر دفتر میں کہیں ابتدا میں یا کسی اور موقع پر نہایت محبت و خلوص اور عزت و احترام سے ان کا ذکر کیا ہے ۔

۶۷۲ھ میں قونیہ میں قیامت خیز زلزلہ آیا اور اس کا سلسلہ کم و بیش چالیس دن تک وقفے وقفے سے جاری رہا ۔لوگ بے حد پریشان اور سراسیمہ تھے آخر مولانا کے پاس آئے اور استدعا کی کہ

دُعا فرمائیں کہ یہ بلائے آسمانی ٹل جائے ۔مولانا نے فرمایا کہ زمین بھوکی ہے اور لقمۂ تر چاہتی ہے جو انشاء اللہ اسے مل جائے گا ۔چند روز بعد مولانا بیمار پڑے ۔شہر کے نامور طبیبوں اور حکیموں نے علاج کیا لیکن کوئی تدبیر سودمند اور پُراثر ثابت نہ ہوئی ۔بلکہ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی ۔مولانا کی بیماری کی خبر عام ہوئی تو دور دور سے لوگ مزاج پرسی کے لیے آنے لگے ۔شیخ صدرالدین جو شیخ محی الدین ابن عربی کے تربیت یافتہ اور روم وشام میں مرجع خاص و عام تھے اپنے ارادتمندوں کے ہمراہ مولانا کی احوال پرسی کے لیے تشریف لائے ۔مولانا کو شدید بیماری اور نقاہت کی حالت میں دیکھ کر بہت پریشان ہوئے اور دُعا کی ''خداوند کریم و رحیم آپ کو جلد شفا دے ۔''مولانا نے فرمایا ''شفا آپ کو مبارک ہو مُحب و محبوب میں صرف ایک پیرہن کا پردہ رہ گیا ہے ۔کیا آپ نہیں چاہتے کہ وہ بھی اُٹھ جائے اور نور نور سے مِل جائے ۔'' شیخ صدرالدین یہ جملہ سُن کر رو پڑے اور روتے روتے مولانا سے رخصت ہوئے ۔وہ سمجھ گئے کہ اب مولانا دمِ واپسیں ہے ۔چنانچہ ۵ جمادی الثانی ۶۷۲ھ کو مغرب کے وقت مولانا نے سفرِ آخرت اختیار کیا اور سرزمینِ قونیہ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے روپوش ہو گئے ۔مولانا کا مزار آج تک بوسہ گاہِ خلائق اور مرجع خاص و عام ہے ۔

مولانا کی تصانیف

(۱) فیہ مافیہ

مولانا کے ان خطوط کا مجموعہ ہے جوانہوں نے وقتاً فوقتاً معین الدین پروانہ کو لکھے۔ معین الدین پروانہ قونیہ کے فرمانروا رکن الدین قلیج ارسلان کے حاجب اور دربار کے سیاہ وسفید کے مالک تھے۔ ان کو مولانا سے بے حد عقیدت تھی اور اکثر مولانا کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کرتے تھے۔ ایک روز چند امراء کے ہمراہ پہنچے تو امراء سے طبعی نفرت کی وجہ سے مولانا حجرۂ خاص سے باہر نہ آئے۔ معین الدین کے دل میں خیال آیا کہ امراء تو اُولُو الامر ہیں اور قرآنِ مجید کے حکم کے مطابق ان کی اطاعت فرض ہے۔ معین الدین کے دل میں یہ خیال گذرا ہی تھا کہ کچھ دیر بعد مولانا تشریف لائے اور دورانِ گفتگو فرمانے لگے کہ ایک دفعہ سلطان محمود غزنوی ملاقات کی غرض سے شیخ ابوالحسن خرقانی کے حضور پہنچا۔ درباریوں نے بڑھ کر شیخ کو سلطان کی آمد کی اطلاع دی لیکن شیخ متوجہ نہ ہوئے۔ حسن میمندی جو سلطان کا وزیر تھا اُس نے شیخ سے عرض کیا کہ حضرت قرآن مجید میں اَطِیعُوا اللہَ وَ اَطِیعُوا الرَّسولَ وَاُولِی الاَمرِ مِنکُم آیا ہے اور سلطان تو اُولُو الامر ہونے کے ساتھ ساتھ عادل اور نیک بھی ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ مجھ تو ابھی اَطِیعُوا اللہَ سے ہی فرصت نہیں ملی کہ اَطِیعُوا الرَّسولَ میں مشغول ہوں تو پھر اُولُو الامر کا ذکر ہی کیا۔ یہ سن کر تمام امراء اور معین الدین روتے ہوئے اُٹھ کر چلے گئے۔

مولانا کی یہ کتاب بالکل نایاب تھی لیکن مولانا عبدالماجد دریابادی نے اسے دریافت کیا اور ۱۹۲۸ء میں شائع کیا۔ اس کے بعد اس کا ایک ایرانی ایڈیشن بھی شائع ہو چکا ہے۔

(۲) دیوان

مولانا کی غزلوں کے اس مجموعہ میں پچاس ہزار اشعار ہیں۔ چونکہ اکثر غزلوں کے مقطع میں شمس تبریز کا نام شامل ہے اس لیے عوام اسے شمس تبریز کا دیوان سمجھتے ہیں حتیٰ کہ اس مغالطہ کی بنا پر اس کی

لوح پر دیوان شمس تبریز لکھ دیا جاتا ہے ۔تاہم محققین نے نہایت وضاحت سے لکھا ہے کہ اس دیوان میں شامل تمام غزلیں مولانا کی ہیں ۔چنانچہ اکثر مشہور و معروف شعراء نے اس دیوان کی غزلوں پر غزلیں لکھی ہیں اور مقطع میں یہ تصریح کی ہے کہ یہ غزل مولانا کی غزل کے جواب میں ہے ۔

علی حزیں کہتے ہیں:

ایں جواب غزلِ مرشدِ روم ست کہ گفت
مَن بوئے تو خوشم نافۂ تاتار مگیر

اس میں دوسرا مصرع مولانا کا ہے ۔دیوان میں پورا شعر اس طرح ہے

من بکوئے تو خوشم خانۂ مَن ویراں کن
مَن بوئے تو خوشم نافۂ تاتار مگیر

(۳) مثنوی

مولانا روم کی اسی کتاب نے مولانا کو حیاتِ جاوداں اور شہرتِ دوام عطا کی ہے ۔اس کتاب کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی اس قدر بڑھی کہ تمام فارسی تصانیف اس کے مقابلہ میں ہیچ ہو کر رہ گئیں ۔مثنوی کے اشعار کی کل تعداد ۲۶۶۶۶ ہے اگرچہ بعض حلقوں کا خیال ہے کہ مولانا نے چھٹا دفتر ناتمام چھوڑ دیا تھا اور فرمایا کہ:

باقیِ ایں گفتہ آید بے زباں
در دلِ ہر کس کہ دارد نورِ جاں

(جس شخص کے دل میں نور ہو گا مثنوی کا باقی حصہ خود بخود اس کے دل میں آ جائے گا ۔)

لیکن محققین کے مطابق خود مولانا نے ہی کچھ عرصہ بعد دفتر ششم مکمل کرنے کے بعد دفترِ ہفتم بھی تحریر فرمایا ۔شیخ اسماعیل قیصری کو یہ ساتواں دفتر ۸۱۴ھ میں دستیاب ہوا اور انہوں نے تحقیق سے ثابت کیا کہ یہ خود مولانا کا ہی تصنیف کردہ ہے اور شام و روم کے اہلِ علم نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے ۔دفترِ ہفتم کی ابتداء مندرجہ ذیل اشعار سے ہوتی ہے جو اس دعوٰی کی ناقابل تردید دلیل ہے کہ دفتر ہفتم بھی مولانا کا ہی تحریر کردہ ہے ۔

اے ضیاالحق حسام الدیں فرید

دولتت پائندہ فقرت بر مزید

(اے یکتا ضیاالحق حسام الدین۔تیری دولت ہمیشہ رہے تیرے فقر میں اضافہ ہو۔)

چونکہ از چرخ ششم کردی گذر

برتر از ایں چرخ، ہفتم کن سفر

(جب کہ تو چھٹے آسمان سے آگے بڑھ گیا ہے۔ساتویں آسمان کی طرف بلندی کا سفر کر۔)

مثنوی کے لغوی معنی ہیں دو والا ۔اصطلاحاً مثنوی اس نظم کو کہا جاتا ہے جس کا ہر شعر ہم قافیہ ہو۔یعنی ہر شعر میں دو قافیے ہوں ۔ایک پہلے مصرع میں ایک دوسرے مصرع میں۔مولانا کی مثنوی کو مثنویٔ معنوی بھی کہتے ہیں۔کیونکہ اس میں عالم معنی اور احوالِ باطن کے اسرار و معارف کا تذکرہ ہے۔اگرچہ مسائل تصوف کے بیان میں سلطان ابوسعید ابوالخیر کی رباعیات بھی مشہور ہیں۔حکیم سنائی رحمتہ اللہ علیہ نے ''حدیقہ'' لکھا جو تصوف کی پہلی منظوم کتاب ہے۔خواجہ فرید الدین عطار نے بھی تصوف کے موضوع پر کئی مثنویاں تحریر فرمائیں جن میں ''منطق الطیر'' بڑی شہرت اور مقبولیت رکھتی ہے۔لیکن یہ حقیقت ہے کہ مولانا روم کی مثنوی کو سب پر فوقیت حاصل ہے۔

مثنوی کی تصنیف کا سبب مولانا کے مرید حسام الدین چلپی تھے اور اس حقیقت کی طرف مولانا نے دفترِ اوّل کے علاوہ ہر دفتر میں اشارہ کیا ہے۔دفترِ اوّل ختم ہوا تو حسام الدین چلپی کی بیوی کا انتقال ہو گیا۔اس حادثہ سے حسام الدین اس قدر متاثر ہوئے کہ دو برس تک افسردہ خاطر اور پریشان حال رہے۔مولانا بھی اس دوران خاموش رہے اور مثنوی کا کام رکا رہا۔پھر جب حسام الدین نے خود مولانا سے درخواست کی تو مولانا نے مثنوی کے دفترِ دوئم کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا:

مدّتے ایں مثنوی تاخیر شد

مہلتے بایست تا خوں شیر شد

(ایک مدت تک مثنوی لکھنے میں تاخیر ہوئی۔کچھ وقت چاہیے کہ خون سے دودھ بنے۔

چوں ضیاء الحق حسام الدین عناں
باز گردانید زاوجِ آسماں
(جب ضیاء الحق حسام الدین آسمان کی بلندیوں سے واپس آئے)
چوں بمعراجِ حقائق رفتہ بود
بے بہارش غنچہ ہانشگفتہ بود
(چونکہ وہ حقائق کی معرج پر گئے ہوتے تھے اس لیے ان کی بہار کے بغیر غنچہ کھل نہیں سکا۔)
تیسرے دفتر کے شروع میں فرماتے ہیں:
اے ضیاء الحق حسام الدین بیار
ایں سوم دفتر کہ سنت شد سہ بار
(اے ضیاء الحق حسام الدین تیسرا دفتر لا کیوں کہ (وضو میں) اعضاء کو تین مرتبہ دھونے کی سنت ہے۔)
چوتھے دفتر کا آغاز یوں کرتے ہیں:
اے ضیاء الحق حسام الدیں توئی
کہ گذشت ازمہ بنورت مثنوی
(اے ضیاالحق حسام الدین تو ہی ہے جس کے نور کی وجہ سے مثنوی چاند سے بھی روشن تر ہوگئی ہے۔)
پانچویں دفتر کی ابتدا یوں ہوتی ہے:
شہ حسام الدیں کہ نورِ انجم است
طالبِ آغازِ سفرِ پنجم است
(حسام الدین جو ستاروں کا نور ہے پانچویں کتاب کی ابتدا کا خواہاں ہے۔)
چھٹے دفتر کو اس طرح شروع کرتے ہیں:

اے حیاتِ دل حسام الدیں بسے
میل میجو شد بقسمِ سادسے

(اے میرے دل کی زندگی حسام الدین چھٹی قسم (حصے) کی طرف بہت میلان ہوگیا ہے۔)

اور جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ دفتر ہفتم بھی مولانا نے خود تحریر فرمایا جس کی ابتدا ان دو اشعار سے کی جن میں حسام الدین سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ "تو چھٹے آسمان سے آگے بڑھ گیا ہے۔ اب ساتویں آسمان کی بلندی کا سفر کر۔" یہ دونوں اشعار ازیں پیش نقل کیے جا چکے ہیں۔

مثنوی کی شہرت و مقبولیت:

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مثنوی مولانا روم کو جس طرح مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی وہ فارسی کی کسی اور کتاب کے حصے میں نہیں آئی "مجمع الفصحا" میں صاحبِ کتاب نے لکھا ہے کہ ایران میں چار کتابیں بیحد مقبول ہیں۔ شاہ نامہ، گلستان، مثنوی مولانا روم اور دیوانِ حافظ۔ تاہم جب ان چاروں کتابوں کا موازنہ کیا جائے تو مثنوی کو سب سے زیادہ قبولِ عام حاصل ہے۔ اس مقبولیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ علما و فضلا نے جس قدر توجہ مثنوی پر مبذول کی وہ کسی اور کتاب پر نہیں کی۔ چنانچہ یہ فضیلت بھی مثنوی مولانا روم کو حاصل ہے کہ جس قدر شرحیں مثنوی کی تحریر کی گئیں وہ کسی دوسری کتاب کے حصے میں نہیں آئیں۔ جن کا مفصل احوال "کشف الظنون" میں درج ہے۔ ان میں مولیٰ مصطفیٰ بن شعبان سودی، شیخ اسمٰعیل انقروی، کمال الدین خوارزمی، عبداللہ بن محمد رئیس الکتاب درویش علی، حسن چلپی، علاؤ الدین مصنفک، شیخ عبدالمجید سیواسی اور علائی بن یحییٰ واعظ شیرازی کی شرحیں سرِفہرست ہیں۔ البتہ "کشف الظنون" کے بعد بھی کئی سرکردہ علما و فضلا اور دانشوروں نے مثنوی مولانا روم کی شرحیں لکھیں جن کے مطالعہ سے مثنوی میں جو اسرار و رموز بیان کیے گئے ہیں ان کے سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے اور یقیناً جاری رہے گا اس لیے فارسی میں لکھی گئی نظم و نثر کی کسی کتاب میں ایسے دقیق، نازک اور غور طلب مسائل واسرار نہیں ملتے جو مثنوی میں موجود ہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس قسم کے نکات و دقائق عربی زبان کی تصنیفات میں بھی مشکل سے نظر آتے ہیں

یہی وجہ ہے کہ اربابِ علم وفن نے مثنوی کی طرف دوسری کتابوں کی نسبت زیادہ توجہ دی۔

مضامینِ فلسفہ وسائنس:

مولانا نے مثنوی میں طریقت وشریعت، تصوف وسلوک کے مسائل کو نہایت عام فہم انداز میں زندگی کے عملی پہلوؤں کے حوالے سے بیان فرمایا ہے۔ جابجا آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی کی تشریح وتوضیح کی روشنی میں حیاتِ انسانی کی پیچیدہ گتھیوں کا حل دلکش ودلفریب پیرائے میں قصوں اور کہانیوں کی مدد سے بیان کیا ہے۔ احکامِ خداوندی کی تعمیل اور سنتِ رسول کی پیروی کی تلقین کے لیے مولانا نے جو طرزِ استدلال اپنایا ہے وہ نہایت دقیق نکات کو بہت ہی آسان اور قابلِ فہم بنا دیتا ہے۔ اگر چہ مولانا کا ذہن وتخیل فلسفیانہ تھا اور اکثر وبیشتر ان کے اشعار اور بیان میں بلا قصد فلسفیانہ مسائل در آتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ مشکل ترین فلسفی موضوعات کو اس انداز سے پیش کرتے ہیں کہ پڑھنے والے کو انہیں سمجھنے میں کسی قسم کی دشواری محسوس نہیں ہوتی۔

مثنوی میں مولانا نے فلسفہ اور سائنس کے متعدد مسائل درج کیے ہیں اور ان کی تشریح اور توضیح اس درجہ دلآویز اور سادہ وآسان طریقہ سے فرمائی ہے کہ پڑھنے اور سننے والے کو ان موضوعات کا ادراک کرنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی۔ چند ایسے ہی مسائل کا ذکر بے جا نہ ہوگا۔

تجاذبِ اجسام:

یہ ایک غیر متنازعہ حقیقت ہے کہ کائنات کے تمام اجسام ایک دوسرے کو اپنی جانب کھینچ رہے ہیں۔ چنانچہ اس کشش اور تجاذب کے عمل سے نظامِ کائنات برقرار ہے۔ مغربی سائنسدانوں میں نیوٹن نے اس مسئلہ کی جزئیات پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور عوام الناس کو اس کے بنیادی نکات سے آگاہ کیا۔ اسی لیے اس نظریہ کو نیوٹن سے منسوب کیا جاتا ہے جب کہ مولانا روم نے نیوٹن کے نظریہ کے منظرِ عام پر آنے سے سینکڑوں برس بیشتر اس مسئلہ کو بڑی خوش سلوبی سے عام فہم انداز میں یوں فرمایا ہے۔

جملہ اجزائے جہاں زاں حکم پیش

جفت جفت و عاشقانِ جفتِ خویش

(دنیا کے تمام اجزاء جوڑ جوڑ ہیں۔ اور ہر ایک اپنے جوڑے کا عاشق ہے۔)

آسماں گوید زمیں را مرحبا

با تو ام چوں آہن و آہن ربا

(آسمان زمین کو خوش آمدید کہتا ہے کہ میری تیری مثال لوہے اور مقناطیس کی سی ہے۔)

کرۂ زمین کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ زمین اجرام فلکی کی کشش کے باعث فضا میں معلق ہے۔ چنانچہ اس نکتہ کی تشریح یوں کی ہے کہ جیسے مقناطیس کا ایک گنبد ہو اور اس کے بیچ میں لوہے کا ٹکڑا ہو تو وہ گرد و پیش کی کشش کے سبب وسط میں ہی معلق رہے گا۔ اسی طرح زمین بھی اجرم فلکی کی کشش کی بدولت فضا میں معلق ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

آں حکیمش گفت کز جذبِ سما
از جہاتِ شش بماند اندر ہوا

(اس حکیم نے اس سے کہا کہ آسمان اور شش جہات کی کشش کی وجہ سے زمین فضا میں معلق ہے۔)

چوں ز مقناطیس قبّہ ریختہ
درمیاں ماند آہنِ آویختہ

(جس طرح کہ مقناطیس کا گنبد ہو اور اُس کے درمیان لوہے کا ٹکڑا لٹکا ہو۔)

تجاذبِ ذرّات:

جیسا کہ ہم جانتے ہیں اجسام کی ترکیب ذرّات سے ہے اور ان ذرّات میں باہمی کشش موجود ہے۔ تاہم تمام اجسام کی ذرّات میں کشش اور تجاذب ایک جیسا نہیں۔ بعض اجسام کے ذرّات میں باہمی کشش بہت زیادہ ہے اور بعض میں کم۔ جیسا کہ لوہا اور لکڑی۔ اس اہم سائنسی مسئلہ کو مولانا نے نہایت عام فہم صرت میں یوں بیان فرمایا ہے:

میلِ ہر جزئی بہ جزئی می نہد
ز اِتّحادِ ہر دو تولیدے جہد

(ہر ایک جزو کا دوسرے جزو کی طرف میلان ہے اور دونوں کے اتّحاد سے پیدائش ہوتی ہے۔)

جزو کل کی باہمی کشش اور اتصال کے موضوع پر مولانا فرماتے ہیں:

ہر چہ بینی سوئے اصل خود رود
جزو سوئے کُلِ خود راجع شود

(تم جو کچھ دیکھتے ہو اپنی اصل کی طرف جاتا ہے۔ ہر جُزو اپنی کُل کی طرف لوٹتا ہے۔)

اسی طرح مثنوی کی ابتدا میں بانسری کی زبانی ہر جزو کی اپنے اصل سے دوبارہ ملنے اور اس میں کھو جانے کی خواہش کو یوں فرمایا ہے:

ہر کسے کو دور ماند از اصلِ خویش

باز جوید روزگارِ وصلِ خویش

(جو کوئی بھی اپنی اصل یا کُل سے جُدا ہوا وہ پھر اس میں مدغم ہونے کا خواہاں ہوگا۔)

جُزو کی اصل سے ملنے کی خواہش اسی کشش کا نتیجہ ہے جو کُل میں جُزو کے لیے ہے اور کُل سے ملنے کا جذبہ جو جُزو کے اندر موجزن ہے وہ بھی اسی کشش کا ایک روپ ہے جو جُزو میں کُل کی طرف کھنچے جانے کے لیے کارفرما ہے۔

یہاں یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ مولانا نے بانسری کو ایک استعارہ کے طور پر استعمال کرتے ہوئے اس ابدی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جس طرح بانسری نیستاں سے جدا ہونے کے بعد مصروفِ نالہ وفغاں ہے اسی طرح روحِ انسانی بھی جو روحِ کُل کا حصہ ہے اپنے اصل یا کُل سے جدا ہو کر اس دنیا میں آنے کے بعد دوبارہ اپنے اصل یا کُل سے ملنے کے بیقرار اور نوحہ کناں ہے۔ غرضیکہ مولانا نے ایک سائنسی مسئلہ کو بڑے دلکش پیرائے میں صوفیانہ انداز سے پیش کرتے ہوئے تجاذبِ اجسام و ذرات کی کیفیت کو جذبۂ عشق سے تعبیر کرتے ہوئے جا بجا فرمایا ہے کہ جس طرح عشقِ حقیقی حسنِ ازلی کی طرف مائل پرواز ہوتا ہے اور حسنِ ازلی عشقِ حقیقی کی کشش محسوس کرتا ہے اسی طرح مختلف اجسام و ذرّات بھی ایک دوسرے کی طرف کھنچتے ہیں اور اسی عمل کی بدولت نظامِ کائنات برقرار ہے۔

تجدّدِ امثال:

مولانا بحرالعلوم کے مطابق تجدّد امثال کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کی صورتیں ہر لحظہ بدلتی رہتی ہیں۔ ایک صورت مٹتی ہے اور دوسری صورت اس کی جگہ نمودار ہو جاتی ہے تاہم ذات اسی طرح باقی رہتی ہے چونکہ زائل ہونے والی صورت نئی صورت جیسی ہوتی ہے اس لیے ہمیں اس ردّ و بدل کا احساس نہیں ہوتا اور ظاہری طور پر یہی محسوس ہوتا ہے کہ پہلی صورت ہی جوں کی توں موجود ہے۔ علم جدید کی

تحقیقات کے مطابق بھی یہ صورتِ حال درست ہے۔مولانا روم نے اس اہم اور دقیق مسئلہ کو ہماری روزمرّہ کی زندگی سے ایک بہت ہی سیدھی سادہ مثال کے ذریعہ واضح کیا ہے آپ فرماتے ہیں:

پس ترا ہر لحظہ مرگ و رجعتے ست
مصطفٰی فرمودہ دنیا ساعتے ست

(ہر لحظہ تیری موت اور واپس ہے اسی لیے آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ دنیا ایک ساعت یا لمحہ بھر کی ہے۔)

ہر نفس نو می شود دنیا و ما
بے خبر از نو شدن اندر بقا

(ہر سانس میں دنیا نئی بن رہی ہے اور ہم اس کے نئے بننے سے ہمیشہ بے خبر ہیں۔)

عمر ہمچو جوئے نو نومی رسد
مستمرّے می نماید در جسد

(زندگی نہر کے پانی کی طرح نئی نئی آتی رہتی ہے اور ہمارے بدن میں مسلسل دکھائی دیتی ہے۔

شاخِ آتش را بہ جنبانی بساز
در نظر آتش نماید بس دراز

(جلتی لکڑی کو تیزی سے گھماؤ تو دیکھنے میں ایک لمبی آگ دکھائی دیگی۔)

مولانا کا فرمان ہے کہ انسان کی زندگی کی بھی یہی صورت ہے۔ہر آن فنا اور ہر لحظہ بقا۔یعنی ہر لحہ مٹنا اور پھر وجود میں آنا۔لیکن یہ تبدیلی اس تیزی سے آتی ہے اور اس سرعت سے رونما ہوتی ہے کہ ہمیں مستقل محسوس ہوتی ہے اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا ایک عام مشاہدہ کی مثال پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بظاہر دیکھنے میں نہر کے پانی کی سطح مستقل دکھائی دیتی ہے لیکن درحقیقت وہ رواں دواں ہوتی ہے اور مسلسل بدلتی رہتی ہے۔اس حقیقت کی وضاحت ایک اور مثال دے کر یوں کی ہے کہ اگر ہم شعلہ کو تیزی سے گھمائیں تو وہ ایک دائرے کی شکل میں نظر آئے گا حالانکہ وہ شعلہ تیزی سے اپنی جگہ بدلنے کے باعث مسلسل صورت اختیار کر لیتا ہے اور ہم اس تبدیلی کو اس کی اصل حیثیت سے محسوس نہیں کرتے۔

مسئلہِ ارتقاء:

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ دنیا کی موجودات کو چار اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جمادات، نباتات، حیوانات اور انسان۔ تا ہم یہ مسئلہ زیر بحث رہا کہ آیا یہ چاروں قسمیں ابتدائے تخلیق سے الگ الگ پیدا ہوئیں یا ابتدا میں صرف ایک چیز تخلیق ہوئی اور پھر رفتہ رفتہ اس نے ترقی وارتقاء کی منازل طے کیں۔ کیا ابتدا میں جماد وجود میں آئی پھر ترقی کر کے نبات بنی۔ پھر حیوان کی صورت اختیار کی اور ترقی کی آخری منزل میں انسان بنی۔ یہ نظریہ ارتقاء ڈارون سے منسوب ہے۔ مولانا شبلی کے مطابق ڈارون سے بہت پہلے مولانا بھی ارتقاء کے اسی عمل کے قائل تھے۔ چنانچہ حسبِ ذیل اشعار میں وہ اسی مسئلہ کو یوں بیان کرتے ہیں:

آمدہ اوّل بہ اقلیم جماد
وز جمادی در نباتی اوفتاد

(انسان شروع میں جماد تھا۔ پھر جماد سے نبات بنا۔)

سالہا اندر نباتی عمر کرد
و ز نباتی یاد ناورد از نبرد

(وہ سالہا سال نبات رہا۔ لیکن اُسے نباتی زندگی یاد نہیں ہے۔)

و ز نباتی چوں بہ حیوانی فتاد
نامدش حالِ نباتی ہیچ یاد

(اور جب نبات سے وہ حیوان بنا۔ نباتی حالت اس کو یاد نہ رہی۔)

جز ہماں مَیلے کہ دارد سوئے آں
خاصہ در وقتِ بہاراں ضمیراں

(ہاں سوائے اس میلان کے جو اس کو نبات کی طرف ہے خصوصاً بہار میں ضمیراں کے کھلنے کے وقت)

ہچو میلِ کودکاں با مادراں

سرِّ میلِ خود نداند در لباں

جس طرح بچوں کا ماؤں کی طرف میلان ہوا ہے اگر چہ شیر خوری کے زمانہ میں اپنے اس میلان کا راز نہیں معلوم نہیں ہوتا ۔

باز از حیواں سوئے انسانیش

میکشد آں خالقے کہ دانیش

پھر حیوان سے انسان کی جانب اس کو وہ خالق (پیدا کرنے والا) لے جاتا ہے جو اسے جانتا ہے ۔

ہم چنیں اقلیم تا اقلیم رفت

تا شد اکنوں عاقل و دانا و زفت

اس طرح وہ ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف چلتا رہا یہاں تک وہ عاقل ودانا اور فربہ بن گیا ۔

ان اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا انسان کی ارتقائی تخلیق کے قائل تھے ۔

الغرض مثنوی میں مولانا روم نے قرآن واحادیث کے چیدہ چیدہ موضوعات کی معمولات زندگی کے حوالے سے تشریح بھی کی ہے اور تصوف وسلوک ،شریعت وطریقت اور فلسفہ و سائنس کے دقیق مسائل کی نہایت مدلّل مگر آسان اور عام فہم اندز میں وضاحت بھی فرمائی ہے ۔

مثنوی کے مطالعہ سے جہاں دینی اور دنیوی معاملات کی گتھیوں کو سلجھانے اور سمجھنے میں رہبری ورہنمائی حاصل ہوتی ہے وہاں اہلِ دل اور اہلِ نظر کے لیے اسرار و رموزِ معرفت کے جواہر ریزے بھی ہیں اور عام قاری کے لیے علم وحکمت کے بصیرت افروز شہ پارے بھی ۔

فارسی کے عظیم صوفی شاعر مولانا جامیؒ نے مثنوی کے بارے میں کیا خوب کہا ہے ۔

مثنوی معنوی مولوی

ہست قرآں در زبانِ پہلوی

نوائے نَے

بشنو از نَے چوں حکایت می کند　　سن کہ[1] نَے کہتی ہے اپنی داستاں
وز جدایہا شکایت می کند　　دردِ ہجراں سے ہوئی ہے نوحہ خواں

کز نیستاں تا مرا ببُریدہ اند　　کاٹ کر لائے نیستاں سے یہاں
از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند　　مرد و زن میری نوا سے خونچکاں

ہر کسے کو دور ماند از اصلِ خویش　　جو بھی اپنی اصل سے ہوگا جدا
باز جوید روزگارِ وصلِ خویش　　ہوگا وصلِ خویش اس کا مدّعا

من بہر جمعیتے نالاں شدم　　مَیں ہوئی ہر بزم میں نالہ کناں
جفتِ خوشحالاں و بدحالاں شدم　　نیک و بد کی محفلوں میں نغمہ خواں

ہر کسے از ظنِ خود شد یارِ من　　ہر کوئی اپنا سمجھتا ہے مگر
وز درونِ من نجست اسرارِ من　　میرے اسرارِ دروں سے بے خبر

سرِّ من از نالۂ من دور نیست　　میرے نالوں میں مرے سرّ نہاں
لیک چشم و گوش راآں نور نیست　　جو انہیں سمجھیں و جان و دل کہاں

تن ز جان و جاں زتن مستور نیست　　تن سے[2] جاں اورجاں سے تن ہے کب نہاں
لیک کس را دیدِ جاں دستور نیست　　پَر کسی نے جاں کو دیکھا ہے کہاں

1. مولانا بانسری کی تشبیہ سے روح کی روح الارواح ہستی مطلق سے جدائی کا ذکر کرتے ہیں جو عالم شہود میں آ کر مستقل اضطراب اور بے چینی کا شکار ہے چنانچہ جب تک روح اپنی اصل سے پھر واصل نہیں ہوگی اُسے سکون حاصل نہیں ہوگا اور جس طرح بانسری نیستاں سے جدا ہو کر ہمیشہ فریاد کرتی ہے اسی طرح روح بھی اپنے اصل سے جدا ہو کر بے چین رہتی ہے۔

2. جس طرح جسم اور روح ایک ساتھ ہوتے ہیں جسم سب کو دکھائی دیتا ہے لیکن روح نظر نہیں آتی اسی طرح میری آواز تو سب سنتے ہیں لیکن اس میں چھپا ہوا درد کوئی محسوس نہیں کر سکتا۔

آتش است این بانگِ نے و نیست باد   آگ ہے سر سر نہیں نے کی صدا
ہر کہ این آتش ندارد نیست باد   خاک[1] ہو جس میں نہ ہو یہ شعلہ زا

آتشِ عشق است کاندر نے فتاد   بانسری میں عشق ہے آتشِ فشاں
جوششِ عشق است کاندر مے فتاد   مے میں جوشِ عشق ہے نغمہ کناں

نے حریفِ ہر کہ از یارے برید   بانسری بچھڑے ہوؤں کی ہمنوا
پردہائش پردہائے ما درید   کر گئی دل کو دو نیم اِس کی صدا

ہمچو نے زہرے و تریاقے کہ دید   بانسری ہے زہر بھی تریاق بھی
ہمچو نے دمساز و مشتاقے کہ دید   بانسری ہمدم بھی ہے مشتاق بھی

نے حدیثِ راہِ پُرخوں می کند   نے سنائے پُرخطر راہوں کی بات
قصہ ہائے عشقِ مجنوں می کند   عشقِ مجنوں کی دُکھی آہوں کی بات

دو دہاں داریم گویا ہمچو نے   اپنے[2] بھی مانندِ نے ہیں دو دہاں
یک دہاں پنہاں ست در لبہائے وَے   اِک دہاں نے کے لبوں سے نغمہ خوان

یک دہاں نالاں شدہ سوئے شما   اِک وہاں تیری طرف نالاں ہوا
ہائے و ہوئے درفگندہ در سما   آسماں پہ شور و غل برپا کیا

لیک داند ہر کہ اُورا منظر ست   راز یہ اہل، نظر پہ ہے عیاں
کایں فغانِ این سرے ہم زاں سرست   نے کی فریادوں کا منبع ہے کہاں

دمدمہ این نائے از دمہائے اُوست   یہ نوائے نے اُسی کے دم سے ہے
ہائے و ہوئے روح از ہیہائے اُوست   زندگی کی لے اُسی کے دم سے ہے

۱ جس شخص میں جذبۂ عشق نہ ہواس لئے مرجانا ہی بہتر ہے۔

۲ بانسری کا ایک منہ بانسری بجانے والے کے لبوں میں چھپا ہوتا ہے جبکہ آواز بانسری کے دوسرے منہ سے نکلتی ہے جو درحقیقت بانسری نوازکی ہی آواز ہوتی ہے۔ جو آسمان پر پہنچ کر وہاں ہلچل مچا دیتی ہے۔

محرمِ ایں ہوش جز بیہوش نیست — مست[1] و بیخود کے سوا سب بے خبر
مَر زباں را مشتری چوں گوش نیست — کان ہی حرفِ زباں ہے داد گر

گر نبودے نالۂ نے را ثمر — نغمۂ نے گر نہ ہوتا پُر اثر
نے جہاں را پُر نہ کردے از شکر — یہ جہاں پھر کیسے ہوتا پُر شکر

درغمِ ما روزھا بیگاہ شد — مٹ[2] گئے غم میں ہمارے روز و شب
روزھا با سوزہا ھمراہ شد — سوز ہائے جاں کے مارے روز و شب

روز ہا گر رفت گورو باک نیست — دن گزرے ہیں گذر جائیں مگر
توبماں اے آنکہ چوں تو پاک نیست — تو رہے جو سب سے ہے پاکیزہ تر

بادہ از مامست شد نے ما ازو — مست[3] ہے مے ہم سے ہم اُس سے نہیں
قالب از ماھست شد نے ما ازو — جسم بھی ہے ہم سے ہم اُس سے نہیں

بہ[4] سماعِ راست ہر کس چیر نیست — حرفِ حق سننے کی قدرت ہے کسے
طعمۂ ہر مرغکے انجیر نیست — ہر پرند سب نہ لائقِ انجیر ہے

بند بگسل باش آزاد اے پسر — سارے بندھن توڑ کر آزاد ہو
چند باشی بندِ سیم و بندِ زر — قید و بندِ سیم و زر میں کیوں رہو

گر بریزی بحر را در کوزۂ — ڈال[5] دیں گر بحر بھی کوزے میں ہم
چند گنجد قسمتِ یک روزۂ — پھر بھی پانی نظر آئے گا کم

۱ جو عشق الٰہی میں مست ہیں صرف وہی جانتے ہیں کہ بانسری سے جو پُرسوز آواز نکلتی ہے اس کا منبع کہاں ہے۔
۲ ہماری زندگی فراقِ یار کی نذر ہوگئی ہے۔ اب مولانا اگلے شعر میں فرماتے ہیں کہ ہمارے روز وشب محبوب کی جدائی میں جس طرح بھی گزرتے ہیں گزرتے رہیں لیکن اس کا وجود تو برقرار رہے جو سب سے زیادہ محبوب اور پاکیزہ ہے۔
۳ مے کی مستی جوش سے ظاہر ہوتی ہے اور بانسری کا سوز وگداز بانسری بجانے والے کے دم سے ہے۔
۴ صوفیائے کرام کے نزدیک ایک خاص قسم کی موسیقی سے روح اپنی ماہیت اور ماہیتِ حیات و کائنات تک رسائی حاصل کرتی ہے۔ مولانا سماع راست کو جائز اور سماع ناراست کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔
۵ انسان کی حرص و ہوس کی کوئی انتہا نہیں۔

کوزۂ چشمِ حریصاں پُر نہ شد	کبھی[1] ہوئی ہے پُر حریصوں کی نظر
تا صدف قانع نہ شُد پُر دُر نہ شد	ہو صدف قانع تو بنتا ہے گُہر
ہر کرا جامہ ز عشقے چاک شد	عشق سے ہو جس کا دامن چاک چاک
اُو ز حرص و عیب کُلّی پاک شد	وہ سدا ہر عیب سے رہتا ہے پاک
شادباش اے عشقِ خوش سودائے ما	اے[2] مرے عشق و جنونِ خوش ادا
اے طبیبِ جُملہ علتہائے ما	خوش رہو تم سب دکھوں کی ہو دوا
اے دوائے نخوت و ناموسِ ما	تو مرے فخر و تکبر کی دوا
اے تو افلاطون و جالینوسِ ما	تو ہی جالینوس و افلاطوں مرا
جسمِ خاک از عشق برافلاک شد	عشق سے پہنچا فلک پر[3] جسمِ خاک
کوہ در رقص آمد و چالاک شد	عشق سے ہی کوہ رقصاں تابناک
عشق جانِ طور آمد عاشقا	عشق ہی اے عاشقو ہے جانِ طور
طور مست و خرِّ موسیٰ صٰعِقا	طور و موسیٰ بیخودی سے چُور چُور
آنچہ نے می گوید اندرایں دوباب	ہے نوائے نے میں جو سرِّ نہاں
گر بگویم من جہاں گردد خراب	گر کروں اِفشا تو مٹ جائے جہاں
سرّے پنہاں ست اندر زیروبم	نے[4] کے زیرو بم کا راز و ماجرا
فاش اگر گویم جہاں برہم زنم	میں اگر کہہ دوں تو دنیا ہو فنا

1. حریص کی نگاہیں کبھی پُر نہیں ہوتیں۔ صدف جب بارش کے ایک قطرے پر قانع ہو کر منہ بند کر لیتی ہے تو یہ قطرہ گہر بن جاتا ہے۔
2. عشق کی بدولت ہی انسان تمام نفسانی بیماریوں سے چھٹکارا حاصل کرتا ہے۔
3. عشقِ الٰہی کی بدولت ہی حضورؐ کو معراج حاصل ہوئی اور وہ عرش پر تشریف لے گئے۔
4. مولانا فرماتے ہیں کہ بانسری کے سُروں میں جو زیر و بم ہیں۔ ان میں وہ ازلی راز پوشیدہ ہیں کہ اگر انہیں مکمل کر بیان کیا جائے تو عوام ان کا مکمل ادراک نہ کر سکیں گے اور فکری کشمکش میں مبتلا ہو جائیں گے۔

بالب دمسازِ خود گر جفتمے   لبِ[1] پہ لب گر میں ہوتا مثلِ نَے
ہمچو نَے من گفتنیہا گفتمے   بے بہا باتیں سناتا مثلِ نَے

ہر کہ او از ہم زبانے شد جدا   جو بھی اپنے ہمنوا سے ہو جُدا
بے نوا شد گرچہ دارد صد نوا   پُر نوا ہوتے ہوئے بھی بے نوا

چونکہ گل رفت و گلستاں در گذشت   پُھول[2] بکھرے اور چمن ویراں ہوا
نشنوی زیں پس ز بلبل سرگذشت   اب کے بُلبل سُنائے ماجرا

چونکہ گل رفت و گلستاں شد خراب   پُھول بکھرے اور اجڑا گلستان
بوئے گل را از کہ جوئیم از گلاب   بُوئے گُل کی جستجو کیجئے کہاں

پُر و بالِ ما کمندِ عشقِ اوست   ہیں کمندِ عشق بال و پَر مرے
موکشانش می کشد تا کوئے دوست   کھینچ لائے کوئے جاناں تک مُجھے

من چہ گویم ہوش دارم پیش و پس   عالم[3] کیا ہو مُجھ کو گرد و پیش کا
چوں نباشد نورِ یارم پیش و پس   گر نہ میرے ساتھ ہو نُورِ خدا

نورِ او در یُمن و یُسر و تحت و فوق   ہر طرف ہے نور اُس کا جلوہ گر
برسر و برگردنم مانندِ طوق   طاری و ساری ہے میری زیست پہ

عشق خواہد کایں سخن بیروں رود   منعکس ہو راز کیونکر عشق کا
آئینہ ات غماز نبود چوں بود   بے جلا ہے تیرے دل کا آئینہ

آئینہ ات دانی چرا غماز نیست   کیوں ہے تیرا آئینہ بے آب و تاب
زانکہ زنگار از رخش ممتاز نیست   زنگ کا ہے اس کے چہرے پہ حجاب

۱ بانسری سے جو سُر پیدا ہوتے ہیں وہ بانسری بجانے والے کے لب اور بانسری کے یکجا ہونے سے جنم لیتے ہیں۔
۲ جب دنیا میں روحِ عشق سے آگاہی کا ذوق ہی باقی نہ رہا تو پھر اسرارِ حق کس کے آگے بیان کیے جائیں۔
۳ اگر خداوند تعالیٰ کا نور زندگی کی تاریک راہوں پر میری رہنمائی نہ کرے تو مجھے گرد و پیش اور راستے کے پیچ و خم کی کیسے خبر ہو۔

آئینہ کزرنگ و آلائش جداست   آئینہ جو زنگ سے ہے صاف و پاک
پر شعاع از نورِ خورشیدِ خدااست   ہے وہ نورِ مہرِ حق سے تابناک

رو تو ز نگار از رُخ، اُو پاک کن   زنگ آلودہ ہے اس کو صاف کر
بعد ازاں آں نُوررا اِدراک کن   پھر تجھے وہ نور آئے گا نظر

ایں حقیقت را شنو از گوشِ دل   اِس حقیقت کو بگوشِ دل سنو
تابروں آئی بکلّی ز آب و بگل   تا کہ بندِ آب و بگل سے بچو

فہم گردارید جاں را راہ دہید   روح کو اپنا بنا کر راہبر
بعد ازاں از شوق پا در رہ نہید   گامزن ہو زندگی کی راہ پر

دنیا و عقبیٰ

حرف ظرف آمد درو معنی چو آب   حرف اور معنی کہ جیسے ظرف و آب
بحرِ معنی عندہٗ اُمّ الکتاب   بحر[1] معنی صاحب اُمّ الکتاب

بحرِ تلخ و بحرِ شیریں ہم عناں   تلخ[2] و شیریں بحر ہیں یکجا رواں
درمیاں شاں بَرزَخٌ لَّا یبغیاں   ہے خطِ تفریق لیکن درمیاں

وآنکہ ایں ہر دو ز یکے اصلے رواں   ہیں[3] جُدا پَر مشترک ہے ابتدا
درگذر زیں ہر دو رو تا اصل آں   گامزن ہو تو بھی سوئے ابتدا

ہر کرا در جاں خدا بنہد محک   ہو پرکھنے کی جسے قدرت عطا
مر یقیں را باز داند اُوزِشک   وہ یقیں سے شک کو رکھتا ہے جدا

آنچہ گفت "اِستفتِ قَلْبَکَ" مصطفیٰؐ   "دل[4] سے فتویٰ پوچھ" قولِ مصطفیٰؐ
آن کسے داند کہ پُر بُود از وفا   اِس سے واقف ہیں فقط اہلِ وفا

در دہانِ زندہ خاشاک ارجہد   منہ میں اِک تنکے سے حالت زار زار
آنگہ آرامد کہ بیرونش نہد   وہ نکل جائے تو آتا ہے قرار

[1] تمام اوصاف اور معانی کا منبع ذاتِ خداوندی ہے جس کے پاس اُم الکتاب یعنی لوحِ محفوظ ہے۔ یہ الفاظ قرآن حکیم کی اس آیت سے ماخوذ ہیں۔

لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ.

خدا جس کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے اور اس کے پاس اصل کتاب لوحِ محفوظ ہے۔

[2] سورۃ رحمٰن کی اس آیت سے نیک و بد میں حدِ فاصل کی طرف اشارہ کیا ہے۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ

اسی نے دو سمندر بنائے ہیں کہ آپس میں ملتے ہیں پھر بھی دونوں میں ایک پردہ ہے کہ ایک دوسرے کی طرف نہیں بڑھ سکتے۔

[3] نیک و بد دونوں حق تعالیٰ کی قدرت میں ہیں لہٰذا ان سے گذر کر ذاتِ باری تک پہنچنے کی کوشش کرو۔

[4] اس شعر میں مولانا آنحضورؐ کی اس حدیثِ مبارک کا حوالہ دیتے ہیں جس میں حضورؐ حضرت وابصہؓ کے ایک استفسار کے جواب میں فرماتے ہیں استفت قلبک یعنی اپنے دل سے پوچھو۔

حس دنیا نزدبانِ ایں جہاں | حسِ دنیا اِس جہاں کا آسرا
حس عقبیٰ نزدبانِ آسماں | حسِ عقبیٰ اُس جہاں کا آسرا

صحتِ ایں حس بجوئید از طبیب | [1] حسِ دنیا کا معالج ہے طبیب
صحت آں حس بجوئید از حبیب | حسِ عقبیٰ کا معالج ہے حبیب

صحتِ ایں حس ز معموریِ تن | [2] حسِ دنیا تن سے ہے من سے نہیں
صحتِ آں حس ز تخریبیِ تن | حسِ عقبیٰ من سے ہے تن سے نہیں

شاہِ جاں مر روح راویراں کند | [3] تن کی بربادی پہ ہی اہلِ صفا
بعد ویرانیش آباداں کند | تن کی آبادی کی رکھتے ہیں بنا

اے خنک جانے کہ در عشقِ مآل | ہے مبارک فکرِ عقبیٰ ہو جسے
بذل کرد اُو خانمان و ملک و مال | اپنا سب کچھ راہِ حق میں بخش دے

کرد ویراں خانہ بہر گنج زر | [4] گھر کی ویرانی سے وہ دولت ملے
وزہماں گنجش کند معمور تر | جس سے گھر آباد ہو خوش تر بنے

کار بیچوں را کہ کیفیت نہد | کیسے کیجے اُس کاموں کا بیاں
ایں کہ گفتم از ضرورت می جہد | کہہ دیا جتنی ضرورت تھی یہاں

کاملاں کز سر تحقیق آگہند | مردِ کامل رازِ حق سے باخبر
بیخود و حیران و مست و والہ اند | مست و بیخود محوِ حیرت سربسر

نے چنیں حیراں کی پشتش سوئے اوست | محوِ حیرت ہے پہ روگرداں نہیں
بل چنیں حیراں کہ رودر روئے اوست | بلکہ اُس کے روبرو ہے ہر کہیں

1. حبیب یعنی محبوبِ خدا شیخ کامل۔ دنیاوی حس کا علاج طبیب کر سکتا ہے جبکہ روحانی حس کا علاج شیخ کامل سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔
2. دنیاوی حس کا علاج بدن کی تندرستی ہے جبکہ روحانی حس کا علاج دل کی تندرستی یعنی دل کے پاک وصاف ہونے سے ہیں۔
3. اہلِ صفا ریاضت سے تن کو برباد کر کے اس کی ویرانی پر روحانی زندگی کی بنیاد رکھتے ہیں۔
4. جس کسی نے دنیاوی مال ومتاع راہِ حق میں قربان کر دیا عقبیٰ میں نیا و خوبصورت گھر تعمیر کر لیا۔

آں یکے را روئے اُوشد سوئے دوست   لے ایک چہرہ ہر گھڑی ہے سوئے دوست
ویں یکے را روئے اُوشد سوئے دوست   ایک چہرہ بن گیا خود روئے دوست

روئے ہر یک می نگر میداو پاس   ایسے انساں لائق صد احترام
بو کہ گر وی تو زخدمت بو شناس   اُن کی خدمت سے بنو گے خوش مقام

لے حیرانی کی محویت دو طرح سے ہوتی ہے ایک میں طالب و مطلوب ممتاز ہوتے ہیں اور دوسری وہ جس میں طالب و مطلوب میں امتیاز نہیں رہتا چنانچہ اس شعر میں دونوں کیفیتوں کو بیان کیا گیا ہے تاہم دوسری کیفیت کے حامل لائق صد احترام ہیں جو فنا فی اللہ ہیں۔

جہد و توکّل

پائے داری چوں کنی خود را تو لنگ   پاؤں رکھتے ہو تو پھر معذور کیوں
دست داری چوں کنی پنہاں تو چنگ   دست و بازو کو رکھو مستور کیوں

خواجہ چوں بیلے بدستِ بندہ داد   کی ترے ہاتھوں کو جب قوت عطا
بے زباں معلوم شد اُو را مراد   بن کہے واضح تھا اِس کا مدّعا

گر توکّل می کنی درکار کن [۱]   کام کرنے میں توکّل ہے بجا
کار کن پس تکیہ برجبار کن   کار گر ہو گا خُدا کا آسرا

گفت آرے ار توکّل رہبر ست [۲]   گر توکّل ہے تمہارا رہنما
ایں سبب ہم سنّت پیغمبر ست   کسب و محنت سنّتِ شاہِ ہدیٰ

رمزِ الکاسب حبیب اللہ شنو   اہلِ محنت ہیں پسند اللہ کو
از توکّل در سبب کاہل مشو   ترکِ محنت کو توکّل مت کہو

در توکّل کسب و جہد اولیٰ تر است   گر توکّل میں لیا محنت سے کام
تا حبیبِ حق شوی ایں بہتر است   بارگاہِ حق میں ہو گے خوش مقام

سعیِ ابرار و جہادِ مومناں   [۳] ہے نیکو کاروں کی محنت کا ثمر
تا بدیں ساعت ز آغازِ جہاں   روزِ اوّل سے ابھی تک جلوہ گر

۱ مولانا جدوجہد اور سعی و عمل کے حق میں ہیں اور اس بات کے داعی کہ توکّل کا مطلب محنت و مشقت چھوڑ کر بیٹھ جانا نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان جدوجہد کرے اور پھر اس کا نتیجہ اللہ پر چھوڑ دے۔

۲ توکّل کرنا بجا ہے لیکن اپنے کام میں سبب کو لاتے ہوئے محنت سے نتیجہ کے لیے کوشاں ہونا آنحضورؐ کی سنت ہے۔

۳ خاصانِ خدا نے حق تعالیٰ پر توکّل کرتے ہوئے بھی دنیاوی اسباب کو اختیار کیا اس لیے کہ یہ اسباب بھی ربّ ذوالجلال نے مہیا کیے ہیں اور زندگی کی جدوجہد میں صبر و استقلال سے کام لے کر نشیب و فراز سے دوچار ہوئے چنانچہ ان کی یہ روشن مثالیں ازل سے روزِ آخر تک ہماری رہنمائی کے لیے تابندہ رہیں گی۔

حق تعالیٰ جہد شاں را راست کرد لطفِ حق سے ان کی زحمت کوشیاں
آنچہ دیدند از جفا و گرم و سرد شاد کام و کامیاب و کامراں

سعی شکرِ نعمت قدرت بود کام کیجیے شکرِ نعمت ہے یہی
جبر تو انکار آں نعمت بود جبر کیا ہے شکر نعمت کی نفی

شکرِ نعمت نعمت افزوں کند نعمتیں ہوں شکرِ نعمت سے سوا
کفرِ نعمت از کفت بیروں کند نعمتیں ہوں کفرِ نعمت سے فنا

صاحبِ وصف

آنچہ شیریں است آن شد یارِ وانگ مردِ خوش خو بیش قیمت بے بہا
وانچہ بوسیدہ ست نبود غیر ِ بانگ مردِ بد خو جیسے بے معنی صدا

آنچہ بامعنی ست خوش پیدا شود باصفا انساں ہمیشہ پُروقار
وانچہ بے معنی ست خود رسوا شود بے صفا ہوتا ہے خود ہی زار و خوار

رو بمعنی کوش اے صورت پرست حسنِ باطن ڈھونڈ اے ظاہر پسند
زانکہ معنی برتنِ صورت پَرست حسنِ باطن سے ہی ہو گا سر بلند

دل ترا در کوئے اہلِ دل کشد [1] دِل تجھے کھینچے ہے سوئے اہلِ دل
تن ترا در حبسِ آب و گِل کشد تن کی خواہش قید و بندِ آب و گِل

ہمنشینِ اہلِ معنی باش تا اہلِ عرفاں کا ہوا جو ہمنشیں
ہم عطایابی و ہم باشی فتا وادیِ حق پائی بنا مردِ یقیں

یک زمانے صحبتِ با اولیا اولیا کے ساتھ گذرے جو گھڑی
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا بے ریا سو سالہ طاعت سے بھلی

گر تو سنگِ خارہ و مرمر شوی چاہے تو مَرمَر ہے یا سنگِ سیاہ
چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی دُر بنادے گی ولی کی اِک نگاہ

[1] دل روحانی پاکیزگی کی طرف مائل ہوتا ہے اور اہلِ دل کی طرف لے جاتا ہے جب کہ تن دنیاوی خواہشات میں گرفتار رکھنا چاہتا ہے۔

ہیں غذائے دل بدہ از ہمدلے [1] دل کو تسکیں اہلِ دل سے ہی ملے
رو بجو اقبال را از مُقبلے بخت والے سے ہی خوش بختی ملے

مہر پاکاں درمیانِ جاں نشاں دل میں اہلِ دل کی چاہت کو بسا
دل مدہ اِلّا بمہرِ دل خوشاں کوئی اِس قابل نہیں اُن کے سوا

[1] اہلِ دل کی صحبت سے ہی انسان کے دل کو تسکین اور اطمینان حاصل ہوسکتا ہے اس لیے کہ ان کی مجلس میں ذکرِ خدا ہوتا ہے اور قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ:
اِلاَّ بِذِکرِ اللہ تطمئنُّ القلوب
دل کو ذکرِ الٰہی سے ہی اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

اَمرِ ربی

آتشِ طبعت اگر غمگیں کند [1] — سوزِ جاں سے ہوا گر تو دلفگار
سوزش ازامرِ ملیکِ دیں کند — جان لے یہ بھی ہے حکمِ کردگار

آتشِ طبعت اگر شادی دہد — سوز جاں سے گر ملے تجھ کو خوشی
اندرو شادی ملیکِ دیں نہد — یہ خوشی بھی مالکِ کُل نے ہے دی

چونکہ غم بینی تو استغفار کن — رنج و غم میں وردِ استغفار کر
غم بامرِ خالق آمد کارکن — رنج و غم اذنِ خُدا سے پُر اثر

چوں بخواہد عینِ غم شادی کند — غم کو جب چاہے خوشی میں ڈھال دے
عینِ بند پائے آزادی شود — بندِ پا پیغامِ آزادی بنے

باد و خاک و آب و آتش بندہ اند [2] — آگ ہو پانی ہو مٹی یا ہوا
بامن و تو مردہ باحق زندہ اند — مالک و خالق ہے ان کا بھی خدا

سنگ بر آہن زنی آتش جہد — سنگ و آہن سے شرر کا پھوٹنا
ہم بامرِ حق قدم بیروں نہد — کب ہے ممکن امرِ ربی کے سوا

سنگ و آہن خود سبب آمد و لیک — گو بظاہر سنگ و آہن ہیں سبب
تو ببالا تر نگر اے مردِ نیک — ہے مگر ان کا بھی خالق پاک ربّ

1. ان اشعار میں مولانا قرآن حکیم کی ان آیات مبارکہ کے نفسِ مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہیں جن میں خدائے ذوالجلال کا ارشاد ہے کہ
بدیع السموت والارض و اذا قضی امرا فانما یقول له کن فیکون
(وہی آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس کو ارشاد فرماتا ہے کہ ہوجا تو وہ ہوجاتا ہے۔)
2. چاروں عناصر یعنی عناصر اربعہ اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان ہیں اور ان میں بھی زندگی کے آثار موجود ہیں جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے:
اِنَّ مِنهَا لَمَا یَهبِطُ مِن خَشیَةِ الله
یعنی بے شک پتھروں میں سے ایسے بھی ہیں جو اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔

کیں سبب راآں سبب آورد پیش   ہر سبب کا ہے مُسبّب سے وجود
بے سبب کے شد سبب ہرگز ز خویش   بے مُسبّب کیسے ممکن ہے نمود

ایں سبب را آں سبب عامل کند   [1] اُس سبب سے یہ سبب عامل ہوا
باز گاہے بے برو عاطل کند   اور جب چاہا اسے ساکت کیا

واں سببہا کانبیاء را رہبرست   [2] رہنما ہیں انبیاء کے جو سبب
آں سببہازیں سببہا برتر است   دوسروں سے بالاتر ہیں وہ سبب

ایں سبب را محرم آمد عقلِ ما   [3] اس سبب سے عقلِ انساں آشنا
واں سببہا راست محرم انبیاء   اور اُن سے آشنا ہیں انبیاء

ایں سبب چہ بُد بتازی گو رسن   یہ سبب جیسے ہو رسّی ڈول کی
اندریں چہ ایں رَسَن آمد بفن   کھینچتا ہے جس کو کوئی اور ہی

گردشِ چرخ ایں رَسَن را علت ست   [4] گرچہ چرخی سے ہی رسّی کی چال
چرخ گرداں را ندیدن زلّت ست   گھومنا چرخی کا ہے کس کا کمال

ایں رسنہائے سببہا در جہاں   اِس جہاں میں رسّیاں اسباب کی
ہاں وہاں زیں چرخِ سرگرداں مداں   چرخِ گرداں کی نہیں تابع کبھی

بادو آتش می شوند از امرِ حق   [5] حکمِ رب سے باد و آتش کا ظہور
ہردو سرمست آمدند از خمرِ حق   جامِ حق سے اِن کی مستی کا سرور

آبِ حلم و آتشِ خشم اے پسر   بُرد باری اور غصہ بھی سدا
ہم ز حق بینی جو بکشائی نظر   دیکھ اذنِ حق سے ہیں جلوہ نما

[1] ہر سبب اُس قدیم سبب یعنی دستِ قدرت سے کارگر بنتا ہے اور پھر جب وہ دستِ قدرت چاہتا ہے تو بے اثر اور بے کار بنا دیتا ہے۔
[2] عوام کی نظر اسباب کی سطح تک ہی پہنچتی ہے جب کہ انبیاء کی نظر ان کی حد تک پہنچتی ہے۔ [3] انبیائے کرام کو معیتِ ایزدی سے رہنمائی حاصل ہوتی ہے جو ان کے تمام افعال و اقوال کے بنیادی سبب کی حیثیت رکھتی ہے چنانچہ اس سبب کو باقی تمام اسباب پر فوقیت حاصل ہوگی۔ [4] بظاہر کنویں کی چرخی رسّی کی مدد سے گھومتی ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس چرخی کو گھمانے والا کون ہے یعنی کون و مکان میں ہر چیز کے بننے بگڑنے چلنے اور رکنے کا عمل اس قادرِ مطلق کے ہاتھ میں ہے۔ [5] آگ اور ہوا دونوں اللہ کے حکم سے جلتی اور چلتی ہیں ان دونوں کو اسی ذاتِ پاک سے اثر ملتا ہے۔

عقل

بحرِ بے پایاں بود عقلِ بشر   عقلِ انساں جیسے بحرِ بیکراں
بحر را غواص باید اے پسر   اس میں جو ڈوبا ہوا وہ کامراں

صورتِ ما اندریں بحرِ عذاب   اس سمندر میں ہمارے جسم و جاں
میدودچوں کاسہا بر روئے آب   جیسے سطحِ آب پہ پیالے رواں

تاشد پُر برسر دریا ست طشت   [1] جب تلک خالی ہیں تیریں گے مگر
چونکہ پُر شد طشت دروے غرق گشت   پُر ہوئے تو ڈوب کر رشکِ گہر

عقل پنہان ست و ظاہر عالمے   [2] عقل پوشیدہ ہے اور دنیا عیاں
صورتِ ماموج یا از وے نمے   ہم ہیں جیسے بحر کی موج دواں

ہر چہ صورت می وسلیت سازدش   جو نظر آیا اُسی کے ہوگئے
زاں وسیلت بحر دور اندازدش   اپنے محور سے ہٹے اور کھو گئے

[1] جب تک ہمارے جسم روحانیت سے خالی ہوں گے وہ دنیا کے سمندر کی سطح پر تیرتے رہیں گے لیکن جب وہ روحانی دولت سے بھر جائیں گے تو پھر سیپ کی طرح ڈوب جائیں گے۔

[2] دریائے عقل پوشیدہ ہے اور ہماری زندگی ایک موج کی طرح رواں دواں ہے۔ اگر صحیح سمت مل گئی تو ساحل تک پہنچ جائیں گے ورنہ اِدھر اُدھر بھٹکتے رہیں گے۔

چشمِ بینا

درونِ خود بیفزا درد را	[۱] زندگی کو آشنائے درد کر
تا ببینی سبز و سرخ و زرد را	تا کہ سرخ و سبز و زرد آئے نظر
کے ببینی سرخ و سبز و بور را	[۲] کیسے پہچانو گے اِک اک رنگ کو
تا نہ بینی پیش ازیں سہ نور را	تم نے جب تک نور ہی دیکھا نہ ہو
چونکہ شب آں رنگہا مستور بود	[۳] تیرگی میں رنگ سب بے رنگ تھے
پس بدیدی دیدِ رنگ از نور بود	نور کے دم سے ہی سارے رنگ تھے
نیست دیدِ رنگ بے نورِ بروں	[۴] روشنی سے رنگ پاتے ہیں جلا
ہم چنیں رنگِ خیالِ اندروں	نورِ باطن سے ہی باطن خوشنما
ایں بروں از آفتاب و از سہاست	[۵] مہر و انجم سے ہے دنیا نور نور
واں دروں از عکسِ انوارِ علاست	اور باطن نورِ حق سے رشکِ طور
نورِ نورِ چشم خود نورِ دل است	[۶] چشمِ بینا نورِ دل کا ہے ظہور
نورِ چشم از نورِ دلہا حاصل است	نورِ دل سے ہی تری آنکھوں کا نور
باز نورِ نورِ دل نورِ خدا ست	[۷] چشمِ دل کا نور ہے نورِ خدا
کو ز نورِ عقل و حس پاک و جداست	عقل و حس کی روشنی سے ماورا

[۱] زندگی میں عشقِ حقیقی کا درد پیدا ہو تو انسان ہر چیز کو اس کے حقیقی روپ میں دیکھنے کے قابل ہو سکے گا۔

[۲] جب تک انسان کے اندر نورِ حقیقی کی روشنی نہیں ہو گی اسے اسرار و لطائفِ غیبیہ کے رنگ کیسے نظر آئیں گے۔

[۳] تاریکی میں کسی بھی رنگ کو سوائے نور کے پہچانا نہیں جا سکتا۔

[۴] تمام رنگ نور کی روشنی میں کھل اُٹھتے ہیں۔ نورِ باطن سے ہی انسان کا باطن روشن ہوتا ہے۔

[۵] جس طرح دنیا سورج اور چاند کی روشنی سے منور ہوتی ہے اسی طرح انسان کا باطن نورِ خدا سے تابناک ہوتا ہے۔

[۶] اگر دل نورِ ایزدی سے منور ہو تو پھر آنکھ بھی حقیقی معنی میں چشمِ بینا ہوتی ہے یعنی بصیرتِ چشم بصیرتِ قلب سے ملتی ہے۔

[۷] بصیرتِ قلبی عقل اور حسِ انسانی سے جدا اور بلند تر چیز ہے۔

نورِ حق

رنج و غم را حق پئے آں آفرید — حق نہ دیتا گر ہمیں رنج و الم
تا بدیں ضد خوشدلی آید پدید — کس طرح پہچانتے خوشیوں کو ہم

پس نہانیہا بضد پیدا شود — [1] اپنی ضد سے ہے ہر اک شے جلوہ گر
چونکہ حق رانیست ضد پنہاں بود — ضد نہ ہو جس کی وہ کیوں آئے نظر

نورِ حق را نیست ضدّے در وجود — نورِ حق کی جب کوئی ضد ہی نہیں
تا بضد اُورا تواں پیدا نمود — وہ ہمیں کیسے نظر آئے کہیں

لَا تُدرِکُہُ اَبصَارُنَا — لا جرم — [2] دیدِ حق کی ہے کسے تاب و تواں
وَ ھُوَ یُدرِکُ بیں از موسیٰ و کہ — طور اور موسیٰ کی پڑھ لو داستاں

چوں ز دانش موجِ اندیشہ بتافت — عقل سے موجِ تخیل جب اُٹھی
از سخن آواز و صورت بساخت — بات اور آواز میں وہ ڈھل گئی۔

از سخن صورت بزاد و باز مُرد — بات بھی آواز بن کر کھو گئی
موج خود را باز اندر بحر بُرد — لہر تھی اُٹھی گری گم ہوگئی

صورت از بے صورتے آمد بروں — [3] جب بھی بےصورت سے اک صورت بنی
بازشد اِنَّا اِلَیہِ راجعون — اُس کی جانب لوٹنا تھا چل بسی

[1] ہر چیز کی پہچان اس کی ضد سے ہوتی ہے دن کی پہچان رات سے اور نیک کی پہچان بد سے ہے۔

[2] جلوۂ حق کو دیکھنے کی ہر کسی میں تاب و تواں نہیں ہوتی۔ اس حقیقت کو جاننے کے لیے قرآن حکیم میں حضرت موسیٰ اور کوہِ طور کا واقعہ پڑھو۔ جب جلوۂ خداوندی سے حضرت موسیٰ بےہوش ہو گئے اور کوہِ طور جل کر سیاہ ہو گیا۔

[3] دنیا میں جو چیز بھی صورت اختیار کرتی ہے بالآخر فنا ہو کر اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے۔

پس ترا ہر لحظہ مرگ و رجعتے ست[1] ہر نفس اور ہر گھڑی ہے موت کی
مصطفیٰؐ فرمودہ دنیا ساعتے ست "زندگی ہے ایک پَل" قولِ نبیؐ

ہر نفس نو می شود دنیا و ما ہر گھڑی دنیا بدلتی ہے مگر
بے خبر از نوشدن اندر بقا ہم ہیں اس ردّو بدل سے بے خبر

عمر ہمچوں جوئے نو نومی رسد[2] جاں تمہارے جسم میں ہے یوں رواں
مستمرے می نماید در جسد جس طرح ہو آبجو پیہم دواں

[1] آنحضورؐ کا ارشاد ہے کہ زندگی ایک پل سے زیادہ نہیں۔ موت کسی وقت بھی آسکتی ہے۔

[2] جس طرح نہر کا پانی رواں رہتا ہے لیکن سطح آب سے اس کی روانی ظاہر نہیں ہوتی اسی طرح ہماری زندگی ہر لحظہ بدلتی رہتی ہے یعنی ہم فنا کے قریب تر ہوتے رہتے ہیں لیکن ہمیں اس کی خبر نہیں ہوتی۔

قول

وعدہ ہا باشد حقیقی دل پذیر قولِ پختہ جان و دل کی تازگی
وعدہ ہا باش مجازی تاسہ گیر قولِ بے ضمان باعث وارفتگی

وعدۂ اہلِ کرم گنجِ رواں اہلِ دل کا قول ہے گنجِ رواں[1]
وعدۂ نا اہل شد رنجِ رواں اور قولِ بے بضاعت رنجِ جاں

وعدہ ہا باید وفا کردن تمام[2] قول کو جیسے بھی ہو پورا کریں
ورنخواہی کرد باشی سرد و خام جو نہ کر پائیں وہ ناپختہ رہیں

وعدہ کردن را وفا باشد بجاں جان و دل سے کیے وعدہ وفا
تا بہ بینی در قیامت فیضِ آں روزِ محشر پایئے اس کی جزا

[1] قارون کے ایک خزانے کا نام ہے۔ اہل دل کا وعدہ اُس خزانے کی طرح بے بہا ہوتا ہے اور خوشنودی کا باعث جب کہ نااہل کا وعدہ مایوسی کا سبب بنتا ہے۔

[2] ایفائے وعدہ شیوۂ پیغمبری ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

لا تمار اخاک ولا تمازحہ ولا تعدہ موعدۃ فتخلفہ

(تو اپنے بھائی سے جھگڑا مت کر اور نہ اس سے اس طرح مزاح کر کہ اُسے تکلیف ہو اور نہ اُس سے کوئی وعدہ کرکے اسکے خلاف (کام) کر۔

خالق و مخلوق

اشکِ دیدہ است از فراقِ تو دواں — تیری فرقت میں ہیں آنکھیں اشکبار
آہ آہ ست ازمیانِ جاں رواں — مبتلائے آہ و زاری جانِ زار

ماچو چنگیم و تو زخمہ میزنی — [1] ساز ہیں ہم اور تم مضراب کار
زاری ازمانے توزاری می کنی — ہم نہیں گریاں تمہیں ہو اشکبار

ماچو نائیم و نوا در ماز تست — [2] ہم ہیں نَے اور تم نوائے مست مست
ماچو کوہیم و صدا در ماز تست — ہم ہیں کوہ اور تم صدائے باز گشت

ماچو شطرنجیم اندر بردومات — ہم تو مہرے ہیں بساطِ زیست پر
بردوماتِ ماز تست اے خوش صفات — تیری ہی منشا سے ہیں زیر و زبر

بادِ ماو بودِ ما از دادِ تست — ہے عطا تیری ہماری ہست و بود
ہستیِ ما جملہ از ایجادِ تست — تیری ہی قدرت سے ہے اپنا وجود

لذتِ ہستی نمودی نیست را — [3] تو نے ہی ناپید سے پیدا کیا
عاشقِ خود کر وہ بودی نیست را — پھر اُسے خود اپنا ہی شیدا کیا

لذّتِ انعامِ خود را وامگیر — بخشش و انعام کو واپس نہ لے
نُقلِ خمرو جامِ خود را وامگیر — رحمتوں کے جام کو واپس نہ لے

[1] بندہ کو گریہ وزاری کی توفیق بھی حق تعالیٰ ہی عطا کرتا ہے اس لیے گویا زاری اسی کا فعل ہے۔
[2] ہم بانسری ہیں اور تم بانسری کی مستی بھری آواز۔ہم پہاڑ ہیں اور تم پہاڑ سے ٹکرا کر پیدا ہونے والی صدائے بازگشت۔
[3] اس شعر میں قرآن حکیم میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے جس میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔
أخذ ربک من بنی آدم من ظهورهم ذریتهم
(اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی تمام آنے والی اولاد کو بروز میثاق پیدا کر کے ان سے اقرار لیا کہ کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں۔انہوں نے جواب دیا بے شک آپ ہمارے پروردگار ہیں۔مولانا فرماتے ہیں کہ وہ مخلوق ابھی پیدا بھی نہیں ہوئی تھی حق تعالیٰ نے یوم میثاق میں اس کو اپنا گرویدہ اور اپنی اُلوہیت کا قائل بنا لیا۔

ورنگیری کیست جُست و جُو کند   چھین لے سب کچھ تو کیوں ہو گلا
نقش بانقاش چوں نیرو کند   نقش تو محتاج ہے نقاش کا

منگر اندر ماکن درما نظر   میرے اندر کچھ نہیں اے ذی قدر
اندر اکرام و سخائے خود نگر   اپنے الطاف و کرم پہ رکھ نظر

پیشِ قدرت خلقِ جملہ بارگہ   ہم ہیں یوں قدرت کیا آگے ناتواں
عاجزاں چوں پیشِ سوزن کارگہ   جیسے بے بس سوئی کے آگے کتاں

گاہ نقشِ دیو و گہ آدم کند   وہ کبھی شیطاں کبھی انساں بنائے
گاہ نقشِ شادی و گہ غم کند   وہ کبھی غمگیں کبھی شاداں بنائے

دست نے تا دست جنباند بدفع   [1] روک لے دستِ قضا کس کی مجال
نطق نے تا دم زند از ضرّ و نفع   نفع و نقصان پہ کیوں ہو قیل و قال

تو ز قرآن باز خواں تفسیر بیت   [2] پھر پڑھو قرآں میں ارشادِ خدا
گفت ایزد "مارمیتَ اذرمیت"   "پھینک کر بھی تو نہیں ہے پھینکتا"

[1] اس شعر میں مولانا قرآن حکیم کی دو آیات کا مفہوم بیان فرماتے ہیں جس میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ
والله یحکم لا معقب لحکمه   (کوئی شخص اُس کے حکم کو نہیں ٹال سکتا)
اور دوسرے جگہ ارشاد قرآنی ہے
ولا یسئل عما یفعل و هم یسئلون   (وہ جو کچھ کرتا ہے اُس کی باز پرس نہیں کی جا سکتی۔)

[2] قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ   مارمیت اذ رمیت لکن الله رمی
(تم نے جو کنکریں پھینکی تھیں وہ تم نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں)

التجا

کوہ و دریا جملہ در فرمانِ تست
آب و آتش اے خداوند آنِ تست

کوہ و دریا تابع فرماں ترے
آگ اور پانی بھی مدحت خواں ترے

گر تو خواہی آتش آب خوش شود
ور نخواہی آب ہم آتش شود

[1] تو جو چاہے آگ کو پانی کرے
گر نہ چاہے آب بھی آتش بنے

بے طلب تو ایں طلب ماں دادۂ
بے شمار وعدہ عطا بنہادۂ

تو نے بن مانگے ہمیں سب کچھ دیا
تیری بخشش کی ہے کوئی انتہا

با طلب ندہی چوں اے حیّ و ودو
کز تو آمد جملگی جود و وجود

کیوں تہی رکھے گا تو دستِ سوال
ہیں تجھی سے سب کرم اے ذوالجلال

در عدم کے بود مارا خود طلب
بے سبب کردی عطا ہائے عجب

ہم نے کچھ مانگا نہ تھا پر اے خدا
کیں عدم میں نعمتیں کیا کیا عطا

جان و ناں دادی و عمرِ جاوداں
سائرِ نعمت کہ ناید در بیاں

رزق بخشا اور عمرِ جاوداں
کیسے تیری نعمتوں کا ہو بیاں

بے شمار وحدعطاہا دادۂ
بابِ رحمت برہمہ بکشادۂ

اَن گنت لطف و کرم تو نے کئے
ہر کسی پہ بابِ رحمت کھل گئے

ایں طلب درما ہم از ایجادِ تست
رستن از بیداد یا رب دادِ تست

[2] مانگتا ہوں تجھ سے ہے احساں ترا
دی پہہ بیداد سے تو نے خدا

[1] اللہ تعالیٰ دنیا کی ہر چیز کا مالک ہے جو اس کے احکام کی تابع ہے اسی کے حکم سے آتشِ نمرود بھی ابراہیم علیہ السلام کے لیے گلزار بن گئی۔ اس شعر میں آگ سے مراد تکلیف کے اسباب اور آب سے مراد راحت کے اسباب۔

[2] یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ اس نے ہمیں یہ توفیق بخشی کہ ہم اس کے آگے دستِ سوال پھیلائیں اور اُس سے کچھ طلب کریں۔

بے طلب ہم مید ہی گنجِ نہاں   بے طلب دیتا ہے تو گنجِ نہاں
رائیگاں بخشیدۂ جانِ جہاں   بے عوض بخشی ہے جانِ جہاں

ھٰکذا اُنعِم اِلٰی دارِالسّلام   خلد تک یہ لطف فرما اے خدا
بالنّبی المصطفےٰ خیرِالانام   صدقۂ حضرت محمدؐ مصطفےٰ

حدیث مبارک

"من یجلس مع اللہ فلیجلس مع اھل التصوف"

کا بیان

(جو اللہ کے ساتھ بیٹھنے کا ارادہ کرے وہ اہلِ تصوف کے ساتھ بیٹھے۔)

سیل چوں آمد بدریا بحر گشت   [1] سیل دریا ملا احسن ہوا
دانہ چوں آمد بمزرع کشت گشت   دانہ کھیتی میں گرا خرمن ہوا

چوں تعلق یافت ناں بابوالبشر   نان کو آدم سے جب نسبت ہوئی
نانِ مردہ زندہ گشت و باخبر   بن گئی پژمردگی بھی زندگی

موم و ہیزم چوں فدائے نار شد   [2] موم و ہیزم آگ پہ ہو کر فدا
ذاتِ ظلمانی اُو انوار شد   بے ضیا تھے اب ہیں سراپا ضیا

سنگِ سرمہ چونکہ شد در دیدہ گاں   [3] سرمہ بن کے سنگ آنکھوں میں سجا
سنگِ بینائی شد اینجا دیدہ باں   پاسباں پتھر بنا ہے نور کا

اے خوشا آں مرد کز خود رستہ شد   اے خوشا جس نے کیا خود کو فنا
در وجودِ زندۂ پیوستہ شد   اور اہلِ دل سے وابستہ ہوا

وائے آں زندہ کہ با مُردہ نشست   حیف جو مردہ دلوں کا ہو گیا
مردہ گشت و زندگی از وے بجست   مٹ گیا دنیا و دیں سب کھو دیا

[1] جب سیلاب کا ریلا دریا میں گرتا ہے تو اُسے وسعت حاصل ہوجاتی ہے جس طرح ایک دانہ کھیت میں گرتا ہے تو اس سے بھرپور فصل پیدا ہوتی ہے۔

[2] موم اور جلی ہوئی لکڑی جب اپنی ذات آگ کی نذر کرتی ہے تو روشنی پیدا ہوتی ہے فیضِ صحبت سے زندگی منور ہوجاتی ہے۔

[3] پتھر پس کر سرمہ بنا اور آنکھوں میں سجا یعنی پتھر آنکھوں کے نور کا محافظ بنا یہ بھی فیضِ صحبت کا اثر ہے۔

چوں تو در قرآنِ حق بگریختی   تو نے جب قرآن کو اپنا لیا
با روانِ انبیاء آمیختی   انبیاء کی روح کو بھی پا لیا

ہست قرآں حالہائے انبیاء   پُر ہے قرآں انبیاء کے حال سے
ماہیانِ بحرِ پاکِ کبریا [1]   ہیں سبھی پیراک بحرِ پاک

ور بخوانی ونۂ قرآن پذیر   [2] وردِ قرآں بے عمل بھی سود مند
انبیاء و اولیاء را دیدہ گیر   دید جیسے انبیاء کی سود مند

خویش را رنجور سازو زار زار   [3] زندگی کو رنج و غم کی دو نوید
تا ترا بیروں کند از اشتہار   عارضی ہے یہ نمودِ زر خرید

کاشتہارِ خلق بندِ محکم است   [4] ظاہری شہرت ہے تیری بند پا
در رہِ ایں از بندِ آہن کے کم است   آہنی زنجیر جیسے بندِ راہ

[1] قرآن حکیم میں تمام انبیاء کے احوال درج ہیں جو بحرِ وحدت کی مچھلیوں کی طرح ہیں۔

[2] جس طرح انبیاء کی زیارت باعثِ برکت ہے اسی طرح قرآن حکیم کی تلاوت بھی باعثِ رحمت ہے۔

[3] زندگی کو آسائش سے پاک کر اس لیے کہ یہ سب کچھ عارضی ہے۔ رنج و غم برداشت کرتا کہ تو دنیاوی نمود و نمائش سے نجات پا سکے۔

[4] دنیاوی شہرت تیرے پاؤں کی زنجیر ہے۔ یہ تجھے راہِ حق پر چلنے اور عجز و انکسار اختیار کرنے سے روکتی۔

علم

علمہائے اہلِ دل حمالِ شاں [1] اہلِ دل کا عِلم اُن کے زیرِ کار
علمائے اہلِ تن احمالِ شاں اہلِ تن کا عِلم اُن کے سر کا بار

علم چوں بر دل زند یارے شود [2] دل سے نسب ہو تو یارِ غار علم
علم چوں بر تن زند بارے شود تن سے نسبت ہو تو ہے انبار علم

علم کاں بنود زھو بے واسطہ [3] علم کا گر ہو نہ رَب سے ارتباط
آں نپاید ہمچو رنگِ ماشطہ رنگِ مشاطہ کی صورت بے ثبات

لیک چوں ایں بار را نیکوکشی گر اٹھایا حسن و خوبی سے یہ بار
بار برگیرند و بخشندت خوشی بار کم اور ہونگی خوشیاں بیشمار

ہیں بکش بہرِ خدا ایں بارِ عِلم علم سے راہِ خدا میں کام لو
تا بہ بینی در دروں انبارِ عِلم تا کہ تم خود بھی سراپا علم ہو

ہیں مکش بہرِ ہوا ایں بارِ عِلم دور رکھ حرص و ہوا سے بارِ علم
تاشوی راکب تو بر رہوار عِلم تا کہ قابو میں رہے رہوارِ علم

چونکہ بر رہوارِ علم آئی سوار [4] آ گیا قابو میں جب رہوارِ علم
بعد ازاں افتد ترا از دوش بار ہلکا ہو جائے گا تیرا بارِ علم

[1] اہلِ دل اپنے علم کو دنیا و عقبیٰ کی بھلائی کے لیے کام میں لاتے ہیں جب کہ اہلِ دنیا اس سے دنیاوی منفعت حاصل کرتے ہیں جس سے حقیقی اطمینان قلب مشکل سے ہی ملتا ہے۔

[2] جو علم دل کو اطمینان پہنچائے وہ بہترین دوست ہوتا ہے اور جو علم دنیاوی خواہشات کی تکمیل کا ہو جب ہو وہ سر کا بوجھ ثابت ہوتا ہے۔

[3] جس علم کا واسطہ اللہ سے نہ ہو وہ بالوں میں مشاطہ کے لگائے ہوئے رنگ کی طرح ناپائیدار ہوگا۔

[4] جب علم کی قوت کو بھلائی کے لیے استعمال کیاجائے تو اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اس نعمت کی ذمہ داریوں کا بوجھ ہلکا ہوجاتا ہے۔

قادرِ مطلق، کارساز

ناگزیرِ جملہگاں حی قدیر — قادرِ مطلق سبھی کا کار ساز
لایزال ولم یزل فرد و بصیر — دائم و قائم وحید و بے نیاز

با چناں قادر خدائے کز عدم — جو عدم سے لحہ بھر میں بے گماں
صد چو عالم ھست گرواند بدم — پیدا کرسکتا ہے ایسے سو جہاں

صدچو عالم در نظر پیدا کند — [1] اک نظر میں سو جہاں آئیں نظر
چونکہ حشمت را بخود بینا کند — چشم بینا بخش دے جب ذی قدر

گر جہاں پیشت بزرگ و بے تنے ست — تونے دنیا کو وسیع جانا وَلے
پیشِ قدرت ذرّہ میداں کہ نیست — یہ ہے اک ذرّہ خدا کے سامنے

ایں جہاں خود حبسِ جانہائے شماست — قید ہیں دنیا میں تیرے جسم و جاں
ہیں دوید آنسو کہ صحرائے خداست — [2] چل اُدھر ہے وادیٔ رحمت جہاں

ایں جہاں محدود آں خود بیحدست — [3] یہ جہاں محدود وہ بے انتہا
نقش و صورت پیش آں معنٰی سدست — نقشِ ہستی راہِ حق میں بندِ پا

صد ہزاراں نیزہ فرعون را — [4] انگشت فرعون کے نیزے جھکے
درشکست آں موسٰی بایک عصا — اِک عصائے موسوی کے سامنے

[1] اہلِ معرفت کے دل پر جب عالمِ غیب سے جسے عالمِ امر کہتے ہیں اسرارِ معرفت وارد ہوتے ہیں تو ان کے باطنی کشفات کا سلسلہ اس قدر وسیع ہوجاتا ہے کہ اس میں سینکڑوں عالم سما جائیں اور اس کے سامنے یہ عالم جس کا دوسرا نام عالمِ خلق ہے بہت تنگ و محدود نظر آئے۔

[2] یہ دنیا قید خانہ ہے جہاں ہم مقررہ مدت کیلئے آتے ہیں اس لیے مولانا فرماتے ہیں کہ اُس جہاں سے رجوع کرو جو دائمی ہے اور جہاں رحمت خداوندی کی فراوانی ہے۔

[3] یہ جہاں اور اس کی ہر چیز محدود ہے جب کہ عالم بالا بے انتہا ہے۔

[4] اس شعر میں مولانا حضرت موسیٰ کے اس معجزہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو فرعون کے دربار میں رونما ہوا۔

صد ہزاراں طبِ جالینوس بُود [1] طبِ جالینوس کے صد ہا گہر
پیشِ عیسیٰ و دمش افسوس بُود اک دمِ عیسیٰ کے آگے بے اثر

صد ہزاراں دفترِ اشعار بُود [2] شاعروں کے انگنت دیوان بھی
پیشِ حرفِ امیئے اش عار بُود حرفِ اُمّی کے مقابل تھے تہی

باچناں غالب خداوندے کسے کیوں نہ کوئی ایسے قادر کے حضور
چوں نمیرد گرنباشد اُوخسے خاک ہوجائے اگر ہو ذی شعور

اے بسا گنج آگنانِ گنج کاؤ سیم و زر کا جو بھی شیدائی ہوا
کاں خیال اندیش را شد ریشِ گاؤ دہر میں وہ وقفِ رسوائی ہوا

زر و نقرہ چیست تا مفتوں شوی کیوں کوئی ہو سیم و زر پہ جاں نثار
چیست صورت تا چنیں مجنوں شوی شکل و صورت کیلئے ہو دلفگار

ایں سرا باغِ تو زندانِ تست یہ محل یہ باغ سب زندان ہیں
مُلک و مالِ تو بلائے جانِ تست مال و دولت بھی بلائے جان ہیں

روح می پرّد سوئے عرشِ بریں روح سوئے عرش لیجاتی ولے
سوئے آب و گل شدی در اسفلیں تم زمیں کی پستیوں میں جاگرے

خویشتن را تو مسخ کردی زیں سفول تم کہ تھے رشکِ ملائک عرش پہ
زاں وجودے کہ بُدآں رشکِ عقول پستیوں میں ہوگئے ہو پست تر

چند گوئی من بگیرم عالمے کب تلک یہ ملک گیری کی ہوس
ایں جہاں را پُر کنم از خودہمے اور جہاں میں خود نمائی کی ہوس

[1] اب مولانا حضرت عیسیٰؑ کے معجزہ کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان کی ایک پھونک سے مردہ زندہ ہوجاتے تھے اور اس معجزہ کے سامنے مصر کے معروف ترین حکیم جالینوس کی مہارت بھی ہیچ تھی۔

[2] عرب کے سینکڑوں بلند مرتبہ شعرا کا کلام آنحضورؐ جو کہ اُمّی تھے ان کے ایک حرفِ دانش کے مقابلہ میں بے معنی نظر آتا ہے۔

گر جہاں پُر برف گردد سربسر ۱؎ برف سے ڈھک جائے گر سارا جہاں
تابِ خور بگدازدش از یک نظر اِک نگاہِ مہر سے آب رواں

عینِ آں تخییل را حکمت کند ۲؎ فہم کو بخشے وہ حکمت کی جلا
عینِ آں زہراب را شربت کند اور بنائے زہر کو آبِ صفا

در خرابی گنجہا پنہاں کند ۳؎ مال و دولت دشت میں پنہاں رکھے
خار را گل جسمہا را جاں کند خار کو گُل اور تن کو جاں کرے

آں گماں انگیز را سازد یقیں ۴؎ وہ گماں کو ہے یقیں میں ڈھالتا
مہر ہا رُویاند از اسبابِ کیں بخشتا ہے بُغض کو رنگِ وفا

پروَرد در آتش ابراہیم را ۵؎ دے پنہ آتش میں ابراہیم کو
ایمنی روح سازد بیم را وجہِ اطمینان خوف و بیم ہو

از سبب سازیش من سودائیم ہوش گم اُس کی سبب سازی سے ہے
از سبب سوزیش من فسطائیم عقل گُم اُس کی سبب سزی سے ہے

در سبب سازیش سرگرداں شدم اس سبب سازی پہ سرگرداں ہوں میں
در سبب سوزیش ہم حیراں شدم اور سبب سوزی پہ بھی حیراں ہوں میں

۱؎ سابقہ شعر میں ہوسِ اقتدار کے حوالے سے مولانا فرماتے ہیں کہ تو کب تک دنیا جہان کو اپنے اقتدار میں رکھنا چاہتا ہے اگر ایسا ہو بھی جائے تو خدا کی نگاہِ جلال کے سامنے تیرا اقتدار برف کے انبار سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا جو چند لمحوں میں پانی پانی ہو کر بہہ جائے گا۔

۲؎ حق تعالیٰ جب چاہے عقلِ انسانی کو جلا بخشے اور زہر کو شفا دینے کی قوت عطا فرمائے۔

۳؎ حق تعالیٰ نے بیش بہا خزانے زمین کے نیچے چھپا رکھے ہیں وہ جب چاہے اپنی قدرت سے کانٹے کو پھول بنائے اور مردہ جسم کو زندگی عطا کرے۔

۴؎ خدائے قادرِ مطلق جب چاہتا ہے انسان کے دل و دماغ میں وہم و گماں کو یقین میں بدل دیتا ہے اور بُغض و عناد کو محبت میں تبدیل کر ڈالتا ہے۔

۵؎ اس شعر میں اُس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جب نمرود نے ابراہیمؑ کو آگ میں کودنے کا حکم دیا تو حضرت ابراہیمؑ کے قدم رکھتے ہی آگ اللہ تعالیٰ کے حکم سے گُل و گلزار بن گئی۔ اللہ جب چاہے خوف و خطر میں امید و اطمینان پیدا کر دیتا ہے۔

رزقِ حلال

لقمہَ کاں نور افزود و کمال　　جس سے حاصل ہو تجھے عز و کمال
آں بود آوردہ از کسبِ حلال　　ہے حقیقت میں وہی رزقِ حلال

روغنے کا ید چراغِ ماکشد　　تیل جو روشن دیئے کو گُل کرے
آب خوانش چوں چراغے راکشد　　ہے بجا گر تو اُسے پانی کہے

علم و حکمت زاید از لقمہ حلال　　علم و حکمت کا سبب رزقِ حلال
عشق و رِقت زاید از لقمہ حلال　　پاکیِ دل کا سبب رزقِ حلال

چوں ز لقمہ تو حسد بنی مدام　　[1] دے جنم جہل و حسد کو گر مدام
جہل و غفلت زاید آنراداں حرام　　جان لے تو ایسی روزی ہے حرام

بیچ گندم کاری و جو بر دہد　　کب بھلا گندم سے جو پیدا ہوا
دیدہٗ اَسپے کہ کُرہ خر دہد　　کب بھلا گھوڑی نے ہے خر کو جنا

لُقمہ تخم است و برش اندیشہا　　[2] بیج ہے رزق اور ثمر تیرا شعور
لُقمہ بحرو گوہرش اندیشہا　　بحر ہے رزق اور گُہر تیرا شعور

زاید از لُقمہ حلال اندر دہاں　　ہونگے پیدا رزقِ پاکیزہ سے ہی
میلِ خدمت عزمِ رفتن آں جہاں　　[3] فکرِ عقبیٰ اور میلِ بندگی

زاید از لقمہ حلال اے مہ حضور　　رزقِ پاکیزہ سے اے میرے حضور
در دلِ پاک تو و در دیدہ نور　　ہونگے تیرے دیدہ و دل نور نور

1 ایسی روزی جس سے زندگی میں بُرائیاں جنم لیں وہ رزقِ حرام ہے۔
2 رزقِ حلال سے پاکیزہ شعور کا پھل حاصل ہوتا ہے۔ رزقِ حلال اک بحر ہے جس کی تہہ میں پاکیزہ شعور کے موتی پڑے ہیں۔
3 آخرت کی فکر اور عبادت کا رجحان اس وقت پیدا ہوتا ہے جب زندگی رزقِ حلال سے پرورش پائے۔

نعتِ تعظیم مُصطفےٰؐ کہ در انجیل بود

(حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کا بیان جو انجیل میں درج تھا)

بود در انجیل نامِ مصطفیٰ　　نام تھا انجیل میں اُس شاہ کا
آں سرِ پیغمبراں بحرِ صفا　　جو ہیں شاہِ مرسلیں بحرِ صفا

بُود ذکرِ حلیہ ہا و شکلِ اُو　　تھا مفصل ذکر ذاتِ پاک کا
بُود ذکرِ غزو و صوم وَ اکلِ اُو　　اور جہاد و روزہ و خوراک کا

طائفہ نصرانیاں بہرِ ثواب　　چند نصرانی بطورِ احترام
چوں رسیدندے بداں نام و خطاب　　والہانہ دیکھ کر وہ پاک نام

بوسہ دادندے بداں نامِ شریف　　چومتے چہرے سے مَلتے بار بار
رُو نہادندے بداں وصفِ لطیف　　اُس مصفّا نام کو بے اختیار

اندریں فتنہ کہ گفتم آں گروہ　　گو گھرے تھے پُر خطر حالات سے
ایمن از فتنہ بُدند و از شکوہ　　پَر رہے محفوظ سب خطرات سے

ایمن از شرِّ امیراں و وزیر　　حاکموں کے ظلم سے پائی اماں
[1] در پناہِ نامِ احمدؐ مُستجیر　　نامِ احمدؐ کو بنا کر سائباں

نسلِ ایشاں نیز ہم بسیار شد [2]　　نسل پھیلی اور ہوئے وہ سرفراز
نُورِ احمدؐ ناصر آمد یار شد　　نورِ احمدؐ تھا رفیق و کارساز

[1] در پناہِ نام احمدؐ میں یہ نکتہ مرکوز ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی جو انجیل میں آیا ہے وہ سریانی زبان کا لفظ ہے اور اس کا صحیح ترجمہ احمدؐ ہوتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی اُمت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت اسی نام مبارک سے دی۔

[2] جب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کے ساتھ نسبی عقیدت اور تعظیم بجالانے کی یہ برکت ہے کہ وہ گروہ مفسدوں کے فتنہ اور مکاروں کے مکر سے محفوظ رہا تو خود نام والے کی صحبت سے فیض یاب ہونے اور ان کے حضور تعظیم و احترام کرنے والوں کو کیا کیا نعمتیں حاصل نہ ہوئی ہوں گی۔

واں گروہِ دیگر از نصرانیاں اک گروہ نصرانیوں کا تھا وہاں
نامِ احمدؐ داشتندے مُستہاں نامِ احمدؐ کا نہ تھا جو قدرداں

مستہان و خوار گشتندآں فریق بارِ ذلت سے ہوا معدوم وہ
گشتہ محروم از خود و شرطِ طریق دین و دنیا سے ہوا محروم وہ

ہم مخبط دین شان و حکم شاں کج بیانی سے سبھی کچھ لٹ گیا
ازپے طومار ہائے کژ بیاں مذہب و قانون کا دم گھٹ گیا

نامِ احمدؐ چوں چنیں یاری کند نامِ احمدؐ ہے جب اتنا چارہ ساز
تا کہ نورش چوں مدد کاری کند نورِ احمدؐ ہوگا کتنا چارہ ساز

نامِ احمدؐ چوں حصارے شد حصیں نام ہے احمدؐ کا جب سنگیں حصار
تاچہ باشد ذاتِ آں روح الامیں ہوگا روحِ پاک کتنا پاسدار

قصہِ فریاد رسیدن رسول ؐاللہ کاروانِ عرب را

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عرب کارواں کی فریادرسی کا قصہ)

اندر آں وادی گروہے از عرب　　کچھ عرب تھے ایک وادی میں مکیں
خشک شد از قحطِ باراں شاں قرب　　قحط سے سب اُن کی مشکیں خشک تھیں

درمیانِ آں بیاباں ماندہٗ　　اس بیاباں میں پڑاؤ ڈال کر
کاروانے مرگ بر خود خواندہٗ　　تھے وہ اپنی موت کے خوش نامہ بر

ناگہانے آں مغیثِ ہر دو کون　　دو جہاں کے حامی و حاجت روا
مصطفیٰؐ پیدا شد از رہ بہرِ عون　　ناگہاں پہنچے مدد کو مصطفیٰؐ

دید آں جا کاروانے بس بزرگ　　آپؐ نے دیکھا بڑا سا کارواں
بر کفِ ریگ و رہِ صعب و سترگ　　تپتی ریت اور سخت رستہ پہ وہاں

اشتراں شاں را ز باں آویختہ　　اونٹ سارے پیاس سے بے حال تھے
خلق اندر ریگ ہر سو ریختہ　　قافلے والے بھی خستہ حال تھے

رحمش آمد گفت ہیں زو تر روید　　رحم آیا اور کہا جلدی کرو
چند یارے سوئے آں کثباں دوید　　دور اُن ٹیلوں کی جانب بھاگ لو

کہ سیا ہے بر شتر مشک آورد　　آرہا ہے مشک لے کر اک غلام
سوئے میرے خود بزودی می بَرد　　اپنے آقا کے لیے وہ تیز گام

آں شتر بانِ سیہ را با شتر　　اُس شتربان اور شتر کو جا کے لاؤ
سوئے من آرید بافرمانِ مُر　　میرا فرماں ہے اُسے جا کر بتاؤ

سوئے کثباں آمدند آں طالباں   پہنچے جب ٹیلوں پہ وہ تشنہ وہاں
بعد یک ساعت بدیدند آں چناں   لمحہ بھر میں تھا وہی منظر

بندۂ می شد سیہ با اشترے   ایک حبشی جارہا تھا اونٹ پہ
راویہ پُر آب چوں ہدیہ بُرے   مشک میں پانی لئے جوں تحفہ بر

پس بدو گفتند می خواند ترا   اس سے بولے تجھ کو بلواتے ہیں آ
ایں طرف فخر البشر خیر الوریٰ   اُس طرف فخر البشر خیر البشر الوریٰ

گفت من نشناسم اُورا کیست اُو   "کون ہے کیا جانئے" اُس نے کہا
گفت اُو آں ماہ روئے تند خُو   بولے " وہ ہیں ماہ رُو شیریں ادا"

سید و سرور محمدؐ نورِ جاں   سیدو سرور محمدؐ نورِ جاں
مہتر و بہتر شفیعِ مجرماں   اعلیٰ و بالا شفیعِ مجرماں

نوعہا تعریف کردش کہ ہست   اور بیاں کیں ان کی ساری خوبیاں
گفت ما نا اُو مگر آں ساحرست   "بس وہی ساحر ہے" بولا شتر باں

کہ گرو ہے را زبوں کرد آں بسحر   اک گروہ ہے جس کے جادو کا غلام
من نیایم جانبِ اُو نیم شبر   میں نہ لوں گا اس کی جانب ایک گام

کشکشانش آوریدند آں طرف   اس کو تاہم کھینچ ہی لائے اُدھر
اُو فغاں برداشت در تشنیع و تُف   گرچہ کرتا ہی رہا و شور و شر

چوں کشیدندش بہ پیش آں عزیز   جیسے ہی پہنچا و ان کے رُوبرو
گفت نوشید آب و بردارید نیز   آپ بولے "پانی پی کر لے بھی لو"

جملہ را زاں مشک اُو سیراب کرد   مشک سے ہر ایک کو پانی دیا
اشتران و ہر کسے زاں آب خورد   شتر و انساں سب نے جی بھر کر پیا

راویہ پُر کرود مشک از مشکِ اُو   مَشک سے مشکیں پکھالیں سب بھریں
ابرِ گردوں خیرہ شدز رشکِ اُو   ۱ بدلیاں بھی رشک سے حیراں ہوئیں

ایں کے دیدست کز یک راویہ   ایک مَشکیزے سے دیکھا ہ کبھی
سرد گردد سوزِ چندیں بادیہ   اتنے پیاسوں کی بجھی ہو تشنگی

ایں کے دیدست کز یک مشکِ آب   ۲ ایک مشکیزے سے دیکھا ہے کہیں
گشت چندیں مشک پُر بے اضطراب   بے تردّو اتنی مَشکیں ہوں بھریں

مشکِ خود روپوش بود و موجِ فضل   مشک پوشیدہ تھی اور موجِ کرم
می رسید از مرِ اُو از بحرِ اصل   بحرِ حق سے آ رہی تھی دمبدم

آب از جوشش ہمیگردد ہوا   گرمیِ حق سے کبھی پانی ہوا
واں ہوا گردد ز سردی آبہا   اور ٹھنڈک سے کبھی پانی ہوا

بلکہ بے اسباب و بیروں زیں حِکَم   بلکہ اِن اسباب و حکمت کے سوا
آب رویانید تکویں از عدم   فیضِ حق سے آب پیدا ہوگیا

تو ز طفلی چوں سبہادیدۂ   ۳ تھی سدا اسباب پہ تیری نظر
در سبب از جہل بر چفیدۂ   کھو گئے اسباب میں اے بے ہنر

با سبہا از مُسبّب غافلی   اُس مُسبّب سے بھی تم غافل ہوئے
سوئے ایں روپو شہا زاں مائلی   ایسے اِن اسباب پہ مائل ہوئے

چوں سبہا رفت بر سری زنی   جب مٹے اسباب تو نالاں ہوئے
ربّنا و ربّنا ہا می کنی   میرے رب اے میرے رب کہنے لگے

۱ آنحضورؐ کی برکت سے پانی اتنا بڑھ گیا کہ ابر کو مشکیزہ پر رشک آنے لگا۔ ۲ دراصل یہ پانی مشک کا نہ تھا۔ مشک تو ایک آڑ اور پردہ تھی پانی تو چشمۂ غیب سے آ رہا تھا۔ یہاں سے مولانا اگلے چند اشعار میں انسان کے ظاہری اسباب پر تکیہ کرنے اور پھر ناکامی کے باعث مسبب الاسباب حقیقی کی طرف لوٹنے کا ذکر کرتے ہیں۔ ۳ چونکہ انسان کی نظر بچپن سے ہی اشیاء کے وجود میں آنے کو کسی سبب سے متعلق کرتی ہے اس لیے اس وقت بھی اس کی نظر مشک پر تھی اور وہ حیران تھا کہ مشک سے اس قدر پانی کیسے آنے لگا۔ وہ مسبب الاسباب کی قدرت کو بھول گیا۔

ربّ می گوید برو سوئے سبب   ڈھونڈ اُن اسباب کو ربّ نے کہا
چوں زِنعم یاد کردی اے عجب   میری قدرت یاد آئی کیوں بھلا

گفت زیں پس من ترا بینم ہمہ   [1] بولا اب ہوگا ترا ہی آسرا
ننگرم سوئے سبب واں خدعتہ   دھوکا کھاؤنگا نہ اب اسباب کا

گویدش رُدُّو العَادُوا کارِتست   ربّ نے فرمایا کہ اے توبہ شکن
اے تو اندر توبہ و میثاق سُست   توڑنا توبہ کا ہے تیرا چلن

لیک من آں ننگرم رحمت کنم   [2] پھر بھی تجھ پر رحم کرتا ہوں سدا
رحم پُرست بر رحمت تنم   میری رحمت کی نہیں انتہا

ننگرم عہدِ بدت بدہم عطا   بھول کر تیری خطا کی ہے عطا
از کرم ایں دم چومیخوانی مرا   جب بھی کی تو نے کرم کی التجا

از من آید جملہ احسان و وفا   مجھ سے تو پاتا ہے احسان و وفا
از تو بدعہدی و تقصیر و خطا   تجھ سے ملتے ہیں مگر جرم و خطا

حاصل آنکہ در سبب پیچیدۂ   [3] الغرض اسباب میں تو کھو گیا
لیک معذوری ہمیں را دیدۂ   تو نہیں لیکن حقیقت آشنا

قافلہ حیراں شدند از کار او   [4] دیکھ کر حیراں تھے اہلِ قافلہ
یا محمدؐ چیست ایں اے بحر خو   اے محمدؐ اے سخی یہ سب ہے کیا

کردۂ رو پوش مشکِ خُرد را   ایک مشیزے سے ایسا معجزہ
غرقہ کردی ہم عرب ہم کرد را   ہو گئے کرد و عرب خوش مرحبا

[1] بندہ تائب ہوکر عہد کرتا ہے کہ اے رب اب میں دنیاوی اسباب کے فریب میں نہیں آؤں گا اور ہمیشہ تجھ پر بھروسہ کروں گا۔
[2] حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگرچہ توبہ کرکے توبہ شکنی تیری عادت ہے تاہم میں تیری اس عادت سے قطع نظر کرم کرتا ہوں۔
[3] مختصر یہ کہ انسان نے چونکہ مسبب الاسباب کو نہیں دیکھا اس لیے وہ اسباب سے ہی وابستہ رہتا ہے۔ یہ اس کی اس معذوری اور کمزوری کے باعث ہے۔ [4] اب مولانا پھر اصل قصہ کی طرف لوٹتے ہیں۔

اے غلام اکنوں تو پُر ہیں مشکِ خود   [1] دیکھ لے پُر ہے یہ مشکیزہ ترا
تانگوئی در شکایت نیک و بد   شاہ بولے پھر نہ کرنا تم گِلا

آں سیاہ حیران شد از بُرہانِ اُو   دیکھ کر یہ معجزہ حراں ہوا
می دمید از لامکاں ایمانِ اُو   [2] غیب سے ایماں نمو پانے لگا

چشمۂ دید ازہوا ریزاں شدہ   عرش سے دیکھا کہ ہے چشمہ رواں
مشکِ اُو رُو پوشِ فیضِ آں شدہ   جس سے اُس کی مشک تھی آسودہ جاں

زاں نظر روپوشہا ہم بر درید   اک نظر میں کھل گئے سرِّ نہاں
تاُمعینِ چشمۂ غیبی بدید   ہو گیا سر چشمۂ رحمت عیاں

چشمہا پُر آب کرد آں دم غلام   [3] یک بیک آنکھوں میں آنسو آگئے
شد فراموشش ز خواجہ و ز مقام   نقش مالک کے سبھی دھندلا گئے

دست و پایش ماند از رفتن براہ   [4] راستہ چلنے کی طاقت کھو گئی
زلزلہ افگند درجانش اِلٰہ   حق نے بخشی اک نئی وارفتگی

باز بہر مصلحت بازش کشید   [5] بولے بہر مصلحت شاہِ ہدا
کہ بخویش آ باز رو اے مستفید   ہوش میں آ طالبِ حق لوٹ جا

وقتِ حیرت نیست حیرت پیشِ تُست   حیرتیں ہیں اور بھی حیراں نہ ہو
ایں زماں در رہ در آ چالاک و جست   ہوشمندی سے رہِ حق طے کرو

دستہائے مصطفیٰؐ بر رُو نہاد   مصطفیٰؐ کے ہاتھ چہرے پر رکھے
بوسہائے عاشقانہ بس بداد   عاشقانہ اَنگنت بوسے دیئے

[1] سب کو سیراب کرنے کے بعد آنحضورؐ نے غلام سے فرمایا دیکھ لے تیری مشک اُسی طرح بھری ہوئی ہے۔ بعد میں کوئی گلہ نہ کرنا۔
[2] یہ معجزہ دیکھ کر غلام حیران ہوا اور اس کے دل میں قدرتِ خدا سے ایمانی کیفیت پیدا ہونے لگی۔ [3] غلام آبدیدہ ہوگیا اور اس کے ذہن سے آقا کا خیال اور خوف محو ہوگیا۔ [4] اس معجزہ کو دیکھ کر چونکہ مقامِ تحیر میں پہنچ گیا تھا اس لئے قدم اٹھانے سے قاصر ہوگیا۔
[5] آنحضورؐ اسے مقامِ تحیر سے مقامِ صحو میں واپس لائے۔

مصطفیؐ دستِ مبارک بُرزَخش　　مصطفیؐ نے ہاتھ چہرے پَر مَلے
آں زماں مالیدو کرد اُو فرخش　　برکتوں کے بے بہا گوہر دیئے

شد سفید آں زنگی و پورِ حبش　　وہ سیہ رو ہو گیا رشکِ قمر
ہمچوبدر و روز روشن شد شبش　　اک شبِ تیرہ ہوئی روشن سحر

یوسفے شد در جمال و درو لال　　مثلِ یوسف تھا جمیل و خوش ادا
گفتش اکنو روبدہ وا گوئے حال　　بولے پیغمبرؐ کہ جا سب کو بتا

اوہمی شد بے سروبے پائے و مست　　چل پڑا وہ مستیوں میں ڈوب کر
پائے می نشناخت در فتن زدست　　اپنے حال وقال سے بھی بے خبر

پس بیامد با دو مشکِ پُر رواں　　پہنچا وہ پانی بھری مشکیں لئے
سوئے خواجہ از نواحی کارواں　　قافلے میں اپنے آقا کے لیے

خواجہ بَر رہ منتظر بنشستہ بُود　　منتظر بیٹھا تھا آقا دیر سے
کاں غلامش دیر می آمد نہ زود　　وہ غلام آیا مگر تاخیر سے

خواجہ از دورش بدید و خیرہ ماند　　دیکھ کر آقا اُسے حیراں ہوا
از تحیّر اہلِ آں دِہ رابخواند　　گاؤں سے سب کو وہاں یکجا کیا

راویہ ما اشترِ ماہست ایں [1] اونٹ بھی میرا ہے اور یہ مشک بھی
پس کجا شد بندۂ زنگیں جبین　　پھر کہاں ہے وہ سیہ رُو آدمی

آں یکے بدریست می آیدز دور　　چاند ہے جو آرہا ہے دور سے
میزند بر نور روز از رُوش نور　　ہے منوّر دن بھی اُس کے نور سے

[1] دور سے غلام کو اونٹ پر سوار آتے دیکھ کر آقا حیران ہوا اس لیے کہ اونٹ تو وہی تھا جس پر آقا نے اُسے بھیجا تھا لیکن غلام کا رنگ چاند کی طرح سفید تھا۔ باقی اشعار میں آقا اور غلام کے درمیان مکالمہ ہے۔

گو غلامِ ما مگر سرگشتہ شد   کیا ہوا کیا کھو گیا میرا غلام
یا بدو گرگے رسید و کشتہ شد   یا کیا ہے گرگے نے اُس کو تمام

یا مگر اُورا بکشت ایں بدگہر   لے یا اُسے مارا ہے اِس کم ذات نے
اشترش آوردہ اینجا از قدر   اُونٹ قسمت سے ہے لے آیا جسے

چو بیامد پیش گفتش کیستی   سامنے پہنچا تو پوچھا کون ہو
از یمن زادی ویا تُر کیستی   تم ہو ترکی یا کہ یمنی سچ کہو

تو غلامم راچہ کردی راست گو   سچ بتا کیا میرے زنگی سے کیا
گر بکشتی وانما حیلت مجو   مار ڈالا ہے تو بے حیلہ سنا

گفت گر کشتم بتو چوں آمدم   بولا گر ہوتا میں قاتل پھر بھلا
چوں بپائے خود دریں خوں آمدم   خود نہ آتا معاملہ ہے خون کا

گفت نے نے درنگیر و بامنت   تیری باتیں ہیں غلط اُس نے کہا
راست باید گفت سردست ایں فنت   مکر بازی چھوڑ اور سچ سچ بتا

گو غلامِ من بگفت ایک منم   ہے کہاں حبشی؟ کہا میں ہی تو ہیں
کرد دستِ فضلِ یزداں روشنم   دستِ حق سے ہو گیا ہوں ماہ گوں

[2]دیدہ ام صدرے و بدرے گشتہ ام   دیکھ کر شہ کومیہ کامل ہوا
صاحبِ فضل و قدرے گشتہ ام   فضل و فوقیت کا بھی حاصل ہوا

ہی چہ میگوئی غلامِ من کجاست   کیا کہا بولو کہاں ہے وہ غلام
ہیں نخواہی رفت ازمن جز براست   ورنہ تیرا کام کردوں گا تمام

1 اس نے میرے غلام کو شاید مار ڈالا ہے لیکن تقدیرِ خداوندی سے اونٹ اُسے یہاں لے آیا ہے۔
2 یعنی آنحضورصلی اللہ علیہ وسلم

گفت اسرارِ ترا با آں غلام — [1] راز تیرے جانتا ہے سب غلام
جملہ وا گویم یکایک من تمام — چاہتے ہو فاش کر ڈالوں تمام

زاں زمانے کہ خریدی تو مرا — اُس گھڑی سے جب خریدا تھا مجھے
تا بکنوں باز گویم ماجرا — کروں افشا آج تک کے ماجرے

تا بدانی کہ ہما نم در وجود — تاکہ تو مانے وہی ہے یہ وجود
گرچہ از شبدیزِ من صبحے کشود — گر مری شب سے ہوئی صبح کی نمود

رنگ دیگر شد و لیکن جانِ پاک — [2] جاں وہی ہے ظاہری رنگت جدا
فارغ از رنگ ست و از ارکانِ خاک — پاک ہے رنگ و عناصر سے سدا

تن شناساں زود مارا گم کنند — [3] چھوڑ دیتے ہیں ہمیں تن آشنا
آب نوشاں ترکِ مشک و خم کنند — توڑتے ہیں جام و مے سے واسطہ

جاں شناساں از عدد ہا فارغند — [4] بے نیزِ جسم ہیں جاں آشنا
غرقۂ دریائے بیچونند و چند — غرق ہیں بحرِ وحدت میں سدا

جان شو از راہِ جان جاں را شناس — جان بن اور جاں سے جاں کو جان لے
یار بینش شو نہ فرزندِ قیاس — بدگمانی چھوڑ حق کو مان لے

[1] جب آقا بار بار کی یقین دہانی کے باوجود یہ باور کرنے پر آمادہ نہ ہوا کہ وہ شخص اُسی کا غلام ہے تو غلام نے کہا کہ اگر چاہو تو میں تمہارے وہ تمام راز فاش کروں جو اس دن سے میرے سینے میں ہیں جب سے تم نے مجھے بطور غلام خریدا تھا۔

[2] غلام نے کہا کہ میرے آقا کو میری رنگت بدل گئی ہے لیکن میری روح وہی ہے اس لیے کہ روح رنگ اور عناصر اربعہ سے بے نیاز ہوتی ہے۔

[3] آقا اور غلام کی ظاہر و باطن کے حوالے سے گفتگو کو موضوعِ سخن بنا کر اب مولانا اس نکتہ کی وضاحت فرماتے ہیں کہ جو ظاہر بین ہیں وہ اولیا کے باطنی حسن و جمال کو نہیں دیکھ سکتے۔ جسے پیاس ہو وہ جام کی بجائے جام میں جو پانی ہے اُسے دیکھے گا۔

[4] جاں شناس ہیں یعنی باطنی خوبیوں کو جاننے والے ہمیشہ بحرِ وحدت میں غرق رہتے ہیں وہ نگاہ کی ظاہری کثرت کا شکار نہیں ہوتے۔

دُعائے آدم

یَا غِیَاثَ الْمُسْتَغِیثِینَ اِهْدِنَا　　رہ دکھا اے غمزدوں کے چارہ ساز
لَا افْتِخَارَ بِالْعُلُومِ وَ الْغِنَا　　علم و دولت پہ نہیں فخر و ناز

لَا تُزِغْ قَلْبًا هَدَیْتَ بِالْکَرَمِ　　رحم کر دل کو بُرائی سے بچا
وَاصْرِفِ السُّوْءَ الَّذِی خَطَّ الْقَلَم　　جو بدی قسمت میں لکھی ہے مٹا

بگذراں از جانِ ماسوء القضا　　بگڑی قسمت کو بنا دے اے خدا
وامبر مارا ز اِخوانِ الصّفا　　اہلِ دل سے ہم نہ ہوں ہرگز جدا

تلخ تر از فرقتِ تو ہیچ نیست　　تلخ تر فرقت سے تیری کچھ نہیں
بے پناہت غیر ہیچا ہیچ نیست　　جز تری رحمت کے ہستی کچھ نہیں

رختِ ماہم رختِ مارا راہزن　　خود مرا ساماں[1] ہے میرا راہزن
جسمِ ما مر جانِ مارا جامہ کن　　اور میرا تن ہوا ہے جان شکن

دستِ ماچوں پائے مارا می خورد　　دشمنِ[2] جاں کاروبارِ زندگی
بے امانِ تو کسے چوں جاں بَرد　　گر سہارا ہے تو بس رحمت تری

وَر بَرد جاں زیں خطر ہائے عظیم　　گر بدی[3] سے بچ بھی جائے زندگی
بُردہ باشد مایہ ادبار و بیم　　رائیگاں ہے گر نہیں چاہت تری

زانکہ جاں چوں واصلِ جاناں نبود　　جاں ہے بے جاں وصلِ جاناں کے بغیر
تا ابد با خویش کورست و کبود　　ہے سیہ تر نورِ تاباں کے بغیر

[1] دنیاوی لذتیں ہمارے نیک اعمال کو ضائع کرنے کا سبب بنتی ہیں اور ہم خود ہی اپنی نیکیوں کو جو ہمیں عذاب سے بچا سکتی ہیں برباد کر رہے ہیں۔
[2] ہماری مصروفیات ہمیں زہد و تقویٰ اور راہِ سلوک سے دور رکھتی ہیں۔ ایسی صورت میں صرف تیری رحمت ہی ہماری رہنمائی کر سکتی ہے۔
[3] وہ جان جو محبتِ الٰہی سے خالی ہے اگر بچا بھی لو تو کچھ فائدہ نہیں۔

چوں تو ندہی راہ جاں خود بُردہ گیر ۱ — تو نہ ہو رہبر تو جینا بے ثمر
جاں کہ بے تو زندہ باشد مردہ گیر — ایسا جینا موت سے بھی ہے بتر

گر تو طعنہ می زنی بر بندگاں — ہے بجا ہم پہ تری طعنہ زنی
مر ترا آں می رسد اے کامراں — تجھ کو حق حاصل ہے اے ربِّ غنی

ور تو ماہ و مہر را گوئی جفا — ۲ گر کہے تو مہر و مہ بھی ہیں نہاں
ور تو قدِ سرو را گوئی دوتا — گر کہے تو سر و قد کو ہے کماں

ور تو چرخ و عرش را خوانی حقیر — گر کہے عرش و فلک بھی ہیں حقیر
ور تو کان و بحر را گوئی فقیر — گر کہے کان و سمندر ہیں فقیر

آں بہ نسبت باکمالِ تو رواست — بے گماں اِن سب پہ ہی قادر ہے تو
مُلکِ اکمال وفناہا مرتراست — بننے اور مٹنے پہ بھی قادر ہے تو

کہ تو پاکی از خطروز نیستی — ذات تیری بے نیازِ نیستی
نیستاں راموجد و مفنیستی — تو ہی پیدا بھی کرے ناپید بھی

آنکہ رویانید داند سوختن — جو اُگاتا ہے جلا سکتا بھی ہے
وانکہ بدریدست داند دوختن — پھاڑتا ہے جو ملا بھی سکتا ہے

می بسوزد ہر خزاں مر باغ را — وہ جلاتا ہے خزاں میں باغ کو
باز رویاند گلِ صبّاغ را — پھر کھلاتا ہے حسیں گلشو بشو

چشمِ نرگس کورشد بازش بساخت — چشمِ نرگس بند تھی پھر وا کیا
حلقِ نے ببرید و بازش خود نواخت — چھین کر نے سے نوا کی پھر عطا

۱ اگر حق تعالیٰ نجات کی راہ نہ دکھائے تو جان کا بچنا غیر واقعی اور فرضی ہے۔
۲ ان اشعار میں مولانا حق تعالیٰ کے قادرِ مطلق ہونے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں اُسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ سمندر اور کان جو زر و گہر سے بھرے ہیں ان کے بارے میں کہہ دے کہ وہ بالکل تہی دامن ہیں اس لیے کہ اگر وہ چاہے تو اپنی قدرت سے انہیں اس دولت سے محروم کر سکتا ہے۔

ماچوں مصنوعیم و صانع نیستیم   ہم تو ہیں مخلوق ہم خالق نہیں
جز زبون و جز کہ قانع نیستیم   بے بسی پر جُز قناعت کیا کریں

ماہمہ نفسی و نفسی می زنیم   [۱]نفسِ امارہ پہ ہیں قربان ہم
گر نخواہی ماہمہ آہرمنیم   تو نہ گر چاہے تو ہیں شیطان ہم

زاں ز آہر من رہید ستیم ما   [۲]پنجۂ شیطان سے پائی نجات
کہ خریدی جان، مارا از عَمی   تونے اندھے پن سے دلوائی نجات

تو عصا کش ہر کرا کہ زندگیست   آسرا ہے تو ہر اک جاندار کا
بے عصا و بے عصا کش کور چیست   ہیچ ہے اندھا نہ ہو گر آسرا

غیر تو ہر چہ خوش است و نا خوش است   [۳]جو ترے اچھا برا جو کچھ بھی ہے
آدمی سوزست و عینِ آتش است   آگ ہے ہم کو جلانے کے لیے

ہرکرا آتش پناہ و پشت شد   [۴]جس نے بھی ڈھونڈا سہارا آگ کا
ہم مجوسی گشت و ہم زروشت شد   وہ بنا زَر دُشت اور کافر ہوا

کل شی ماخلا اللہ باطل   جو بھی ہے حق کے سوا باطل ہے سب
ان فضل اللہ غیم ھاطل   بے گماں ابر کرم ہے لطفِ رَب

۱ ہم نفسانی خواہشات کے لیے سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہیں۔ اگر خدا کا کرم اور اس کی ہدایت شامل حال نہ ہو تو ہم مجسم شیطان بن جائیں۔

۲ اے خدا! تو نے ہی ہمیں راہ دکھائی اور شیطان کے پنجے سے چھٹکارا دلایا۔

۳ اللہ تعالیٰ کا کرم رہنمائی نہ کرے تو دنیا کی بری چیزیں تو کیا اچھی چیزیں بھی ہمارے لیے نقصان کا باعث بن سکتی ہیں۔

۴ جس کسی نے زندگی میں آگ کا سہارا لیا یعنی برائیوں کو اپنایا اور ابلیس جو آگ ہے اس کی پیروی کی وہ زردشت (آتش پرستوں کے رہنما) کی طرح کافر ہوا۔

مناجات

اے خدائے پاک بے انباز و یار   اے خدا اے لا شریک و بے نیاز
دست گیرو جرمِ مارا درگذار   دے سہارا بخش دے بندہ نواز

یاد وہ مارا سخن ہائے رقیق   کر عطا مجھ کو وہ حرفِ عاجزی
کہ ترا رحم آورد آں اے رفیق   جس سے آئے جوش میں رحمت تری

ہم دعا از تو اجابت ہم ز تو   تو ہی توفیقِ دُعا دے اور جزا
ایمنی از تو مہابت ہم ز تو   تو ہی بخشے ہے سکوں بیم و رجا

گر خطا گفتیم اصلاحش تو کن   ہے مری گفتار میں خامی اگر
مصلحی تو اے تو سلطانِ سُخن   تو ہے سلطانِ سخن اصلاح کر

کیمیا داری کہ تبدیلش کنی   تیری قدرت میں ہے اے ربِّ جلیل
گرچہ جُوئے خوں بود نیلش کنی   تو جو چاہے جوئے خوں ہو رودِ نیل

ایں چنیں مینا گریہا کارِ تست   ہیں کرشمے تیرے حسنِ کار کے
ایں چنیں اکسیر ہا اسرارِ تست   ہیں تری قدرت کے سارے معجزے

آب را و خاک را برہم زدی   تو نے آب و خاک کو یکجا کیا
زآب و گلِ نقشِ تنِ آدمؑ زدی   اور اس سے ہی تنِ آدم بنا

نسبتش دادی بجفت و خال و عم   پھر اُسے رشتوں کی نسبت کی عطا
باہزار اندیشۂ شادی و غم   اور کیا رنج و خوشی میں مبتلا

باز بعضے وہائی دادۂ   [1] پھر کسی کو اے خدائے پُر صفات
زیں غم و شادی جدائی دادۂ   اِس غم و شادی سے دی تو نے نجات

بُردۂ از خویش و پیوند و سرشت   ہر کسی سے اُس کو بیگانہ کیا
کردۂ در چشم اُو ہر خوب زشت   حسنِ دنیا سے بھی بے پروا کیا

ہر چہ محسوس ست اُورَو می کند   [2] ظاہری ہر چیز کو رو کردیا
وانچہ نا پیدا ست مسند می کند   جو ہے پوشیدہ اُسے اپنا لیا

عشقِ اُو پیدا ومعشوقش نہاں   عشق بے پردہ ہے پردے میں ہے یار
یار رو بیروں فتنۂ اُو درجہاں   سب جہاں ہے اُس کی چاہت کا شکار

ہیں رہا کن عشقہائے صورتی   [3] ظاہری صورت کی چاہت چھوڑ دے
نیست برصورت نہ بر روئے ستی   ایسی چاہت سے ملے گا کیا تجھے

آنچہ برصورت تو عاشق گشتۂ   [4] جس کی صورت کا ہے تو عاشق بھلا
چوں بروں شد جاں چرایش ہشتۂ   کیوں اُسے چھوڑا ہوا جب وہ فنا

صورتش برجاست ایں سیری ز چیست   اس کی صورت سے وہ چاہت کیا ہوئی
عاشقا واجُو کہ معشوقِ تو کیست   ڈھونڈ ہے محبوب تیرا اور ہی

آنچہ محسوس ست گر معشوقہ است   ظاہری صورت ہی گر محبوب ہو
عاشقستے ہر کہ اُورا حس ہست   عشق ہر ذی حس کا اسلوب ہو

چوں وفا آں عشق افزوں می کند   عشق ہے جذبِ وفا سے پائیدار
کے وفا صورت دگرگوں می کند   حسن و صورت سے نہیں یہ استوار

[1] ان انسانوں میں سے بعض کو دنیا سے بے نیاز بنا کر اپنا بنا لیا۔
[2] دنیا میں نظر آنے والی ہر چیز سے بیگانہ ہو کر وہ صرف ناپید یعنی نظر نہ آنے والے اللہ کا ہو گیا۔
[3] اس سے پہلے اشعار میں عشقِ حقیقی کا بیان تھا اب مولانا عشقِ مجازی سے پرہیز کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔
[4] اگر صورت ہی معشوق ہے تو پھر مرجانے کے بعد اس سے عشق کیوں نہیں رہتا۔ یہ صورت کے معشوق نہ ہونے کی پہلی دلیل ہے۔

پرتوِ خورشید بر دیوار تافت　　پرتوِ خورشید سے دیوار بھی
تابشِ عاریتے دیوار یافت　　چند لمحوں کے لیے روشن ہوئی

بر کلوخے دل چہ بندی اے سلیم　　دل لگانا خاک سے ہے رائیگاں
واطلب اصلی کہ او تابد مقیم　　اُس کو چاہو جو سدا ضوفشاں

رو نُعَمِّرہ نُنَکِّسہُ بخواں [1]　　ہاں نُعَمِّرہ نُنَکِّسہُ پڑھو
دل طلب کن دل مَنِہ بر استخواں　　بھول کر صورت طلب دل کی کرو

کاں جمالِ دل جمالِ باقی ست　　[2] حسن ہے دل کا مقیم و پائیدار
دولبش از آبِ حیواں ساقی　　حسنِ دل میں آبِ حیواں کا خمار

خود ہم او آب ست و ہم ساقی و مست　　مے بھی وہ ساقی بھی وہ میخوار بھی
ہر سہ یک شد چوں طلسمِ تو شکست　　[3] تم مٹے تو ہوگئے یکجاں سبھی

آں یکے را تو ندانی از قیاس　　[4] عقل سے اس کا تصور ہے محال
بندگی کن ژاژ کم خا ناشناس　　بندگی کر چھوڑ دے ناقص خیال

آں بود معنی کہ بستاند ترا　　عشقِ حق دے خود پرستی سے نجات
بے نیاز از نقش گرداند ترا　　ظاہری صورت پرستی سے نجات

[1] قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ:　　ومن نعمره ننكسه فی الخلق
یعنی ہم جس کو بڑی عمر دیتے ہیں بناوٹ میں الٹا گھٹاتے ہیں اس کی ظاہری صورت کی جاذبیت کم ہوتی جاتی ہے۔
[2] دل یعنی حق تعالیٰ کا حُسن لافانی ہے۔
[3] جب انسان کی خودی مٹ جاتی ہے تو پھر اُسے تمام ممکنات میں وجودِ واحد ہی نظر آتا ہے۔
[4] ذات باری تعالیٰ کا عقل سے تصور ناممکن ہے اس لیے کہ عقل کی پرواز محدود ہے لہٰذا یہی بہتر ہے کہ انسان حق تعالیٰ کی بندگی پر توجہ دے۔

جہانِ عمل

صد ہزارا دام و دانہ ست اے خدا　　سینکڑوں ہیں دام و دانہ اے خدا
ماچو مرغانِ حریص و بے نوا　　اور ہم بھوکے پرندو ں کی طرح

دمبدم پابستۂ دامِ نوایم　　ہر گھڑی اک دامِ نو کے ہیں شکار
ہر یکے گر باز وسیمرغے شویم　　چاہے ہوں شہباز جیسے ہوشیار

می رہانی ہردمے مارا و باز　　تو رہا کرتا ہے ہم کو دمبدم
سوئے دامے می رویم اے بے نیاز　　پھر سے دامِ نو میں آجاتے ہیں ہم

مادریں انبان گندم می کنیم　　[1] بوریاں بھرتے ہیں خود گندم سے ہم
گندمِ جمع آمدہ گم می کنیم　　خود ہی کھو دیتے ہیں بے دام و درم

می بیندیشم آخر ما بہ ہوش　　[2] سوچتے ہیں اور کرتے ہیں گماں
کایں خلل درگندمست از مکرِموش　　موش کے ہاتھوں ہوا ہے یہ زیاں

اوّل اے جاں دفعِ شرِّ موش کن　　موش کو پہلے ہٹاؤ اے عزیز
وانگہ اندر جمعِ گندم جوش کن　　پھر کہیں خرمن لگاؤ اے عزیز

بشنواز اخبارِ آں صدرُ الصُّدور　　[3] سن کہ یہ قولِ شاہِ شش جہات
لا صَلواۃَ (تُم) اِلّا بِالحُضور　　ناکمل بے حضوری کی صلواۃ

[1] ہم اعمال صالحہ کماتے ہیں اور پھر خود ہی انہیں گنوا دیتے ہیں۔
[2] موش یعنی شیطان کے ہاتھوں ہمارا ذخیرۂ تقویٰ ناقص ہوگیا جس طرح چوہا تھیلے کو کاٹ کر غلے کو نقصان پہنچاتا ہے۔
[3] حدیث شریف ہے کہ لا صلواۃ الا بحضورِ قلب　　یعنی حضوری دل کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

گر نہ موشے دُزدو در انبانِ ماست   [1] گر نہیں ہے چور کوئی موش بھی
گندمِ اعمالِ چِل سالہ کجاست   کیا ہوئی گندم ترے اعمال کی

ریزہ ریزہ صدقِ ہر روزہ چرا   [2] تھوڑا تھوڑا صدق ہر دن کا کہو
جمع می ناید دریں انبارِ ما   کیوں نہیں کرتا فزوں انبار کو

بس ستارہ آتش از آہن جہید   جتنی لوہے سے اُٹھیں چنگاریاں [3]
ویں دلِ شوریدہ پذرفت و کشید   ہو گئیں قلبِ پریشاں میں نہاں

لیک در ظلمت یکے دزدِ نہاں   پَر اندھیرے میں چھپے اک چور نے
می نہد انگشت بر استارگاں   گُل کیا چنگاریوں کو ہاتھ سے [4]

چوں عنایاتت شود با ما مُقیم   جب تری رحمت سہارا دے ہمیں
کے بُود بیمے ازاں و زدِ لئیم   خوف ہو اُس چور کا کیسے ہمیں

گر ہزاراں دام باشد ہر قدم   ہوں ہزاروں دام بھی ہر گام پہ
چوں تو با مائی نباشد ہیچ غم   ساتھ ہے تیرا تو کیا خوف خطر

[1] اگر کوئی چوہا غلہ کے تھیلے نہیں کاٹ رہا تو پھر تمہاری گندم کہاں گئی تمہارے اعمال کے انبار میں کوئی چوہا یقیناً گھس کر شیطانی غارت گری کر رہا ہے۔

[2] حدیث شریف ہے کہ ان الشیطان یجری من الانسان مجری الدم (بے شک شیطان انسان کی رگ رگ میں خون کی طرح پھرتا ہے۔

[3] زہد و عبادت سے تیرے اندر جو چنگاریاں پیدا ہوئیں دل نے انہیں جذب کر لیا۔

[4] شیطان نے ان چنگاریوں کو بجھا دیا تاکہ روح میں عشقِ الٰہی کا سوز پیدا نہ ہو۔

نفس

مادرِ بتہا بتِ نفسِ شماست ۱؎ نفس تیرا سب بتوں کی ابتدا
زانکہ آں بُت ماروایں بت اژدھا ست سانپ ہیں وہ اور یہ ہے اژدھا

آہن و سنگ ست نفس و بت شرار ۲؎ نفس تیرا سنگ و آہن، بُت شرر
آں شرار از آب می گیرد قرار یہ شرر پانی سے بجھتا ہے مگر

سنگ و آہن زاب کے ساکن شود سنگ و آہن پر ہے پانی بے اثر
آدمی با ایں دو کے ایمن شود یہ ہیں جب تک زنگی ہے پُر خطر

زاب چوں نارِ بروں کشتہ شود ظاہری آتش پہ پانی کارگر
دردرونِ سنگ و آہن کے رَوَد باطنی آتش پہ ہے یہ بے اثر

سنگ و آہن چشمۂ نارند و دود سنگ و آہن میں دھواں ہے آگ بھی
قطرہ ہا شاں کفر و ترسا وجہود ان کے اندر کفر و شرک و گمرہی

بت سیاہ آب ست در کوزہ نہاں سیاہ پانی ہے کوزہ میں نہاں
نفس مر آب سیاہ را چشمہ داں اس کا منبع نفس تیرا بے گماں

صد سبو را بشکند یک پارہ سنگ ۳؎ خُم کے خُم کرتا ہے اک پتھر تباہ
واب چشمہ میزہاند بے درنگ روک سکتا ہے وہ کب چشمہ کی راہ

۱؎ اصل بت انسان کا نفس ہے جو کئی بتوں کو جنم دیتا ہے۔
۲؎ لوہے سے لوہا اور پتھر سے پتھر ٹکراتا ہے تو چنگاری پیدا ہوتی ہے اس چنگاری کو بجھانا ممکن ہے لیکن چنگاری پیدا کرنے کا جو مادہ پتھر کے اندر ہے اس کو ختم کرنا ضروری ہے۔اس سے بےخبر نہیں رہنا چاہیے۔
۳؎ گندے پانی کے گھڑے پتھر سے توڑے جاسکتے ہیں لیکن چشمہ بند نہیں ہوسکتا لہٰذا باطنی برائیوں کو ختم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے دل کو پاک وصاف رکھیں تاکہ باطنی اور ظاہری برائیاں پیدا نہ ہوں۔

آب خُم و کوزہ گر فانی شود کوزہ و خُم خشک ہو جائیں تو کیا
آب چشمہ تازہ وہ باقی بُود آب چشمہ تازہ و باقی سدا

بت شکستن سہل باشد نیک سہل [1] توڑنا بت کا تو ہے آساں وَلے
سہل دیدن نفس را جہل ست جہل سخت مشکل نفس کے ہیں معاملے

صورت نفس اربجوئی اے پسر اے عزیزم نفسِ امارا ترا
قصۂ دوزخ بخواں باہفت ور ہے جہنم کے عذابوں کی بِنا

ہر نَفَس مکرے ودر ہر مکرزاں تیرے اک اک سانس میں سو مکر ہیں
غرق صد فرعون بافرعونیاں اور کئی فرعون ہیں ہر مکر میں

در خدائے موسیٰ و موسیٰ گریز ڈھونڈ موسیٰ اور خدا کا آسرا
آب موسیٰ را ز فرعونی مَریز کبرو فرعونی سے ایمان کو بچا

دست را اندر احد احمدؐ بزن کو اُحُد سے اور احمدؐ سے لگا
اے برادر وارہ از بوجہلِ تن تن کے مکرو جہل سے دامن بچا

[1] ہاتھ سے تراشے ہوئے بت کو توڑنا آسان ہے لیکن نفس کے بت کو توڑنا بہت مشکل کام ہے اس کے لیے ریاضت اور زہد و تقویٰ کی ضرورت ہے۔

"رَجَعنَا مِنَ الجِهَادِ الاَصغَرِ اِلَی الجِهَادِ الاَکبَرِ"

(ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹتے ہیں)

کی تفسیر

اے شہاں کشتیم ما خصمِ بروں   ۱ ظاہری دشمن کو مارا ہے مگر
ماند خصمے زاں بتر دراندروں   باطنی دشمن تو ہے اُس سے بُجز

کشتنِ ایں کارِ عقل و ہوش نیست   ۲ کیا کریں گے عقل و ہوش اس کو تمام
شیرِ باطن سخرۂ خرگوش نیست   شیر کب خرگوش سے ہوتا ہے رام

دوزخ است ایں نفس و دوزخ اژدہاست   نفس دوزخ اور دوزخ اژدہا
کو بدریا ہا نگردد کم وکاست   ہو نہ دریاؤں کے پانی سے فنا

سنگہا و کافرانِ سنگدل   ۳ سنگ بھی اور سنگدل کفار بھی
اندر آیند اندر و خوار و خجل   اِس میں جائیں گے بصد شرمندگی

ہم نگردد ساکن از چندیں غذا   پھر بھی ناکافی رہے گی یہ غذا
تا زِ حق آید مر اورا ایں ندا   حق سے آئے گی جہنم کو ندا

"سیر گشتی سیر" گوید "نے ہنوز"   ۴ "بھر گیا ہے پیٹ" بولے گی "نہیں"
"اینت آتش اینت تابش اینت سوز"   "آگ ہے باقی تپش بھی ہے یہیں"

۱ ظاہری دشمن سے مراد کفار جب کہ باطنی دشمن کا مطلب نفس امارہ ہے۔ اور ظاہری دشمن کے خلاف جد وجہد جہاد اصغر ہے اور نفس امارہ کے خلاف جہاد اکبر۔

۲ باطنی دشمن کو عقل و ہوش سے زیادہ زہد و تقویٰ سے زیر کیا جا سکتا ہے۔

۳ قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے کہ اتقو وقودہا الناس والحجارۃ یعنی دوزخ کی خوراک پتھر اور انسان ہوں گے۔

۴ قرآن پاک میں ہے اللہ تعالیٰ جہنم سے دریافت فرمائیں گے "ھل امتلئت" کیا تیرا پیٹ بھر گیا وہ کہے گی "ھل من مزید" کیا کچھ اور ہے۔

عالمے را لقمہ کرد و درکشید کھا چکی ہے وہ جہاں بھر کو و لے
معدہ اش نعرہ زناں "ھَل مِن مَّزِید" نعرہ زن ہے "کیا بھی کچھ اور ہے"

حق قدم بروے نہد از لامکاں [1] حق قدم رکھے گا اُس پر عرش سے
آنگہ او ساکن شود از کُن فکاں سرد ہوگی "کن فکاں" کے حکم سے

چونکہ جزوِ دوزخ است ایں نفسِ ما [2] مجروِ دوزخ ہے ہمار نفس بھی
طبعِ کل دارد ہمیشہ جزو ہا مثلِ کُل ہوتی ہے خصلت مجرو کی

ایں قدم حق را بُود کورا کشد لطفِ حق سے ہی بجھے گی اُس کی پیاس
غیرِ حق کو کہ کمانِ اوکشد غیرِ حق اُس کی کماں سے ناشناس

درکماں منہد اِلّا تیر راست تیر رکھتے ہیں کماں میں بے خُم
ایں کماں راباژ گو کژتیر ہاست اِس کماں کے تیر ہیں پُر پیچ و خم

راست شو چوں تیر وارہ از کماں ہو کے بے خُم تو کماں سے چھوٹ جا
کز کماں ہرراست بجہد بے گماں تیرِ بے خُم ہوگا منزل آشنا

چونکہ واگشتم ز پیکارِ بروں کرچکا ہوں ختم جنگِ ظاہری
روئے آوردم بہ پیکارِ دروں اب مجھے کرنی ہے جنگِ باطنی

قد رَجَعنَا مِن جہادِ الاصغریم ختم کر آیا ہوں میں اصغر جہاد
بانبی اندر جہادِ اکبریم اب شروع کرنے کو ہوں اکبر جہاد

قوّتے خواہم ز حق دریا شگاف [3] ہو مجھے دریا شکن قوت عطا
تابسوزن برکنم ایں کوہِ کاف سینہ چیروں سوئی سے کوہ کاف کا

[1] حدیث شریف میں ہے کہ جب جہنم کا پیٹ نہ بھرے گا تب اللہ تعالیٰ اس پر اپنا قدم رکھ دیں گے۔ اس پر وہ کہے گی کافی ہے کافی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہوگا "کن فکاں" ہوجا وہ ساکن ہوجائے گا۔ [2] ہمارا نفس بھی دوزخ کا جزو ہے اور اس کی خصلتیں بھی دوزخ کی سی ہیں۔
[3] مولانا اللہ تعالیٰ سے استدعا کرتے ہیں ہمیں جہادِ اکبر نفس امارہ کو زیر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سہل شیرے داں کہ صفہا بشکند[1] صف شکن شیروں کا کیا کہنا ولے
شیر آنست آں کہ خودرا بشکند شیر تو وہ ہے جو خود کو مات دے

تاشود شیر خدا از عونِ او فیضِ حق سے بن کے وہ شیر خدا
وارہداز نفس و از فرعون او سر جھکائے نفس کے فرعون کا

[1] حقیقتاً شیر وہ ہے جو خود کو یعنی اپنے نفس کو مات دے۔

مردِ کامل

صاحبِ دل را ندارد آں زیاں   صاحبِ دل کو نہ ہو نقصاں کوئی
گر خورد او زہرِ قاتل راعیاں   زہرِ قاتل بھی اگر کھالے کبھی

زانکہ صحت یافت و ز پرہیز رست   زہد سے پایا ہے اس نے یہ کمال
طالبِ مسکیں میانِ تپ درست   مبتدی لیکن ابھی ہے خستہ حال

گفت پیغمبرؐ کہ اے طالب جری   قولِ پیغمبرؐ ہے سن اے بے خبر
ہاں مکن با ہیچ مطلوبے مری   اہلِ دل کی ہمسری ہرگز نہ کر

گف احمدؐ گر منی خواہی زلل   قولِ نبوی ہے نہ پائے گا ضرر
ہیں مکن با ہیچ مطلوبے جدل   اہلِ دل سے ضد نہ کی تو نے اگر

ور تو نمرودی ست در آتش مرو   [1] آگ میں مت کود گر نمرود ہو
رفت خواہی اوّل ابراہیم شو   بن کے ابراہیم ہی آگے بڑھو

چوں نئی سبّاح نے دریائیے   [2] اہلِ دریا ہو نہ ہو تیراک تم
درمیفگن خویش از خود رائیے   پھر ہوا چاہتے ہو کیوں دریا میں گم

اوز قعرِ بحر گوہر آورد   [3] بحر کی تہ سے بھی وہ لائے گہر
از زیانہا سود برسر آورد   وہ تباہی سے بھی دلوائے ثمر

[1] مولانا فرماتے ہیں کہ اگر تمہارے اندر نمرود کی خصوصیات ہیں تو پھر آگ میں کودنے سے پرہیز کرو اور اس وقت قدم بڑھاؤ جب تم اوصافِ ابراہیمی کے حامل بن جاؤ۔

[2] اگر تم نہ تو دریائی مخلوق ہو اور نہ ہی تیراک تو پھر دریا میں مت کودو یعنی اگر کسی انسان کو روحانی کمالات حاصل نہیں تو پھر اُسے مردِ کامل سے ہمسری یا مقابلہ کرنے کی جسارت نہیں کرنی چاہیے۔

[3] مردِ کامل کو قربِ الٰہی کی بدولت یہ کمال حاصل ہے کہ وہ مضر اثرات کو دور کرسکتا ہے۔

کاملے گر خاک گیرد زر شود   مردِ کامل خاک کو بھی زر کرے
ناقص اززر برد خاکستر شود   مردِ ناقص زر کو خاکستر کرے

دستِ ناقص دستِ شیطان ست ودیو[1]   ہاتھ ہے شیطان کا ناقص کا ہاتھ
زانکہ اندر دامِ تلبیس ست و ریو   ہیں فریب و مکر ہر دم اس کے ساتھ

چوں قبولِ حق بود آں مردِ راست   چونکہ مردِ حق ہے مقبولِ خدا
دستِ او درکارہا دستِ خداست   ہاتھ اُس کا ہاتھ ہے اللہ کا

جہل آید پیشِ او دانش شود[2]   وہ بنائے گمرہی کو آگہی
جہل شد علمیکہ در ناقص رود   علمِ ناقص ہے سراپا گمرہی

ہر چہ گیرد علتی علت شود   مردِ غمگیں سے ہر ایک غمگین ہو
کفر گیرد کاملے ملت شود   کفر بھی کامل کے ہاتھوں دین ہو

اے مرے کردہ پیادہ باسوار   [3]شہ سواروں سے نہ لڑائے پیادہ رو
سر نخواہی برد اکنوں پائے دار   جاں بچانا بھی کہیں مشکل نہ ہو

[1] مردِ ناقص یعنی ظاہری مرشد سے کسی قسم کے روحانی فائدہ کی توقع نہیں ہو سکتی۔
[2] مردِ کامل گمراہ کو اپنے روحانی فیض سے آگاہ بنا دیتا ہے جب کہ مردِ ناقص اُسے گمراہی میں مبتلا کر دے گا۔
[3] شہ سوار سے کسی پیادہ رو کا جھگڑا کرنا جان گنوانے کے مترادف ہے اسی طرح کسی مردِ کامل سے مقابلہ انتہائی خسارہ کا سودا ہے۔

سبب و مُسبّب

نکتۂ کاں جست ناگہ از زباں   لفظ جو یکدم زباں سے ہوا وا
ہمچو تیرے واں کہ جست آں از کماں   تیر ہے نکلا کماں سے اور گیا

وانگردد تیر از راہ اے پسر   تیر کب ہوتا ہے واپس اے پسر
بند باید کرد سیئے رازِ سر[1]   سیل کا پہلے سے سدّباب کر

فعل را در غیب اثرہاز اوئی ست   [2] غب سے ہے طے اثر ہر کام کا
واں موالیدش بحکمِ خلق نیست   آدمی خالق نہیں انجام کا

بے شریکے جملہ مخلوقِ خداست   اُن کا خالق ہے خدائے لا شریک
آں مُوالید اَرچہ نسبت شاں بماست   گرچہ منسوب ہم سے سب طریق

زید پّرانید تیرے سوئے عُمر   زید نے مارا عُمر کو تیر سے
عُمر رابگرفت تیرش سوئے نمر   تلملا اُٹھا عُمر نخچیر سے

مدّتِ سالے ہمی زائید درد   سال بھر وہ درد سے تڑپا کیا
درد ہارا آفرینَد حق نہ مرد   درد انساں نے نہیں حق نے دیا

زید رامی آندم ارمُرد از وَجل   مر گیا جب زید فوراً خوف سے
درد ہا می زایَد آنجا تا اَجل   پھر عُمر کا درد کیوں باقی رہے

آں وجِہارا بدو منسوب دار   درد انساں نے کیا پیدا مگر
گرچہ ہست آں جملہ صُنعِ کردگار   اصل میں خالق ہے اس کا مقتدر

[1] کوئی بات کہنے یا کوئی کام کرنے سے پہلے سوچ لینا چاہیے ورنہ بعد میں اُس کے اثرات کو دور کرنا آسان نہیں ہوتا۔
[2] ہمارے تمام افعال اور اُن کے نتائج رضائے الٰہی کے تابع ہوتے ہیں اور اس کی وضاحت مولانا اگلے اشعار میں بیان کرتے ہیں۔

ہنچنیں کسب ودم و دام و جماع　　کام ہے اُس کا ثمر ہو یا وصال
آں موالیدست حق را مستطاع　　ہیں سبھی تخلیقِ ربِ ذوالجلال

اولیاء راہست قدرت از الٰہ ۱　　اولیاء کو دین ہے اللہ سے
تیر جستہ باز آرندش ز راہ　　لائیں واپس تیر جستہ راہ سے

گفتہ ناگفتہ کند از فتح باب　　قربِ رب سے ہو کہا بھی اَن کہا
تا ازاں نے سیخ سوزد نے کباب　　وہ سبب ہیں اور مسبب ہے خدا

گرت برہاں باید و حجت مہا　　ہے دلائل کی تجھے خواہش اگر
از نبے و خواں آیہ او ننسہا　　آیہ او ننسہا قرآں میں پڑھ

چوں بہ نسیاں بست او راہِ نظر　　۲ بند کی نسیاں سے جب راہ نظر
کارنتواں کرد ور باشد ہنر　　بن گیا اہلِ ہنر بھی بے ہنر

خُلد تُمو تخرِیۃً اھلُ اُنشُو　　۳ مت اڑاؤ اہلِ رتبہ کی ہنسی
از نبے خوانید تا انسوکم　　دیکھو اَنسو کُم کی آیاتِ جلی

صاحب وہ بادشاہِ جسم ہاست　　شہر کا حاکم ہے تن کا حکمراں
صاحب دل شاہ دلہائے شماست　　مردِ حق ہوتا ہے من کا حکمراں

۱　اولیائے کرام کو حق تعالیٰ نے یہ قدرت عطا فرمائی ہے کہ وہ قادرِ مطلق کے حضور استدعا کے ذریعے بگڑے کام بنا سکتے ہیں۔

۲　اگر تجھے کسی دلیل کی ضرورت ہے تو قرآن حکیم کی آیت

ما ننسخ من آيته او ننسها نات بخير منها پڑھ

یعنی نہیں منسوخ کرتے ہیں ہم کسی آیت کو یا بھلاتے ہیں اس کو مگر یہ کہ لاتے ہیں اس سے بہتر۔

۳　جب حق تعالیٰ نے بھلا دینے کی عادت سے غور و فکر کی قوت ختم کر دی تو ایک عالم بھی بے علم ہو گیا۔

صد ہزاراں نیک و بدرا آں نُہی   اہلِ دل اُن کے دلوں کو ہر گھڑی
می کند ہر دم زدلہا شاں تہی   نیک و بد سوچوں سے کرتا ہے تہی

روز دلہا را ازاں پُرمی کند   اپنی صحبت سے انہیں وہ خوش نظر
آں صدفہا را پُر از دُرمی کند   بخشتا ہے نیک سوچوں کے گہر

آں ہمہ اندیشۂ پیشانہا   اُن کے اندیشوں کو ہے پہچانتا
می شناسد از ہدایت جانہا   قدرتِ حق سے ہے سب کچھ جانتا

پیشہ و فرہنگِ تو آید بتو   کام آتے ہیں ترے عقل و ہنر
تا درِ اسباب بکشاید بتو   کھولتے ہیں تجھ پہ وہ روزی کے در

پیشہاو خلقہا ہمچوں جہیز   تیرے اخلاق و عمل ہیں زادِ راہ
سوئے خصم آیند روزِ رستخیز   کام آئیں گے ترے روزِ جزا

پیشہا و خلقہا از بعدِ خواب   خوابِ ہستی جس گھڑی ہوگا تمام
واپس آید ہم بخصمِ خود شتاب   تیرے اخلاق و عمل آئیں گے کام

پیشہاو اندیشہا در وقتِ صبح   صبحِ محشر تیرے افکار و عمل
ہم بدانجا شد کہ بُود آں حسن و قبح   سامنے آئیں گے بے ردّوبدل

چوں کبوتر ہائے پیک از شہر ہا[1]   جیسے نامہ بر کبوتر شہر کو
سوئے شہرِ خویش آرد بہر ہا   لوٹتے ہیں لے کے جو پیغام ہو

ہر چہ بینی سوئے اصلِ خود رود   جو بھی ہے آخر ملے گا اصل سے
جزو سوئے کُل خود راجع شود   جزو کھو جائے گا کُل کے وصل سے

[1] جس طرح نامہ بر کبوتر کو جو بھی پیغام ملے وہ لے کر واپس جاتا ہے اسی طرح اس دنیا میں ہم جو اعمال کریں گے ان کا پھل لے کر ہم دوسری دنیا کو جائیں گے۔

اسرارِ عشق

جملہ شاہاں پست پستِ خویش را [۱] جھک گئے شہ جھکنے والوں کے لیے
جملہ مستاں مست مستِ خویش را مست ہیں سب مست اپنے مست کے

جملہ شاہاں بُردۂ بردہ خود اند [۲] سارے شاہ اپنے غلاموں کے غلام
جملہ خلقاں مُردۂ مردہ خود اند اپنے مُردوں کے لیے مُردہ تمام

می شود صیاد مُرغاں را شکار جب شکاری خود ہی بنتا ہے شکار
تا کند ناگاہ ایشاں را شکار خود ہی اس کے ہاتھ آتا ہے شکار

دلبراں بر بیدلاں فتنہ بجاں [۳] دل سے دلبر ہیں فدائے اہلِ دل
جملہ معشوقاں شکارِ عاشقاں سارے دلبر ہیں فدائے اہلِ دل

ہر کہ عاشق دیدیش معشوق داں [۴] جو بھی ہے عاشق وہ ہے معشوق بھی
کو بہ نسبت ہست ہم این وہم آں اُس نے نسبت سے ہے پائی یہ دوئی

تشنگاں گر آب جویند در جہاں ہے اگر پیاسوں کو پانی کی تلاش
آب ہم جوید بعالم تشنگاں پیاسوں کو کرتا ہے پانی بھی تلاش

چونکہ عاشق اُوست تو خاموش باش [۵] وہ ہے جب عاشق تو تُو خاموش رہ
اُوچو گوشت میدہد تو گوش باش کان پائے ہیں ہمہ تن گوش رہ

[۱] جب اطاعت کمال کو پہنچتی ہے تو آقا جھکنے والوں کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے اور عاشق اپنے محبوب کے عشق میں جو خود بھی اس کا چاہنے والا ہے مست رہتا ہے۔

[۲] جو غلام اپنے مولیٰ کی اطاعت میں فنا ہو جاتا ہے مولیٰ اس کا ہو جاتا ہے۔

[۳] جب عاشق کا عشق معراجِ غریقی تک پہنچتا ہے تو کششِ عشق اپنا اثر دکھاتی ہے اور معشوق کو بھی اپنے عاشق سے عشق ہو جاتا ہے۔

[۴] عاشق صادق محب بھی ہوتے ہیں اور محبوب بھی۔ اس نسبت سے انہیں دوہری حیثیت حاصل ہوتی ہے۔

[۵] پیاسے کی طرح پانی بھی ندی نالوں اور دریاؤں میں بہہ کر پیاسوں کی جستجو میں رواں دواں رہتا ہے۔

اے حیاتِ عاشقاں در مُردگی   مر کے ہوگی زندگی حاصل تجھے
دل نیابی جُز کہ در دلبردگی   دل گنوا کر ہی ملے گا دل تجھے

غرقِ عشقے شو کہ غرق ست اندریں   غرق ہو جا عشق میں کہ بے عدد
عشقہائے اوّلین و آخریں   غرق ہیں اِس میں اَزل سے تا اَبد

مُجملش گفتم نہ کردم من بیاں   [1] بات کی ہے مُجملاً اِس راز کی
ورنہ ہم افہام سوزد ہم زباں   ورنہ جل جاتی زباں بھی عقل بھی

من چو لب گویم لب دریا بود   [2] لب کہوں تو ہے لبِ دریا مُراد
من چو لا گویم مُراد اِلا بود   لا کہوں تو پھر ہے اِللہ مُراد

من ز شیرینی نشینم رُو تُرش   [3] معرفت کا ذکر ہے شیریں اثر
من ز بسیاریٔ قفارم خُمش   جانتا ہوں چپ ہی رہتا ہوں مگر

تا کہ شیرینیٔ ما از دوجہاں   دوجہاں میں کیوں کروں اِفشا اِسے
در حجاب رُو تُرش باشد نہاں   خوب ہے یہ راز پردے میں رہے

تا کہ درہر گوش نایَد ایں سخن   ہر کوئی اس راز کے قابل کہاں
یک ہمیں گویم ز صد سِرّ لدُن   یہ ہے سو رازوں کا اک راز نہاں

چوں ننالم تلخ ازدستانِ اُو   کیوں نہ اُس کے ناز سے رو رو کے خوں
چوں نیم در حلقۂ مستان اُو   حلقۂ عشاق میں شامل رہوں

چوں نباشم ہمچو شب بے روزِ اُو   کیوں نہ دن بھی مثلِ شب تاریک ہو
بے وصالِ روئے روز افروزِ اُو   جب نہ دیکھوں روئے روز افروز

[1] مولانا فرماتے ہیں کہ میں نے عشقِ حقیقی کا ذکر مجملاً کیا ہے اس لیے کہ اگر یہ راز مکمل کر بیان کر دیتا تو زبان اس کی تفسیر بیان کرنے سے قاصر رہ جاتی اور عقل بے بس ہو جاتی ہے۔ [2] اگر میں لب کہتا ہوں تو اس کا مطلب لبِ دریائے وحدت ہے اور اگر لا کہتا ہوں تو مطلب اِللہ ہوتا ہے۔ یعنی اس کے سوا کوئی نہیں۔ [3] اسرارِ معرفت کا ذکر تو بہت شیریں ہے لیکن ان اسرار و رموز کو سمجھنے والے بہت کم ہیں۔ ان مسائل کو وہی سمجھ سکتے ہیں جو اہلِ دل اور اہلِ بصیرت ہوں۔

چشمِ گریاں

نالم ایرا نالہا خوش آید　　کیوں نہ میں روؤں وہ ہے رونے سے خوش
از دو عالم نالہ وغم بایدش　　دو جہاں کی اشکباری سے ہے خوش

چوں نالم تلخ ازدستانِ او　　کیوں نہ اُس کے ناز سے رو رو کے خوں
چوں نیم در حلقہِ مستان او　　حلقۂ عشاق میں شامل رہوں

چوں نباشم ہیچو شب بے روزِ او　　کیوں نہ دن بھی مثلِ شب تاریک ہو
بے وصالِ روئے روز افروزِ او　　جب نہ دیکھوں روئے روز افروز

ناخوشِ او خوش بود در جانِ من　　میرا دل خوش ہے جفائے یار پہ
جاں فدائے یار دل رنجانِ من　　میری جاں قربان دل آزار پہ

عاشقم بر رنجِ خویش و دردِ خویش　　[1] اپنے دردِ عاشقی پہ ہوں فدا
بہر خوشنودیِ شاہ فردِ خویش　　اس سے خوش ہے وہ شہ خوباں مرا

خاکِ غم را سرمہ سازم بہر چشم　　[2] خاکِ غم سرمہ بنا اے دیدہ ور
تا ز گوہر پُرشود دو بحرِ چشم　　ہوں گے آنکھوں کے سمندر پُر گہر

اشک کاں از بہرِ او بارند خلق　　اُس کی چاہت میں ہوں جو آنسو رواں
گوہر اند واشک پندارند خلق　　وہ گہر ہیں وہ بھلا آنسو کہاں

من ز جانِ جاں شکایت می کنم　　جانِ جاناں سے گِلہ کیا جب بھی گلا
من نیم شاکی حکایت می کنم　　اک بہانہ حالِ دل کہنے کا تھا

[1] محبوب اپنے چاہنے والے کے درد سے اس لیے خوش ہوتا ہے کہ درد تقاضائے عشق ہے۔ لہٰذا محبوب کی خوشی کے لیے ہم اپنے درد و غم سے خوش ہیں۔ [2] غم کی خاک کو سرمہ بنا کر اپنی آنکھوں میں ڈال تاکہ تیری آنکھوں سے وہ آنسو نکلیں جو گہر کی طرح نایاب اور قیمتی ہوں۔

راستی کن اے فخر راستاں   رحم کر اے میرِ میراں رحم کر
اے تو صدرو من درت راآستاں   تو ہے میرِ آستاں میں سنگِ در

آستان و صدر درمعنی جاست   ۱ پائے یارو سنگِ در جب ہوں بہم
ماومن کو آں طرف کو یارِ ماست   ہو من و تو کا تصورر کا لعدم

اے رہیدہ جانِ تو ازماومن   ۲ اے کہ تو ہے ماومن سے ماورا
اے لطیفہ روح اندر مردو زن   اے کہ تو ہے مرد و زن سے جاں کشا

مردو زن چوں یک شوند آں یک توئی   مرد و زن جب ایک ہوں وہ ایک تُو
چونکہ یکہا محو شد آن تک توئی   مٹ کے جب سب ایک ہوں وہ ایک تُو

ایں من و ما بہر آں براساختی   ۳ یہ من و ما اس لیے پیدا کیے
تا تو باخود نرد ِ خدمت باختی   کاروبارِ زندگی ہوتا رہے

تامن و تو باہمہ یک جاں شوند   ۴ جب من وتو ایک جاں ہو جائیں گے
عاقبت مستغرقِ جاناں شوند   جانِ جاناں سبھی کھو جائیں گے

ایں ہمہ ہست وبیاا ے امرِ کُن   اے کہ سب کا حاکمِ اعلیٰ ہے تُو
اے منزہ از بیان و از سُخن   اے کہ نطق و حرف سے بالا ہے تُو

چشمِ جسمانی نتاند دیدنت   ۵ تجھ کو آنکھیں دیکھ پائیں کس طرح
در خیال آرد غم و خندیدنت   اور تصور میں بھی لائیں کس طرح

۱ پہلے شعر میں محبوب کو میرا آستاں کہا اور خود کو سنگ در لہٰذا اس سے دوئی کا اظہار ہوا جو فنا فی اللہ کی حالت کے خلاف ہے اس لیے اس شعر میں اس کا تدارک کیا ہے ۲ ذاتِ حق واحد ہے یہ ممکنات اُس کے عارضی شہود ہیں وہی ذاتِ واحد لطیفۂ روح ہے جو مردوزن کے عارضی جسم کو قائم کیے ہوئے ہے۔ ۳ مخلوقاتِ عالم ۴ جب ممکنات کے یہ عارضی تعینات ختم ہو جائیں گے تو وہی ذاتِ واحد قیوم باقی رہ جائے گی۔ ۵ اب مولانا مضمون بالا سے گریز کرتے ہیں کہ یہ کہنا غلط ہے۔ ہماری جسمانی آنکھ کب اس کا مشاہدہ کر سکتی ہے۔

دل کہ اُوبستہ غم و خندیدن ست   راحت و غم میں ہو جو دل مبتلا
تُو بگوئے لائقِ آں دیدن ست   کب ہے اُس کی دید کے قابل بھلا

باغِ سبزِ عشق کو بے منتہا ست   ۱ عشق کے گلشن میں جو ہے دائمی
جُز غم و شادی درو بس میوہاست   ہیں ثمر جُز شادی و غم اور بھی

عاشقی زیں ہر دو حالت برتر ست   ۲ عشق ہے ان حالتوں سے ماورا
بے بہار و بے خزاں سبز و تر ست   بے بہار و بے خزاں بھی خوشنما

دہ زکوٰۃ روئے خود اے خوبرو   کر عطا روئے دلآرا کی زکوٰۃ
شرحِ جانِ شرحہ شرحہ باز گو   سن ذرا اِس جانِ صد پارہ کی بات

چوں گریزانی زنالہ خاکیاں   ہے گریزاں خاکیوں کی آہ سے کیوں
غم چہ ریزی بردلِ غمناکیاں   غمزدوں کے دل پہ غم پاشی ہے کیوں

اے جہانِ کہنہ را تو جانِ نو   ۳ اے جہانِ کہنہ کے روح و رواں
از تنِ بے جان و دل افغاں شنو   اس تنِ بے جان و دل کی سن فغاں

تافت نورِ صبح ما از نورِ تو   ۴ تجھ سے روشن ہے مرا نورِ سحر
در صبوحی با مئے منصورِ تو   تیری چاہت سے صبوحی پُر اثر

دادۂ حق چوں چنیں دارد مرا   ۵ میری حالت دادِ حق ہے بے گماں
کہ بُوَد بادہ طرب آرد مرا   بادۂ دنیا میں یہ مستی کہاں

۱ عشق الٰہی کا باغ جو دائمی ہے اس میں غم و شادی کے علاوہ بھی بے شمار ثمرات ہیں۔ جو زیادہ پائیدار اور راحت دینے والے ہیں۔
۲ عشق الٰہی عارضی کیفیات سے بے نیاز ہے۔ یہ باغ بہار و خزاں کے بغیر بھی ہمیشہ خوش رنگ و خوشنما رہتا ہے۔
۳ دنیا میں چونکہ تغیرات آتے رہتے ہیں اس لیے اسے کہنہ کہا اور ذات پاک جو قائم و دائم ہے وہ دنیا کے لیے بمنزلہ جان ہے اور ہر روز اس کی ایک نئی شان کا ظہور ہوتا ہے۔
۴ ہماری زندگی نور ربانی اور عنایات یزدانی سے ہی منور رہتی ہے اور اس کی ذات پاک کی محبت سے جام حیات میں کیف و مستی موجود ہے۔
۵ زندگی کی تمام رونق اور روحانی کیفیات اللہ تعالیٰ کے کرم سے ہیں ورنہ دنیاوی وسائل سے وہ سکون اور اطمینان قلبی حاصل نہیں ہو سکتا جو عشق الٰہی سے ملتا ہے۔

باده در جوشش گدائے جوشِ ما [1] جوشِ مے محتاج میرے جوش کا
چرخ در گردش فدائے ہوشِ ما اور فلک شیدا ہے میرے ہوش کا

باده از ما مست شد نے ما ازو مست ہے مے ہم سے ہم اُس سے نہیں
قالب از ما ہست شد نے ما ازو جسم بھی ہے ہم سے ہم اُس سے نہیں

[1] ذات پاک کی محبت سے انسان کو جو مستی ملتی ہے دنیا کی بہترین شراب کی مستی بھی اس کے سامنے ہیچ ہے اور اس عالم مستی میں شہدائے حقیقی کے وجد کے سامنے آسمان کی گردش بے حقیقت ہے۔

تفسیر

مَاشَاءاللہ کَانَ وَمَالَم یَشَالَم یَکُن

(جواللہ نے چاہا ہوا اور جو نہ چاہا نہ ہوا)

ایں ہمہ گفتیم لیک اندر بسیچ   جو کہا میں نے ارادہ جو کیا
بے عنایاتِ خدا ہیچیم ہیچ   سب عبث ہیں بے عنایاتِ خدا

اے خدا اے قادر بیچون و چند   اے خدا اے قادر ہر دو جہاں
از تو پیدا شد چنیں قصرِ بلند   تو نے ہی پیدا کیا ہے آسماں

واقفی از حالِ بیرون و دروں   جانتا ہے ظاہر و باطن کو تو
بے کم و بے بیش و بے چندی و چوں   تجھ پہ ہے سب آشکارہ مُو بمو

اے خدا اے فضلِ تو حاجت روا   اے خدا تیرا کرم حاجت روا
با تو یادِ ہیچ کس نبود روا   جز ترے ہے یاد سب کی ناسزا

ایں قدر ارشاد تو بخشیدۂ   ہر قدم پہ رہنمائی تو نے کی
تابدیں بس عیبہا پوشیدۂ   یوں چھپائے میرے اکثر عیب بھی

[1] قطرۂ دانش کہ بخشیدی ز پیش   علم کا قطرہ جو بخشا ہے مجھے
متصل گرداں بدریا ہائے خویش   اپنے بحرِ علم میں ضم کرائے

قطرۂ علم است اندر جانِ من   علم کا قطرہ جو میری جاں میں ہے
وارہانش از ہوا و خاکِ تن   حرصِ دنیا سے بچا رکھنا اُسے

[1] انسان کا علم جو اُسے حق تعالیٰ نے بخشا ہے قادرِ مطلق کے علم کے سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرہ بھی نہیں۔

پیش ازیں کیں خاکہا خشفش کند   پیش ازیں کہ جذب کرلیں مٹیاں
پیش ازیں کیں بادہا نشفش کند   پیش ازیں کہ خشک کرویں آندھیاں

گرچہ چوں نشفش کند تو قادری   تیری قدرت میں ہے تو چاہے اگر
کِش ازیشاں واستانی وآخری   یہ ہوا اور مٹیاں ہوں بے اثر

قطرۂ کو در ہوا شد یا کہ ریخت   قطرہ اُڑ جائے کہ بہہ جائے بھلا
از خزینہ قدرتِ تو کے گریخت   وہ تری قدرت سے ہے کب ماورا

گر در آید در عدم یا صد عدم   اک عدم کیا سو عدم کی راہ سے لا
گربخوانید اُو کند از سر قدم   لوٹ آئے اِک اشارے پہ ترے

[1] صد ہزاراں ضد ضدرامی کشد   اَنگنت اشیاء کہ ہوتی ہیں فنا
بازشاں فصلِ تو بیروں می کشد   تو انھیں کرتا ہے پیدا پھر سدا

از عدمہا سوئے ہستی ہر زماں   اور عدم سے سوئے ہستی ہر زماں
ہست یارب کارواں در کارواں   جارہے ہیں کارواں کے کارواں

درخزاں بیں صد ہزاراں شاخ و برگ   ڈالیاں پتے خزاں میں سب کے سب
از ہزیمت رفتہ در دریائے مرگ   موت کے دریا میں کھو جاتے ہیں جب

زاغ پوشیدہ سیہ چوں نوحہ گر   باغ میں کوے سیاہ پوشاں ہوئے
در گلستاں نوحہ کردہ بر خضر   سبزۂ و گُل کے لیے نالاں ہوئے

باز فرماں آید از سالارِ دہ   پھر زمیں کو ربّ کا یہ فرماں ملا
مر عدم را کانچہ خوردی بازدہ   اُن کو لوٹا جو ہوئے تجھ میں فنا

آنچہ خوردی وادہ اے مرگِ سیاہ   جو بھی کھایا تو نے اے مرگِ سیاہ
از نبات و ورد واز برگ و گیاہ   سب کو لوٹ اُگل ہوں پتے یا گیا

[1] دنیا میں تنازع للبقا کا عمل جاری ہے جو اشیا فنا ہوجاتی ہیں قدرت انھیں پھر پیدا کردیتی ہے۔

اے برادر عقل یک دم باخود آر — سوچ عقل و ہوش سے اے جانِ جاں
دمبدم در تو خزان ست و بہار — [1] تجھ میں بھی ہیں فصلِ گُل فصلِ خزاں

اے برادر یک دم از خود دور شو — چھوڑ خود کو تھام دامن ہوش کا
باخود آو غرقِ بحرِ نور شو — اور بحرِ نور میں ہو جا فنا

باغِ دل را سبز و ترّو تازہ بیں — ہوگا تیرا باغِ دل بھی پُر بہار
پر ز غنچہ و ورد و سرو و یاسمیں — اور گُل بوٹوں پہ آئے گا نکھار

زانبہیِ برگ پنہاں گشتہ شاخ — دیکھ پتوں سے چھپی ہیں ٹہنیاں
زانبہیِ گُل نہاں صحرا و کاخ — کاخ و صحرا کثرتِ گل سے نہاں

ایں سخن ہائیکہ از عقلِ کُل ست — سُن کہ یہ سب ذاتِ حق کے ہیں سُخن
بوئے آں گلزارِ سرو و سُنبل ست — جس کی خوشبو سے مہکتے ہیں چمن

بوئے گل دیدی کہ آنجا گل نبود — [2] بوئے غنچہ ہے یہ غنچے کے بغیر
جوش مُل دیدی کہ آنجا مُل نبود — نغمۂ مے ہے مگر مے کے بغیر

بُو قلاؤز ست رہبر مر ترا — [3] یہ مہک ہی رہنما ہوگی تری
می بَرد تا خُلد و کوثر مر ترا — خلد و کوثر تک کرے گی رہبری

بُو دوائے چشم باشد نور ساز — [4] یہ مہک بیمار آنکھوں کی دوا
شد ز بوئے دیدۂ یعقوب باز — اور مداوا دیدۂ یعقوب کا

بوئے بد مر دیدہ را تاری کند — بوئے بد سے چشمِ روشن بھی سیاہ
بوئے یوسف دیدہ را یاری کند — بوئے یوسف سے ہو پھر روشن نگاہ

[1] انسان کے اندر خزاں کا مطلب ہے تعلقاتِ کونیہ سے متعلق ہونا اور بہار کا مطلب معارفِ وجدانیہ سے سرفراز ہونا۔
[2] ذکرِ الٰہی کی مہک کے لیے نہ تو گل و گلزار کی ضرورت ہے اور نہ اس کی مستی کے لیے شراب کی حاجت ہے۔
[3] ذکرِ الٰہی سے جو باطنی مہک پیدا ہوگی وہ خلد و کوثر تک رہنمائی کرے گی۔
[4] دنیاوی محبت کی مہک سے انسان اندھا ہو جاتا ہے۔ اور بوئے یوسف یعنی عشقِ حقیقی کی خوشبو سے دیدۂ دل منور ہوتے ہیں۔ بوئے یوسف اس تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ ہے جب حضرت یوسفؑ کے پیراہن کی خوشبو سے حضرت یعقوبؑ کی بینائی بحال ہوگئی۔

تو کہ یوسف نیستی یعقوب باش　　تو اگر یوسف نہیں یعقوب بن
ہیچو اُو باگریہ و آشوب باش　　اشک برساؤکھ اُٹھا مجذوب بن

چوں تو شیریں نیستی فرہاد باش　　تو نہیں شیریں تو بن جا کوہ کن
چوں نہ لیلیٰ تو مجنوں گرد فاش　　تو اگر لیلیٰ نہیں تو قیس بن

آیت:　مَرَجَ الْبَحرَینِ یَلتَقِیَانِ بَینَہُمَا بَرزَخ لَایَبغِیَان کے معانی

(چلائے دو دریا مل کر چلنے والے۔ ان دونوں میں ایک پردہ ہے تا کہ ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرے)

اہلِ نارو خلدرا ہیں ہمدکان　　ساتھ ہیں گو خلد و دوزخ کے مکیں
درمیانش برزخٌ لَا یَبغِیَان　　بیچ میں پردہ ہے وہ یکجا نہیں

اہلِ نار و اہلِ نور آمیختہ　　[1] اہلِ نار و نور ہیں گو ہم طواف
درمیانش کوہ قاف انگیختہ　　در میں اُن کے کھڑا ہے کوہ کاف

اہلِ نار نور باہم درمیاں　　اہلِ نار و نور گو ہیں ہم قطار
درمیانش بحرِ ژرفِ بیکراں　　درمیاں اُن کے ہے بحرِ بے کنار

ہیچو در کاں خاک و زر کرد اختلاط　　کان میں ہیں خاک و زر گو یارِ غار
درمیانش صد بیاباں و رباط　　درمیاں ان کے ہیں پردے بے شمار

ہمچنانکہ عِقد در دُرّ و شَبَہ　　[2] پوتھ اور موتی ہوں جیسے ہار کے
مختلط چوں میہمانِ یک شَبَہ　　بس اکٹھے رات بھر کے واسطے

صالح و طالح بصورت مُشتَبِہ　　نیک و بد ہم شکل ہیں تو کیا ہوا
دیدہ بکشا بُو کہ گردی منتبہ　　چشم وا سے دیکھ دونوں ہیں جُدا

بحر را نیمیش شیریں چوں شکر　　ایک حِصّہ بحر کا جیسے شکر
طعم شیریں رنگ روشن چوں قمر　　خوش مزا پُر نور جیسے ہو قمر

[1] اگرچہ نیک وبد یکجا ہوں ان کے درمیان اعمال اور جزا و سزا کا پہاڑ حدِ فاصل ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان میں بہت فرق ہوتا ہے۔
[2] جس طرح ہار کے موتی رات بھر کے لیے ایک ساتھ ہوتے ہیں اور اگلے روز جدا ہو جائیں گے۔

نیم دیگر تلخ ہچوں زہرِ مار — دوسرا حصہ ہے جیسے زہر مار
طعم تلخ و رنگ مظلم قیر وار — سخت کڑوا اور کالا قیروار

ہر دو برہم میزنداز تخت و اوج — [1] دونوں ٹکراتے ہیں آپس میں سدا
برمثالِ آبِ دریا موج موج — تند دریاؤں کی موجوں کی طرح

صورتِ برہم زدن از چشمِ تنگ — تنگ نگاہی سے ہو پیدا جو فساد
اختلاطِ جانہا در صلح و جنگ — جان و دل اُس کے اثر سے پُر عناد

موجہائے صلح بُرہم میزند — [2] پیار پھیلاتے ہیں ہر سو اہلِ نور
کینہ ہا از سینہ ہا بُری کنند — بُغض کو سینوں سے کر دیتے ہیں دُور

موجہائے جنگ در شکلِ دگر — [3] نفرتوں کے سیل سے وہ اہلِ نار
مہر ہار امی کنند زیر و زبر — بے نشاں کرتے ہیں الفت کے حصار

مہر تلخاں رابہ شیریں می کشد — [4] تلخ بھی ہوتا ہے شیریں پیار سے
زانکہ اصلِ مہر ہا باشد رشد — بس یہی تو پیار کا انداز ہے

قہر شیریں را بہ تلخی می برد — قہر سے میٹھا بھی ہو جاتا ہے تلخ
تلخ با شیریں کجا اندر خورد — کب بھلا میٹھے کے سنگ رہتا ہے تلخ

تلخ و شیریں زیں نظر ناید پدید — [5] تلخ و شیریں کے حقیقی مرحلے
از دریچہ عاقبت دانند دید — دیکھنے کو چشم بینا چاہیئے

۱ نوری اور ناری کا آپس میں ٹکراؤ رہتا ہے لیکن دونوں کی حالت چونکہ لازمی ہے اس لیے برقرار رہتی ہے۔

۲ نوریوں کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ ناریوں کے دلوں سے کینہ دور ہو اور ان کی محبت پیدا ہو جائے۔

۳ ناری اس کے برعکس عداوت پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ محبت کا غلبہ نہ ہو۔

۴ نوری ناریوں کو محبت کی طرف کھینچتے ہیں اس لیے کہ یہی ان کی روش ہے۔

۵ اچھائی اور برائی کی کشمکش کو جانچنے کے لیے حقیقت آشنا نظر کی ضرورت ہوتی ہے۔

چشمِ آخر بیں تواند دید راست [1] چشمِ بینا ہے حقیقت آشنا
چشمِ اوّل بیں غرورست و خطاست چشمِ کوتاہ بیں ہمیشہ پُر خطا

اے بسا شیریں کہ چوں شکر بُود ظاہراً میٹھا نظر آتا ہے وہ
لیک زہر اندر شکر مُضمر بُود زہر ہے شکر میں پوشیدہ وہ

آنکہ زیرک تر بود بشناسدش دیدہ ور پہچان لیتا ہے اُسے
چونکہ دید از دورش اندر کشمکش دہرے پن سے جان لیتا ہے اُسے

واں دگر درپیش رو بوئے بَرد اِک اُسے بس دیکھتے ہی جان لے
واں دگر چوں دست بہد کرو رو دوسرا پہلی نظر میں رد کرلے

واں دگر بشناسدش تا بُو کند ایک پہنچانے اُسے ملنے کے بعد
واں دگر چوں برلب دنداں نہد دوسرا جانے بَرت لینے کے بعد

پس لبش ردّش کند پیش از گلو [2] حلق سے پہلے ہی رَد کرتے ہیں لب
گرچہ نعرہ می زند شیطاں گلو گو کہ شیطاں ہے بضد کھا جاؤ سب

واں دگررا در گلو پیدا کند [3] ایک جب اُترے حلق سے جان لے
واں دگررا در بدن رسوا کند دوسرا جب تن میں پہنچے جان لے

واں دگررا درحدث سوزش کند [4] ایک جب تن سے جدا ہو جان لے
دمبدم زخمِ جگر دوزش دہد ہر گھڑی ہر لحظہ اُس کو زخم دے

واں دگررا بعدِ ایام و شہور [5] ایک پہچانے کئی سالوں کے بعد
واں دگر را بعدِ مرگ اندر قبور دوسرا مٹی میں دب جانے کے بعد

[1] یہاں سے مولانا حقیقی اور ظاہری نظر اکا ذکر شروع کرتے ہیں اور ان کے مختلف مراتب کو بیان فرماتے ہیں۔ [2] بعض انہیں پہچاننے کے بعد ان کی باتوں پر عمل پیرا نہیں ہوتے اگرچہ شیطان گمراہ کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ [3] بعض اس وقت پہچانتے ہیں جب ان کی باتوں سے کچھ اثر ہونے لگتا ہے اور دوسرا اس وقت جب ان باتوں کے اثرات نمایاں ہوتے ہیں۔ [4] بعض کو گہرے اثرات مرتب ہونے کے بعد احساس ہوتا ہے۔ [5] بعض کچھ مدت گزرنے کے بعد جعلی پیر کی باتوں کے برے اثرات محسوس کرتے ہیں جب کہ بعض کو موت کے بعد احساس ہوگا۔

ہر نبات و شکرے را در جہاں   قند کو شکر کو بننے کے لیے[1]
مہلتے پیداست از دورِ زماں   ایک مدّت اک زمانہ چاہیئے

سالہا باید کہ تا از آفتاب   مدّتوں سورج کی گرمی چاہیئے
لعل یابد رنگ و رخشانی و تاب   لعل کو تابندہ ہونے کے لیے

پنج سال و ہفت یابد تا درخت   چند سالوں میں ہی ہوتا ہے شجر
یا بداز میوہ رسانی فرّ و بخت   سر بُلند و خوشنما و پُرثمر

بہر ایں فرمود حق عزّو جلّ   قولِ حق ہے سورۃ الانعام سے[2]
سورۃ الانعام در ذکرِ اجل   تم بنے ہو ایک مدت کے لیے

نکتۂ دیگر تو بشنو اے رفیق   اِک نیا نکتہ سنو میرے رفیق[3]
ہمچوں جاں او سخت پیدا و دقیق   روح کی مانند ظاہر اور دقیق

در مقامے ہست ایں ہم زہر مار   اک جگہ ہے سمِ قاتل بے گماں
از تصاریفِ خدائے خوشگوار   حکمِ ربی سے کہ جو ہے مہرباں

در مقامے زہر و در جائے دوا   اک جگہ ہے زہر اک جا ہے دوا[4]
در مقامے کفر و در جائے روا   اک جگہ ہے کفر اک جا ہے روا

در مقامے خار و در جائے چو گُل   اک جگہ کانٹا ہے اک جا ہے گلاب
در مقامے سرکہ در جائے چو مُل   اک جگہ سرکہ ہے اک جا ہے شراب

[1] جس طرح قند و شکر بنتے ہیں وقت لگتا ہے اسی طرح لعل ایک مدت کے بعد لعل بنتا ہے اور درخت کو پھل دار بننے کے لیے کچھ سال لگتے ہیں۔

[2] سورۃ الانعام میں ارشادِ ربانی ہے کہ ھوالذی خلقکم من طین ثم قضیٰ اجلا
یعنی وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر ایک میعاد ٹھہرا دی۔

[3] یہاں سے مولانا ایک نئے موضوع کا آغاز کرتے ہیں یعنی اگرچہ من جانب اللہ ہر چیز کے لیے میعاد مقرر ہے لیکن اس کے مختلف پہلو ہیں جو خدائے ذوالجلال کی قدرت سے متغیر ہیں اور قدرتِ الٰہی سے ایک ہی عمل کے دو مختلف ردِّ عمل ہیں۔

[4] جو لوگ اسباب کی کثرت کو غیرِ حق سمجھتے ہیں ان کے لیے یہ زہر ہے اور جو کثرت میں وحدت کا مشاہدہ کرتے ہیں ان کے لیے درماں ہے۔

در مقامے خوف و در جائے رَجا [1] اک جگہ ہے خوف اک جا آسرا
در مقامے بخل و در جائے سخا اک جگہ بخل اک جا ہے سخا

در مقامے فقر و در جائے غنا اک جگہ ہے فقر[2] اک جاہ غنا
در مقامے قہر و در جائے رضا اک جگہ ہے قہر اک جا ہے رضا

در مقامے جور و در جائے وفا [3] اک جگہ ہے ظلم اک جا ہے وفا
در مقامے منع و در جائے عطا اک جگہ ہے جبر اک جا ہے عطا

در مقامے دُرد و در جائے صفا اک جگہ تلچھٹ ہے اک جا ہے صفا
در مقامے خاک و جائے کیمیا اک جگہ مٹی ہے اک جا کیمیا

در مقامے عیب و در جائے ہنر اک گہ ہے عیب اک جا ہے ہنر
در مقامِ سنگ و در جائے گہر اک جگہ پتھر ہے اک جا ہے گہر

در مقامے حنظل و جائے شکر اک جگہ تلخ اک جا ہے شکر
در مقامے خشک و در جائے مطر اک جگہ ہے خشک اور اک جا ہے تر

در مقامے ظلم و جائے محضِ عدل اک جگہ ہے ظلم اک جا عدل ہے
در مقامے جہل و جائے عینِ عقل اک جگہ ہے جہل اک جا عقل ہے

گرچہ ایں جا اُو گزندِ جاں بُود گو یہاں پر وہ بلائے جان ہے
چوں بہ انجاور رسد درماں بُود پر ہواں پر وہ دوائے جان ہے

آب در غورہ تُرش باشد و لیک [4] کچے انگوروں کا رس ہے ترش سا
چوں بانگوری رسد شیریں و نیک جب وہ پک جائے تو بے حد خوش مزا

[1] یہی مسئلہ کبھی خوف پیدا کرتا ہے کبھی امید۔ [2] کہیں دولتِ ایمان سے تہی دست بنادیتا ہے اور کہیں ایمان وایقان سے مالا مال کردیتا ہے۔ کبھی قہرِ خداوندی کا سبب بنتا ہے اور کبھی رضائے الٰہی کا۔ [3] جب اس مسئلہ کو غلط سمجھا جائے تو ظلم کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور اگر صحیح سمجھیں تو بھلائی کا ساماں پیدا کرتا ہے۔ [4] اگر اس مسئلہ کو نیم پختہ عقائد کے زیرِ اثر سمجھنے کی کوشش کی جائے تو نتائج ترش ہوں گے اور اگر ایمانِ کامل کی روشنی میں دیکھا جائے تو نہایت خوشگوار ثابت ہوں گے۔

باز درخُم اُو شود تلخ و حرام جام میں پہنچے تو کڑوا اور حرام
در مقامے سُر گلے نُعم الادام اور بنے سرکہ تو ہے جانِ طعام

ایں چنیں باشد تفاوت در اُمور زندگی میں اس تفاوت کو سدا
مردِ کامل ایں شناسد در ظہور دیکھ لیتا ہے جو ہو مردِ صفا

دیدۂ دل

چشمِ دل از موئے علت پاک آر　　دل کی آنکھیں علتوں سے پاک کر
وانگہاں دیدارِ قصرش چشم دار　　جب کہیں وہ قصر[1] آئے گا نظر

چوں محمدؐ پاک شد از نارو دود　　[2]پاک تھے حرص و ہوس سے مصطفیٰؐ
ہر کجا رو کرد وَجہُ اللہ بود　　دیکھتے تھے ہر طرف ذاتِ خدا

چوں رفیقِ وسوسہ بد خواہ را　　تم ہو بدخواہ وسوسوں کے ہموا
کے بہ بینی فَثَمَّ وجہُ اللہ را　　دیکھ سکتے ہو کہاں ذاتِ خدا

ہر کرا باشد زسینہ فتح باب　　جس کے سینے کا ہو دروازہ کھلا
او ز ہر ذرّہ بیند آفتاب　　ذرّوں میں دیکھے گا جلوہ مہر کا

حق پدیست درمیانِ دیگراں　　ذاتِ حق روشن ہے سب کے درمیاں
ہمچو ماہ اندر میانِ اختراں　　چاند ہو تاروں میں جیسے ضوفشاں

دوسرِ انگشت برو و چشم نہ　　[3]انگلیاں آنکھوں پہ رکھ اور سچ بتا
ہیچ بینی از جہاں انصاف دہ　　تجھ کو یہ دنیا نظر آتی ہے کیا؟

ورنہ بینی ایں جہاں معدوم نیست　　گر نہیں تو کیا یہ دنیا مٹ گئی
عیب جز انگشتِ چشمِ شوم نیست　　یا نفس کی تیرگی میں گم ہوئی

[1] قصر سے مراد عرش بریں یعنی اگر تمہاری آنکھیں دنیاوی علتوں سے پاک ہوں اور انہیں صرف بارگاہِ خداوندی کا جلوہ دیکھنے کی آرزو ہو تو پھر تمہیں وہ نظر آئے گا۔

[2] آنحضرتؐ چونکہ خواہشات نفسانی اور ان کے اثرات سے پاک تھے اس لیے وہ جس طرف رخ کرتے ذاتِ خداوندی کا دیدار ہوتا۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے "اینما تو لوا فثم وجہ اللہ" تم جدھر کا رخ کرو وہاں اللہ کی ذات موجود ہے

[3] اگر کوئی شخص انگلیوں سے آنکھیں بند کرے اور اسے دنیا نظر نہ آئے اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا معدوم ہوگئی ہے۔ اسی طرح اگر دنیاوی حرص و ہوس سے دل کی آنکھیں بند ہوں تو دیدارِ حق ممکن نہیں کیونکہ حق ہر طرف موجود ہے۔

تو ز چشم انگشت را بردار ہیں   [1] ہاں ذرا انگلی ہٹا کر آنکھ سے
وانگہا نے ہر چہ میخواہی ببیں   دیکھنا جو چاہتا ہے دیکھ لے

رُو و سر در جامہا پیچیدہ اید   [2] تم نے جب سر اور منہ لپٹا لئے
لا جرم با دیدہ و نادیدہ اید   حیف بینا ہو کے نابینا ہوئے

آدمی دیدست باقی پوست ست   کچھ نہیں ہم چشم بینا کے سوا
دید آنست آں کہ دید دوست ست   دیکھنا بس دیکھنا ہے یار کا

چونکہ دید دوست نہ بود کور بہ   آنکھ وہ جو یار کو دیکھا کرے
دوست کو باقی نہ شد دور بہ   خوب ہے وہ یار جو باقی رہے

[1] جب دل کی آنکھوں پر سے دنیاوی ناپاکیوں کی انگلیاں ہٹالیں تو پھر ذاتِ الٰہی کا مشاہدہ ممکن ہوگا۔

[2] یہاں مولانا قرآن حکیم کی اس آیت کا حوالہ دیتے ہیں جو نوح علیہ السلام کی قوم کے بارے میں ہے۔
استغشو ثیابھم یعنی انہوں نے اپنے کپڑے اپنے اوپر اوڑھ لیے۔ حضرت نوح کی قوم نے ان کی باتیں نہ سننے کی غرض سے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور سر اور منہ کو کپڑے سے ڈھانپ لیا تو حضرت نوحؑ نے جو فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تک تمہارا کفر برقرار ہے ثواب کب آئے گا۔

عرضِ نیاز

بِگِل مخور گِل را مخر بِگِل را مجو　　　۱ خاک مت کھا خاک مت لے چھوڑ دے
زانکہ گِلِ خورست دائم زرد رُو　　　زرد رُو ہو جائے گا تو خاک سے

دل بجو تا دائماً باشی جواں　　　۲ دل کو اپنا تو رہو ہر دم جواں
از تجلّی چہر اَت خوں اَرغواں　　　مثلِ گُل چہرہ ہو تیرا ارغواں

طالبِ دل شو کہ تا باشی چو گُل　　　۳ طالبِ دل بن مہک گُل کی طرح
تاشوی شاداں و خنداں ہمچو مُل　　　مُسکرا مانند مے خوشیاں لُٹا

دل نباشد آنکہ مطلوبش بِگِل است　　　دل وہ کیا جس کو طلب ہو خاک کی
ایں سخن را روئے با صاحب دل است　　　اہلِ دل رکھتے ہیں اس کی آگہی

یارب ایں بخشش نہ حدِّ کارِ ماست　　　۴ یہ بلندی اپنے بس میں سے کہاں
لطف تو لطفِ خفی را خود سزاست　　　لطف لطفِ خاص سے کر مہرباں

دست گیر از دستِ ما مارا بخر　　　آمدو کر اور ہمیں ہم سے خرید
پردہ را بردار و پردہ ما مدر　　　ہم ترے بن کر نہ ہوں رسوا مزید

باز خر مارا ازیں نفسِ پلید　　　نفسِ امارہ کو کر ہم سے جدا
کاردش تا استخوانِ ما رسید　　　جان و دل اِس سے ہیں زخمی اے خدا

۱ وہ افراد جو اپنی قابلیت پر نازاں ہوتے ہیں مولانا فرماتے ہیں کہ یہ عمل مٹی کھانے کے برابر ہے جس سے انسان زرد رو ہو جاتا ہے۔
۲ کسی اہلِ دل کے ہو جاؤ تاکہ تمہیں شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔
۳ وہ دل جو مادیات کا طالب ہو حقیقتاً دل ہی نہیں حقیقی دل تو بے بہا چیز ہے اور متاع بے بہا کسی ارزاں چیز کا شیدائی نہیں ہو سکتا اور اس حقیقت سے اہلِ دل آگاہ ہوتے ہیں۔
۴ دنیا میں رہتے ہوئے دنیاوی رغبتوں سے دامن چھڑانا آسان کام نہیں اس لیے مولانا حق تعالیٰ سے التجا کرتے ہیں کہ اس مشکل کام میں میری مدد فرما۔

از چوما بیچارگاں ایں بندِ سخت   ہم ہیں بے بس تو ہے شاہِ دوسرا
کے کشاید اے شہِ بے تاج و تخت   کون کھولے جز ترے یہ بند پالے

ایں چنیں قفلِ گراں را اے ودو   کون کھولے نفس کا قفلِ گراں ۲
کہ تو اند جز کہ فصلِ تو کشو   جز ترے اے بندہ پرور مہرباں

ماز خود سوئے تو گردانیم سَر   خود ہی آئے ہیں تری جانب سنو
چوں توئی از ما بما نزدیک تر   ۳ ہم سے بڑھ کر ہم سے تم نزدیک ہو

باچنیں نزدیکیِ دوریم دور   اس قدر نزدیک ہو کر دور ہیں
درچنیں تاریکیِ بفرست نور   نور افشانی کرو بے نور ہیں

ایں دعا ہم بخشش و تعلیم تست   ۴ تو نے ہی بخشی ہے توفیق دُعا
ورنہ در گلخن گلستاں ازچہ رُست   ورنہ بھٹی میں ہے کب گلشن کھلا

درمیانِ خون و رودہ فہم و عقل   جسمِ انسانی میں یہ عقلِ رسا
جز ز اکرام تو نتواں کرد نقل   ہے ترے لطف و کرم کا معجزہ

از دو پارہ پیہ ایں نورِ رواں   ۵ اور آنکھوں کی یہ موجِ نور بھی
موج نورش می زند تا آسماں   آسماں کو چھو رہی ہے ہر گھڑی

گوشت پارہ کہ زباں آمد ازو   ۶ گرچہ ٹکڑا گوشت کا ہے یہ زباں
می رود سیلاب حکمت جو بجو   دانش و حکمت کی ہے نہرِ رواں

۱ نفسِ انسانی کی بیڑیاں۔   ۲ نفسانی خواہشات کی بندشیں۔
۳ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ تمہارے نزدیک ہوں۔
۴ انسانی جسم میں عقل جیسی چیز پیدا کرنا قدرت الٰہی کی دوسری مثال ہے۔
۵ انسان کی آنکھوں کو وہ نور عطا کیا جس سے وہ کائنات کا مشاہدہ کرتا ہے قدرت خدا کی تیسری مثال ہے۔
۶ زبان جو محض گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اس سے نکلی ہوئی علم و حکمت کی باتیں کانوں تک پہنچتی ہیں اور کانوں سے دل تک جس سے انسان کا شعور بیدار رہتا ہے۔ یہ ذات الٰہی کی قدرت کی چوتھی مثال ہے۔

سوئے سو راخے کہ نامش گو شہاست　　کان و ہ نعمت ہیں جو جاں کیلئے
تا بباغ جاں کہ میوہ اش ہو شہاست　　علم و عرفاں کے ہیں تحفے بھیجتے

شاہراہِ باغ جانہا شرعِ اُوست　　باغِ جاں کی ہے شریعت سے بہار
باغ و بستا نہائے علام فرعِ اوست　　دوسرے سب باغ اِس کے شاخسار

اصلِ و سر چشمہ خوشی آنست آں　　ہر مسرت کا ہے سرچشمہ وہی
زوو تجری تحتہا الانہار خواں　　دیکھ قرآں میں بشارت [1] خلد کی

قصۂ رنجور گو با مصطفٰے　　مصطفٰے کو [2] داستانِ غم سُنا
زانکہ لطفِ حق ندارو منتہی　　رحمتِ حق کی نہیں ہے انتہا

شکرِ نعمت چوں کنی چوں شکر تو　　[3] شکرِ نعمت کس طرح ہو گا ادا
نعمتِ تازہ بود ز احسانِ اُو　　ہے ادائے شکر بھی دادِ خدا

عجزِ تو در شکر شکر آمد تمام　　شکر حق کرنے میں تیری عاجزی
فہم کن دریاب قد تم الکلام　　بس سمجھ لو ادائے شکر ہی

[1] انسانی علم و حکمت کا سرچشمہ وہی ذات الٰہی ہے۔ جس طرح جنت میں بہنے والی نہریں ہمیشہ رواں ہیں اسی طرح یہ ورنگار عالم کا سرچشمہ دانش و ہدایت بھی سدا جاری و ساری ہے۔ مولانا نے اس آیت میں نہروں سے حکمت الٰہیہ اور معارف خداوندی کی مراد لی ہے۔

[2] آنحضرتؐ کی ذات اور تعلیمات سے ہدایت حاصل کر کے حق تعالیٰ کی بے انتہا نعمتوں سے فیضیاب ہو۔

[3] حق تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا کیسے ممکن ہے اس لیے کہ شکر نعمت بجائے خود ایک نعمت ہے۔ لہٰذا ادائے شکر ایک لامتناہی سلسلہ ہے اس لیے ہر لحظہ شکر ادا کرتے رہنا چاہیے۔

دَرد و دَرماں

گفت پیغمبرؐ کہ یزدانِ مجید[1]   ہے نبیؐ کا قول کہ اللہ نے
از پے ہر درد درماں آفرید   درد کے درماں بھی پیدا کیئے

گرچہ درماں جوئی و گوئی بجاں   گر طلب درماں کی ہے دل سے کہو
کاے خدا درمانِ کارِ من رساں   دکھ دیا ہے اے خدا درماں بھی دو

لیک زاں درماں نہ بینی رنگ و بو   [2] کوئی درماں بھی نہ ہوگا کارگر
بہرِ دردِ خویش بے فرمانِ اُو   حکمِ ربی گر نہ ہو اے ہمسفر

چشم را اے چارہ جو در لامکاں   اے شفا کے ڈھونڈنے والے سدا
ہیں بنہ چوں چشمِ کشتہ سوئے جاں[3]   تو اُسی کے لطف پہ آنکھیں لگا

کون پہ چارہ است وہ ہیچت چارہ نے   ہے ہر اک دکھ کی دوا لیکن شفا
تا کہ نکشاید خدایت روز نے   پائے گا تو اُس کے در سے ہی صدا

ایں جہاں ابے جہت پیدا شدست   یہ جہاں ناپید سے پیدا کیا
کہ ز بے جائے جہاں را جا شدست   اِس کی ہست و بود اُس کی عطا

باز گرو از ہست سوئے نیستی   چھوڑ دنیا ، کر عدم کی جستجو
گر تو از جاں طالبِ مولیٰستی   ہاں جو دل سے طالبِ مولا ہے تو

1 حدیث شریف ہے کہ "خدا نے جو بیماری پیدا کی ہے اس کی دوا بھی پیدا کی ہے۔ لہٰذا حق و باطل میں امتیاز نہ کر سکنے کے مرض کی دوا بھی ضرور موجود ہے۔

2 لیکن دنیا میں کسی مرض کی دوا بشمول جملہ روحانی امراض اس وقت تک کارگر نہیں ہو سکتی جب تک خداوند کریم کا حکم نہ ہو۔

3 سوئے جاں سے مراد حق تعالیٰ

جائے دخل ست ایں عدم از وے مَرَم   ہے عدم میں فائدہ ترساں نہ ہو
جائے خرج است ایں وجودِ بیش و کم   گھٹنے والی ہست پہ نازاں نہ ہو

کارگاہِ صنعِ حق چوں نیستی ست [1]   کار گاہِ صنعِ حق ہے نیستی
جز معطل درجہانِ ہست کیست   اور ہستی ہے حقیقت عارضی

[1] حق تعالیٰ نیستی سے ہستی میں تبدیل کرتا ہے لہٰذا اس کی ایجاد کا تعلق نیستی سے ہے اس لیے رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو نیست بنا لے تاکہ پروردگار عالم تجھے پھر ہست بنا دے اور بقائے ابدی حاصل ہو۔

شیطان کی فتنہ سامانی

استعیذ اللہ من شیطانہٖ　　اے خدا شیطان سے دینا پناہ
قد ھلکنا آہ من طغیانہٖ　　اُس کے حملوں سے ہوئے ہیں ہم تباہ

یک سگ است و در ہزاراں می رود　　اُنگنت افراد کو گمرہ کیا
ہر کہ در وے رفت اُو آں می شود　　جس میں وہ داخل ہوا شیطاں بنا

ہر کہ سردت کرد میداں گو در وست　　ذکرِ حق سے باز رکھے جو تجھے
دیو پنہاں گشت اندر زیر پوست　　ہے وہ شیطاں روپ میں انسان کے

چوں نیاید صورت آید در خیال　　۱ خود نہ ہو ظاہر تو پھر اُس کا خیال
تا کشاند آں خیالت در وبال　　زندگانی کو بناتا ہے وبال

گہ خیالِ فرجہ و گاہے دکاں　　ہے دکان کا اور کبھی زر کا خیال
گہ خیالِ علم و گاہے خان دماں　　اور کبھی منصب کا دولت کا خیال

گہ خیالِ مکسب و سوداگری　　ہے کبھی کسب و تجارت کا خیال
گہ خیالِ تاجری و داوری　　اور کبھی منصب کا دولت کا خیال

گہ خیالِ نقرہ و فرزند و زن　　گاہے زر کا زن کا بیٹے کا خیال
گہ خیال بو الفضول و بو الحزن　　گاہے یاوہ گو کا غمگیں کا خیال

۱ شیطان کی تباہ کاریوں کے لیے ضروری نہیں کہ وہ خود روبرو آئے۔ وہ اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے انسانی خیالات میں شیطنت کا زہر ملا دیتا ہے جو تباہی کا سبب بنتا ہے۔

گہ خیالِ آسیا و باغ و راغ   گاہے چکی باغ و جنگل کا خیال
گہ خیالِ میغ و ماغ و لیغ و لاغ   گہ غم و شادی کا بادل کا خیال

گہ خیالِ آشتی و جنگہا   امن کا گاہے ہزیمت کا خیال
گہ خیالِ نامہا و ننگہا   گاہے عزت گاہے ذلّت کا خیال

گہ خیالِ کالہ و گاہے قماش   ہے کبھی زیور کا ساماں کا خیال
گہ خیالِ مفرش و گاہے فراش   اور کا بھی فرش اور والاں کا خیال

ہیں بروں کن از سر ایں تخییلہا   سر کو اِن آلائشوں سے پاک کر
ہیں بروب از دل چنیں بدحیلہا   دل کو ان فرمائشوں سے پاک کر

ہاں بگو لاحولہا در ہر زماں   ہر گھڑی لاحول پڑھ اے ہم نشیں
از زباں تنہا نہ بل از عینِ جاں   دل سے پڑھ خالی زباں سے ہی نہیں

دُرّ حقائق

بہر ۔ ایں گفتند اکابر در جہاں   اک حقیقت ہے بزرگوں کا بیاں
راحۃ الانسان فی حفظ اللسان   سُکھ ملے گا گر ہو قابو میں زباں

در حدیث آمد کہ تسبیح از ریا   قول نبوی ہے کہ زُہد پُر ریا
ہمچو سبزہ گو لخن واں اے کیا   [۱] جیسے بھٹی میں ہو بونا پُھول کا

پس بداں کہ صورتِ خوب نکو   اچھی صورت خوب ہے لیکن وہی
باخصالِ بدنیز زد یک تسو   عادتیں اچھی نہ ہوں تو ہے بُری

ور بُود صورت حقیر و ناپذیر   خیر ہے اچھی نہ ہو صورت اگر
چوں بُود خُلقش نکو در پاش میر   [۲] اچھی سیرت ہو تو جاں قرباں

صورتِ ظاہر فنا گردد بداں   [۳] ظاہری صورت تو ہوتی ہے فنا
عالمِ معنی بماند جاوداں   اچھی سیرت ہی کو حاصل ہے بقا

چند باشی عاشقِ صورت بگو   چھوڑ اچھی صورتوں کی آرزو
طالبِ معنی شو و معنی بجو   کر حقیقت کی طلب اور جستجو

چند بازی عشق بانقشِ سبُو   [۴] چھوڑ دو جام و سبو کے عشق کو
بگذر از نقشِ سبو آب جُو   جام ہے مے سے طلب مے کی کرو

۱ جس طرح آگ کی بھٹی میں پھول کا پودا بےثمر ہوتا ہے اسی طرح ریاکاری کی عبادت بھی بیکار ہوتی ہے۔
۲ قدردانی اچھی صورت کی نہیں بلکہ اچھی سیرت کی کرنی چاہیے۔
۳ اس لیے کہ اچھی صورت تو فنا ہو کر خاک میں مل جائے گی لیکن اچھی سیرت کے نقوش ہمیشہ دلوں پر باقی رہیں گے۔
۴ ظاہری خوبصورتی کی بجائے اس پاکیزہ روح کی قدر کر جو جسم میں ہے چاہے جسم ظاہراً خوشنما نہ ہو۔

صورتش دیدی ز معنی غافلی — کھو گئے ظاہر میں باطن بھول کر
از صدف دُر را گزیں گر عاقلی — سیپ سے موتی چنو اے خوش نظر

ایں صدفہائے قوالب در جہاں — [۱] جسمِ انسانی صدف ہیں اور یہاں
گرچہ جملہ زندہ انداز بحرِ جاں — فضلِ ربی سے ہیں زندہ بے گماں

لیک اندر ہر صدف نبود گہر — [۲] ہر صدف میں تو نہ پائے گا گہر
چشم بکشا در دلِ ہریک بنگر — ڈھونڈ اُس کو ہر صدف میں جھانک کر

کانچہ دارد ویں چہ دارد می گزیں — جستجو کے بعد چن اے ہمنشیں
زانکہ کمیاب است ایں درِّ ثمیں — ہے بہت کمیاب یہ دُرِ ثمیں

گر بصورت می روی کو ہے بشکل — [۳] ظاہری صورت اگر دیکھیں تو کوہ
در بزرگی ہست صد چنداں کہ لعل — لعل سے صدہا گنا بھاری ہے گو

ہم بصورت دست و پا و چشمِ تو — [۴] جیسے سر اور ہاتھ اور پاؤں ترے
ہست صد چنداں کہ نقشِ چشمِ تو — صد گنا ہیں تیری آنکھوں سے بڑے

لیک پوشیدہ نباشد بر تو ایں — اِس حقیقت سے تو ہے تُو آشنا
کز ہمہ اعضا دو چشم آمد گزیں — سارے اعضا سے ہیں آنکھیں بے بہا

از یک اندیشہ کہ آید در دروں — [۵] گاہے دل کے اک ارادے سے یہاں
صد جہاں گردد بیک دم سرنگوں — خاک ہو جاتا ہے یہ سارا جہاں

۱ انسانی جسم حق تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہیں۔

۲ لیکن جس طرح ہر صدف میں موتی نہیں ہوتا اس طرح ہر جسم میں بھی پاک روح نہیں ہوتی اُسے تلاش کرنا پڑتا ہے۔

۳ جسم کی بڑائی کوئی چیز نہیں۔ لعل جسامت میں چھوٹا ہوتا ہے لیکن پہاڑ سے زیادہ قیمتی۔

۴ انسان کے جسم کے دوسرے اعضاء آنکھوں سے بڑے ہیں لیکن آنکھیں ان سب سے زیادہ قیمتی ہیں۔

۵ انسان کا فکر و خیال بھی معنوی چیز ہے جو سینکڑوں ظاہری ساز و سامان کو تباہ کر سکتا ہے جیسے کسی حکمران کا ایک خیال یا ارادہ بے حد تباہ کاریوں کا سبب بن سکتا ہے۔ آئندہ دو اشعار میں اسی بات کی وضاحت کی گئی ہے۔

جسمِ سلطاں گر بصورت یک نُود   [1] دیکھنے میں ایک ہے سلطاں مگر
صد ہزاراں لشکرش درپے دَود   ہیں ہزاروں لشکری زیرِ اثر

باز شکل و صورتِ شاہِ صفی   پھر اُسی سلطاں کے سارے فیصلے
ہست محکومِ یکے فکرِ خفی   ہیں سدا محتاج اس کی فکر کے

خلق بے پایاں زیک اندیشہ بیں   ہاں خدا کے اک ارادے سے یہاں
گشتہ چوں سیلے روانہ برزمیں   سیل کی مانند خلقت ہے رواں

خلقِ عالم چوں رَمہ ست و حق شباں   خلق ہے ریوڑ خدا ہے پاسباں
میدواند جملہ را روز و شباں   رات دن رکھتا ہے وہ سب کو دواں

پس چومی بینی کہ از اندیشۂ   [2] اِک اِرادے کی ہے تابع کائنات
قائم است اندر جہاں ہر پیشۂ   اک ارادے سے ہے دنیا کو ثبات

خانہا و قصر ہا و شہر ہا   یہ محل اور یہ مکاں یہ بستیاں
کوہھا وُ دشت ہا وُ نہر ہا   دشت و جنگل کو ہسار اور ندیاں

ہم زمین و بحر ہم مہر و فلک   [3] اُس کے دم سے بحر و بر اور آسماں
زندہ از وے ہمچو از دریا سمک   زندہ ہیں دریا سے جیسے مچھلیاں

پس چرا از ابلہی پیش تو کور   [4] عقل کا اندھا ہے تو تیرے لیے
تن سلیمان ست و اندیشہ چو مور   تن سلیماں ہے ارادہ مور ہے

[1] بادشاہ کا ایک جسم لاکھوں افراد پر اپنی باطنی خوبی کے سبب حکمرانی کرتا ہے اور پھر اسی بادشاہ کا جسم اپنے خیال و فکر کا تابع ہے۔ لہٰذا فضیلت معنی اور باطن کو حاصل ہے ظاہری جسم کو نہیں۔

[2] تمام کائنات اللہ تعالیٰ کے ارادے سے قائم ہے اور تمام چیزوں کی بقا اس کے ارادے سے وابستہ ہے جس طرح مچھلی کی زندگی کا دارومدار دریا پر ہے۔

[3] جس طرح مچھلیاں دریا کے پانی سے زندگی پاتی ہیں اسی طرح زمین و آسماں کی ہر شے بھی قدرتِ الٰہی سے زندہ اور برقرار ہے۔

[4] متعدد مثالوں سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ اصل خوبی باطن کی ہے نہ کہ ظاہری۔ لہٰذا جسم کو حضرت سلیمان جیسا قوی اور فکر کو چیونٹی جیسا کمزور سمجھنا حماقت ہے۔

عالم اندر چشمِ تو ہولِ عظیم ۱ دہر کی ہر چیز سے ڈرتا ہے تو
ز ابر و برق و رعد داری لرز و بیم برق و باراں سے بھی تھراتا ہے تو

وز جہانِ فکرتی اے گم ز خر ۲ فکر کی بربادیوں سے اے پسر
ایمن و غافل چو سنگِ بے خبر کیوں ہے پتھر کی طرح تو بے خبر

زانکہ نقشی و ز خردبے بہرۂ تو کہ بے عقل و گماں تصوری ہے
آدمی خو نیستی خر کرۂ مثِ خر بے دانش و تدبیر ہے

جہلِ محضی و زخرد بیگانۂ ۳ جہلِ کُل دانش سے بیگانہ ہے تو
تُو نداری از خدا دیوانۂ اور خدا سے دور دیوانہ ہے تو

سایہ را تو شخص می بینی ز جہل ۴ تم کو سائے پر بھی ہے تن کا گماں
شخص ازاں شد نزدِ تو بازی و سہل اصل کی وقعت نہیں تم پہ عیاں

۱ انسان اجسام سے تو ڈرتا ہے لیکن فکر و خیال سے جو تباہیاں آ سکتی ہیں ان سے بے خبر ہے۔
۲ دینی معاملات کے ذکر و فکر سے ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے جب کہ دنیاوی الجھنوں میں کھو جانے سے مسائل بڑھتے ہیں۔
۳ عقل و دانش سے بے بہرہ غور و فکر سے محروم ہوتا ہے جبکہ غور و فکر سے ہی معرفتِ حق پیدا ہوتی ہے۔
۴ تم نے غیر مقصود کو مقصود اور مقصود کو غیر مقصود بنا رکھا ہے۔

حرفِ راز

ہر کجا دردے دوا آنجا رود   [1] درد ہو تو درد کا درماں بھی ہے
ہر کجا فقرے نوا آں جا رود   فقر ہو تو فقر کا ساماں بھی ہے

ہر کجا پستی ست آب آنجا رود   ہو جہاں پستی وہاں پانی گرے
ہر کجا مشکل جواب آنجا رود   ہو کوئی مشکل تو اس کا حل ملے

آب کم جو تشنگی آور بدست   تشنہ لب رہ چھوڑ پانی کی تلاش
تا بجو شد آبت از بالا و پست   ہوگی خود پانی کو پھر تیری تلاش

تا سقاھم ربھم آید خطاب   "دستِ باری سے ہوئے سیراب وہ"
تشنہ باش اللہ اعلم بالصواب   قولِ حق ہے تشنہ رہ بے فکر ہو

آبِ رحمت بایدت روپست شو   آبِ رحمت چاہیے تو پست ہو
وانگہاں خور خمرِ رحمت مست شو   جامِ رحمت نوش کر اور مست ہو

رحمت اندر رحمت آید تا بسر   رحمتوں پہ رحمتیں حاصل کرو
بر یکے رحمت فرو ما اے پسر   اکتفا کیوں ایک ہی رحمت پہ ہو

چرخ را در زیرِ پا آر اے شجاع   [2] اے بہادر لا فلک کو زیرِ پا
بشنو از فوقِ فلک بانگِ سماع   عرش سے سن عرش والے کی صدا

پنبہ وسواس بیروں کن ز گوش   [3] وسوسوں کی روئی کانوں سے نکال
تا بگوشت آید از گردوں خروش   تا کہ سن پائے صدائے ذوالجلال

[1] دوا کی منزل درد ہے اور بخشش وعطا کی فقر۔ [2] زہد وتقویٰ سے وہ مقام حاصل کرو کہ آسمان کی بلندیاں ہیچ ہو جائیں اور تم صدائے ربّانی سن سکو۔ [3] اپنے دل ودماغ کو شیطانی وسوسوں سے پاک کرو پھر تم اسرارِ الٰہی سے معرفت حاصل کر سکو گے۔

پاک کن دو چشم را از خوئے عیب — دور کر آنکھوں سے ہر اک عیب کو
تا بہ بینی باغ و سروستانِ غیب — دیکھ پاؤ گے بہارِ غیب کو

کندۂ تن را ز پائے جاں بکن — دے[1] رہائی جاں کو تن کے بند سے
تا کند جولاں بگردِ آں چمن — تا کہ وہ اس باغ میں رقصاں رہے

ور نمی تانی بہ کعبہ لطف پر — خود نہ کر پاؤ تو کعبہ[2] کو چلو
عرضہ کن بیچارگی بہ چارہ گر — چارہ گر سے ماجرائے دل کہو

زاری و گریہ قوی سرمایہ ایست — آہ و زاری[3] پُر اثر پُر کار ہے
رحمت کلی قوی تر دایہ ایست — رحمت کُل سب کی پالنہار ہے

دایہ و مادر بہانہ جو بود — ماں[4] کو دائی کو بہانہ چاہیے
تا کہ آں طفلِ اُو گریاں شود — ہر گھڑی بچے کے رونے کے لئے

طفل حاجات شما را آفرید — رب نے پیدا کی ہیں تیری حاجتیں
تا بنالید و شود شیرش پدید — جب بھی تو رویا روا کیں حاجتیں

گفت اُدعو اللہ بے زاری مباش — یاد کر رو کر ہے ارشادِ خدا
تا بجوشد شیرہائے مہر ہاش — تا کہ[5] آئے جوش میں شیرِ عطا

ہائے دھوئے بادِ شیر افشانِ ابر — ابرِ رحمت ہے برسنے کو ذرا
در غم ما اندیک ساعت تو صبر — صبر کر آئے گی رحمت کی ہوا

1. روح کو تن یعنی دنیاوی آلائشوں کے بندھن سے نجات دلاؤ تا کہ وہ آخرت کے گلزار میں خوشی خوشی محوِ خرام ہو۔
2. یہاں کعبہ سے مراد شیخ کامل ہے یعنی کسی شیخ سے رہنمائی حاصل کرو تا کہ گمراہی سے بچ سکو۔
3. خدا کی رحمت کو متوجہ کرنے کا سب سے موثر ذریعہ آہ و زاری ہے۔
4. جس طرح ماں یا دائی اس لمحے کی منتظر ہوتی ہے کہ جب بچہ روئے تو وہ اسے خوراک دے اسی طرح اللہ کی رحمت بھی اس بات کی منتظر ہوتی ہے کہ انسان آہ و زاری سے اس کا کرم طلب کرے اور وہ اسے عنایتوں سے نوازے۔
5. ارشادِ خداوندی ہے کہ آہ و زاری سے رحمتِ حق میں جوش آتا ہے۔

فی السماءِ رزقکم نشنیدۂ   رزق ہے تیرا فلک پہ جان لے
اندریں پستی چہ تر چسفیدۂ   کیوں ہو پھر پستی سے تم چمٹے ہوئے

ترس و نومیدیت آوازِ غول   خوف [1] و نومیدی کے دھوکے میں نہ آ
می کشد گوش تو تا قعرِ سفول   گمرہی کی گھاٹیوں سے جاں بچا

ہر ندائے کاں ترا بالا کشد   جو صدا لیجائے اوپر فرش سے
آں ندائے واں کہ از بالا رسد   وہ صدا آئی ہے بیشک عرش سے

ہر ندائے کو ترا حرص آورد   جو صدا [2] پیدا کرے حرص و ہوا
بانگِ گرگے واں کہ اُو مردم دَرد   وہ درندہ بھیڑیے کی ہے صدا

ایں بلندی نیست محتاجِ مکاں   یہ بلندی [3] کب ہے محتاجِ مکاں
ایں بلند یہاست سوئے عقل و جاں   یہ عروج عقل و جاں کا ہے نشاں

ہر سبب بالا تر آمد از اثر   سب سبب اپنے ثمر سے ہیں بلند
سنگ و آہن فائق آمد بر شرر   سنگ و آہن بھی شرر سے ہیں بلند

سنگ و آہن زیں جہت کہ سابق است   ہاں [4] یہ شرر جو بعد میں پیدا ہوا
در عمل فوقِ ایں دو لائق است   سنگ و آہن سے ہے خوبی میں سوا

در زماں شاخ از ثمر سابق ترست   شاخ ہے پہلے مگر اس کا ثمر
قدر ہنر از شاخ او فائق ترست   خوبیوں میں شاخ سے ہے خوب تر

1. رزق کی کمی کا خوف شیطانی وسوسہ ہے اس میں مبتلا ہو کر رزق حلال کی جدوجہد کو ترک نہیں کرنا چاہیے قرآن پاک میں ارشاد ہے "الشیطان یعدکم الفقر" شیطان تمہیں فقر کی دھمکی دیتا ہے۔
2. بھیڑیے سے مراد شیطان ہے۔
3. پہلے شعر میں لفظ بالا بمعنی بلندی یا فوقیت کے استعمال کیا ہے جبکہ یہاں بلندی کی نوعیت روحانی اور عقلی اعتبار سے ہے۔
4. اب مولانا مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں اگرچہ پتھر اور لوہے کو سبب ہونے کے اعتبار سے فوقیت حاصل ہے لیکن شرر مقصود ہونے کے باعث سبب پر فوقیت کا حامل ہوتا ہے۔

مومن کی دُعا کی قبولیت میں تاخیر کا سبب

اے بسا مخلص کہ نالد در دُعا　　جب بھی کی مخلص نے رو رو کر دُعا
دودِ اخلاصش برآید تا سما　　تا فلک پہنچا دھواں اخلاص کا

تا رَود بالائے ایں سقف بریں　　جب پہنچتا ہے زمیں سے عرش پہ
بوئے مُجمرِ آنینِ المذنبین　　پُر خطا کی آہ و زاری کا اثر

پس ملائک با خدا نالند راز　　رو کے کہتے ہیں فرشتے اے خدا
کاے مجیب ہر دعا و مستجار　　تو کہ ہے ایک کا حاجت روا

بندہ مومن تضرع می کند　　ملتجی ہے بندہ مومن ترا
اُونمی داند بجز تو مستند　　ہے اُسے تو بس ترا ہی آسرا

تو عطا بیگانگاں رامی دہی　　تو کہ ہے اغیار پہ بھی مہرباں
از تو دارد آرزو ہر مشتہی　　منتظر تیرے کرم کا سب جہاں

حق بفر ماید نہ از خواری اُوست　　حق[1] نے فرمایا نہیں اس کی خطا
عین تاخیر عطا یاری اُوست　　ہے مدد اُس کی یہ تاخیرِ عطا

نالہ مومن ہمیداریم دوست　　ہے مجھے مومن کا یہ رونا[2] پسند
گو تضرع کن کہ ایں اعزاز اُوست　　ہاں کہو روئے کہ ہو گا سربلند

[1] رب رؤف ورحیم فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ اس بندے کی دعا کی قبولیت میں تاخیر اس کی خطاؤں کے باعث نہیں بلکہ یہ تاخیر اس کی بہتری اور بھلائی کے لیے ہے۔

[2] حق تعالٰی فرماتے ہیں کہ مجھے بندہ مومن کا رونا اور آہ وزاری کرنا پسند ہے اُسے کہو کہ وہ اپنی فریاد اور گریہ وزاری جاری رکھے اُسی سے اُسے سربلندی حاصل ہوگی۔

حاجت آوردش ز غفلت سوئے من　　دکھ ملا تو مجھ سے غفلت ترک کی
آں کشیدش موکشاں در کوئے من　　کھینچ لایا دُکھ اُسے میری گلی

گر بہ آرم حاجتش اُو وا زود　　گر کروں لے حاجت روا تو دیکھنا
ہمدرآں بازیچہ مستغرق شود　　پھر اُنہیں کھیلوں میں وہ کھو جائے گا

گرچہ می نالد بجاں یا مستجار　　دل شکستہ سینہ خستہ سوگوار
دل شکستہ، سینہ خستہ، سوگوار　　دل سے جب رو کر کہے یا مستجار

خوش ہمی آید مرا آوازِ اُو　　ہاں بھلی لگتی ہے اس کی یہ ندا
واں خدایا گفتن و آں رازِ اُو　　جب بھی وہ کہتا ہے دل سے یا خدا

1 اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر میں فوراً ہی اس کی دعا قبول کرکے اس کی حاجت روائی کردوں تو وہ پھر دنیاوی معاملات میں کھو جائے گا۔ جب کہ دعا کی قبولیت میں تاخیر میرے حضور عجز و انکسار سے محو التماس رہے گا اور مجھ سے اس کا رابطہ استوار رہے گا۔

عجز وانکسار

من کہ باشم کہ بگویم عفو کن　　میں بھلا کیا ہوں کہ کہدوں بخش دو
اے تو سلطان و خلاصہ "امر کن"　　تم ہو مالک تم ہی کن کی جان ہو

من کہ باشم کہ بومن ما منت　　میری ہستی کیا ہے تیرے سامنے
اے گرفتہ جملہ منہا دامنت　　ہیں سبھی وابستہ دامن سے ترے

صدر ہزاراں صلع را ارزانیم　　میں[1] سزا وار سزا ہوں گر مجھے
گر زبونِ صفعہا گردانیم　　تو سزاؤں کے بھی لائق جان لے

من کیم تا پیش اعلاے کنم　　میں ہوں کیا جو کچھ کہوں اے محترم
یا کہ ویادت وہم شرطِ کرم　　یاد دلواؤں تجھے شرطِ کرم

اے تو پاک و جہل و علت پاک ازاں　　پاک[2] ہے تو اور تیرا علم بھی
کہ فراموشی کند ویرانہاں　　بھول سے وہ چھپ نہیں سکتا کبھی

ہیچکس را تو کے انگاشتی　　ہیچ تھا میں تو نے اعلیٰ کر دیا
ہیچو خورشیدش بہ نور افراشتی　　اور سورج کی طرح روشن کیا

چوں کسم کر دی اگر لابہ کنم　　ہیچ سے اعلیٰ کیا تو اے خدا
مستمع شو لابۂ اُم را از کرم　　التجا ہے رحم کر سن التجا

زانکہ از نقشم چو بیروں بُردۂ　　میری ہستی سے مجھے بالا کیا
آں شفاعت ہم تو خود را کردۂ　　تو نے[3] یہ کرنے کو خود سے خود کہا

۱ میں اپنے اعمال کے سبب سزا کا مستحق ہوں، ہاں اگر تو مجھے سزا کے قابل بھی سمجھے۔
۲ تیری ذات جہل سے پاک ہے اور تیرا علم بھی، اس لیے کوئی بھول کی چیز تجھ سے چھپا نہیں سکتی۔
۳ تیرے کرم سے میں اب میں نہیں رہا لہٰذا یہ کرم بھی تو نے خود ہی کیا۔

ہم دعا از من رواں کر دی چو آب   کی دُعا لب پہ رواں مانند آب
ہم ثباتش بخش و گرداں مستجاب   اَب سدا جاری رہے ہو مستجاب

ہم تو بودی اوّل آرندہ دُعا   کی[1] عطا تو نے ہی توفیق دُعا
ہم تو باش آخرا جابت را رجا   تو ہی بن اس کی اجابت کی رجا

درد بودم سر بسر من خود پسند   خود نگر[2] تھا میں سراسر درد تھا
کرد شاہم داروئے ہر درد مند   ہر دکھی کا شہ نے درماں کر دیا

دوزخے بودم پُر از شور و شرے   میں کہ اک دوزخ تھا شر و شور کا
کر دوستِ فضل اویم کوثرے   اُس کے دستِ فیض سے کوثر ہوا

ہست دوزخ ہمچو سرمائے جہاں   کیا ہے دوزخ جیسے جاڑوں کی خزاں
ہست کوثر چوں بہار و گلستاں   کیا ہے کوثر فصلِ گل اور گلستاں

ہست دوزخ ہمچو مرگ و چوں فنا   کیا ہے دوزخ جیسے ہو مرگ و فنا
ہست کوثر نفخ صور از کبریا   کیا ہے کوثر رحمتِ حق کی صدا

اے ز دوزخ سوختہ اجسامِ تاں   نارِ دوزخ کے جلوں کو دمبدم
سوئے کوثر میکشد اکرامِ تاں   سوئے کوثر ہے کشاں تیرا کرم

چوں خلقتُ الخلق کے یَربح عَلَی   ”خلق[3] کو پیدا کیا بہرِ کرم“
لطف تو فرمودائے قیوم وَحَی   تو نے فرمایا ہے ربِ محتشم

لاَلِاَن اَربَح عَلَیہِم جودِ تست   ”میں نہیں محتاج ان کے لطف کا“
کہ شود زو جملہ ناقصہا درست   رحم فرما قول ہے یہ بھی ترا

[1] اے خدا تو نے ہی مجھے اپنے حضور دعا کرنے کی توفیق بخشی ہے اب تو ہی اس کی قبولیت کی اُمید بن۔ [2] اللہ کے کرم نے درد کو درماں اور دوزخ کو کوثر بنا دیا۔ [3] حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے کہ میں نے مخلوق اس لیے پیدا کی ہے کہ وہ مجھ سے فائدہ اٹھائے نہ کہ اس لیے کہ میں اس سے فائدہ اٹھاؤں۔

عفو کن ایں ناقصاںِ تن پرست — تن پرستوں ناقصوں کو بخش دے
عفو از دریائے عفو اولیٰ ترست — بخشا ہی بحرِ بخشش کو سجے

گر چہ بشکستند جامت قوم مست — گرچہ[1] توڑے جام قوم مست نے
آنکہ مست از تو بود عذریش ہست — لائق بخشش ہیں مستانے ترے

اے شہنشہ مستِ تخصیص تو اُند — مست ہیں وہ تیرے لطف خاص سے
عفو کن از مستِ خود اے عفومند — تو ہے بخشنہار اُن کو بخش دے

چونکہ مستم کردہٗ حدّم مزن — خود[2] کیا ہے مست پھر کیسی سزا
شرع مستاں را نیارد حد زدن — نشّے میں شرعاً سزا ہے ناروا

چوں شوم ہشیار آنگاہم بزن — ہوش[3] آ جائے تو پھر دینا سزا
کہ نخواہم گشت خود ہشیار من — ہوش میں خود ہی نہ ہرگز آؤں گا

ہر کہ ازجام تو خورد اے ذُوالمِنَن — جس نے تیرے خُم سے پی بندہ نواز
تا اَبد رست ازہُش و از حد زدن — ہو گیا ہوش و سزا سے بے نیاز

خالدین فی فَنَاءِ سُکرِھِم — اپنے نشّے میں سدا وہ مست ہیں
مَن یَفْنیٰ فِی ھواکُم لم یَقُم — مٹ کے تیرے عشق میں جو مست ہیں

کوہہا چوں ذرّہ ہاسر مست تو — کوہ اور ذرّے سے سبھی تجھ پہ نثار
نقطہ و پرکار و خط در دستِ تو — ساری دنیا پہ ہے تجھ کو اختیار

از تقاضائے تو می گردد سرم — تیری[4] رحمت سے ثنا خواں ہوں ترا
اے بمردہ من بہ پیشِ آں کرم — اِس کرم پہ جاں سے شیدا ہوں ترا

[1] اگرچہ انسانوں نے حق تعالیٰ کے عطا کردہ انعامات سے استفادہ نہیں کیا لیکن چونکہ وہ اس کی عنایات سے مست ہیں اس لیے بخشش کے مستحق ہیں۔ [2] جب تو نے خود ہی مست کیا ہے تو پھر مستی کی سزا کسی از روئے شریعت بھی مستی کی حالت میں سزا نہیں دی جاسکتی۔
[3] میں جب ہوش میں آجاؤں تو پھر سزا دینا لیکن اسے پروردگار میں خود بھی ہوش میں نہیں آؤں گا، اس لیے کہ عشق حقیقی کی مستی ابدی ہوتی ہے۔ [4] میں جو تیری ثناخوانی کرتا ہوں، یہ بھی تیری ہی مہربانی کا نتیجہ ہے۔

رغبتِ ما از تقاضائے تو است　　میری یہ رغبت بھی ہے تیری عطا
جذبہ حق ست ہر جا رہروست　　جذبہ حق ہے سبھی کا رہنما

خاک بے بادے بپالا کے جہد　　خاک لے اُڑتی ہے ہوا کے دوش پہ
کشتی بے بحر پا در رہ نہد؟　　آب دریا سے ہے کشتی کا سفر

زاب حیواں ہست ہر جاں را نوی　　آب حیواں زندگی بخشے مگر
لیک آب آب حیوانی توئی　　ہے تجھی سے آب حیواں میں اثر

ہر دمے مرگے و حشرے دادیم　　زندگی اور موت بخشی دمبدم
تاپدیدم دستبردِ آں کرم　　ہر طرف غالب رہا تیرا کرم

ل　غبار ہوا کے سہارے اُڑتا ہے، کشتی دریا کی موجوں کے سہارے چلتی ہے، اسی طرح ہمارا ہر کام بھی تیرے ہی سہارے سے ہوتا ہے۔

اعمال نیک

لا بد من قرین یدفن معک وھو حی وتدفن معہ وانت میت وان کان کریماً اکرمک وتدفن معہ وان کان کریماً اکرمک وان کان لیما اسلمد وذالک القرین عملک فاصلحہ ما ستطعت

آنحضورؐ کے قول کی تفسیر کہ "ایک ساتھی ضروری ہے جو تیرے ساتھ زندہ دفن ہوگا اور تو مردہ اس کے ساتھ دفن ہوگا تو اگر وہ شریف ہے تو تیری عزت کرے گا اور اگر کیمہ ہے تو تجھے چھوڑ بھاگے گا اور یہ ساتھی تیرا عمل ہے پس جس قدر ممکن ہو تو اس کی اصلاح کر۔

پس پیمبر گفت بہر ایں طریق ہے یہ فرمان نبیؐ سن غور کر
با وفا تر از عمل نبود رفیق ہیں عمل اچھے ہی اچھے ہمسفر

گر بود نیکو ابد یارت شود گر وہ اچھے ہیں تو ہونگے یارِ غار
ور بود بد در لحد مارت شود اور بُرے ہوں تو لحد میں جیسے مار

ایں عمل ویں کسب در راہِ سداد یہ عمل یہ نیکیاں یہ کارِ خیر
کے تواں کرد اے پدر بے اوستاد کون پا سکتا ہے رہبر کے بغیر

دوں تریں کسے کہ در عالم رَوَد کمترین پیشہ بھی دنیا میں بتا
ہیچ بے ارشادِ استادے بُوَد کسی نے بے استاد سیکھا ہے بھلا

اوّلش علم ست وانگاہے عمل علم حاصل کر عمل کے واسطے
تا دہد بَر بعدِ مہلت تا اَجل پاسکو گے پھل ہمیشہ کے لیے

اِستَعِینُو فِی الحِرَف یَاذَا النُّہیٰ اُس سے پیشے میں مدد حاصل کرو
مِن کَرِیمًا صَالِحٍ مِن اَھلِہا نیک ہو اچھا ہو اور جو اہل ہو

اُطْلُبِ الدُّرَ اَخِی وَسَطَ الصَّدَفْ سیپ میں ڈھونڈو گہرائے ہم نسب
وَاطْلُبِ الْفَنَّ مِنَ اَرْبَابِ الحِرَفْ اور کرو پیشہ وروں سے فن طلب

اِنْ رَاَیْتُم نَاصِحِیْنَ اَنْصِفُو غور سے ناصح کی باتوں کو سنو
بَادِرُو اَلتَّعلِیْم لَا تَسْتَنْکِفُو علم کو ڈھونڈو تکبر مت کرو

در دباغی گر خلق پوشید مَرد رنگ والے کا لباس کمتریں
خواجگی خواجہ را آں کم نہ کرد اُس کی حیثیت کو کم کرتا نہیں

وقت دم آہنگرا رپوشید دلق کام پہ لوہار ہو گدڑی میں بھی
احترامِ اُوشد کم پیش خلق اُس کی عزت گھٹ نہیں سکتی کبھی

پس لباس کبر بیروں کن ز تن دور کرتن سے یہ نخوت کا لباس
مَلبَسِ ذُل پوش در آموختن سیکھنے میں اوڑھ ذلت کا لباس

فقر خواہی آں بصحبت قائم ست فقر والے دیں گے دولت فقر کی
نے زبانت کار می آید نہ دست زورِ بازو سے نہیں ملتی کبھی

دانش انوارست در جانِ رجال علم حق[1] تو اولیاء کے دل میں ہے
نے زِ راہ دفتر و نے قیل و قال یہ نہیں ملتا کتاب و درس سے

دانش آنراستاند جاں زِ جاں دل سے دل کو منتقل ہوتا ہے یہ
نے زراہِ دفترو نے از زباں کب کتاب و وعظ سے ملتا ہے یہ

در دلِ سالک اگر ہست آں رموز راز ہیں سالک کے دل میں جس قدر
رمزدانی نیست سالک ہنوز ہے وہ اُن رازوں سے اب تک بے خبر

[1] انوارخداوندی کا علم اولیاء کے دلوں میں محفوظ ہے اور اسے ان سے دلی وابستگی کے ذریعے ہی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ محض زبان اور کتابوں سے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

تا دلش را شرح آں سازد ضیا | نورِ حق [1] سے جب وہ پائے گا جلا
پس اَلَم نَشرَح بفرمائید خدا | پھر اَلَم نَشرَح کی آئے گی صدا

کہ درونِ سینہ شرحت دادہ ایم | کی عطا تفسیرانِ اسرار کی
شرح اندر سینہ ات بنہادہ ایم | کی عطا سینے کو تیرے روشنی

تو ہنواز از خارج آں را طالبی | پھر بھی [2] باہر سے طلب کرتا ہے تو
محلبی از دیگراں چوں حالبی | دودھ ہے تو دودھ کیوں دوہتا ہے تو

چشمہ شیرست در تو بے کنار | تیرے اندر دودھ ہے بے انتہا
تو چرامی شیر جوئی از تقار | پھر گڑھے میں دودھ کیوں ہے ڈھونڈتا

منفذے داری بہ بحر اے آبگیر | جب سمندر تک رسائی ہے تیری
ننگ دار از آب جستن از غدیر | حوض سے پانی کا لینا بے حسی

کہ اَلَم نَشرَح نہ شرحت ہست باز | کر دیا ہر راز سے جب آشنا
چوں شدی تو شرح جوی وگدیہ ساز | ہر طرف پھر ڈھونڈتا پھرتا ہے کیا

در نگر در شرح دل در اندروں | راز [3] دل کی جستجو دل میں کرو
تا نیاید طعنہ لا یُبصِروں | "وہ ہیں نابینا" کا طعنہ کیوں سنو

[1] جب سالک کے لیے نورِ حق اندی ان اشاروں کی تشریح کر دیتا ہے تو اللہ کی جانب سے الم نشرح کی بشارت ملتی ہے قرآن حکیم میں آنحضورؐ سے فرمایا گیا ہے کہ "کیا ہم نے تمہارا شرح صدر نہیں کر دیا" یعنی تمہیں وہ نورِ عنایت نہیں کر دیا جس سے تم رموزِ ازلی کو سمجھ سکو۔

[2] حق تعالیٰ نے انسان کے دل کو اسرار و علوم سے مالا مال کیا ہے پھر باہر سے ان کا طلب کرنا بے معنی ہے۔

[3] انسان کا دل ایک جامع حقیقت ہے اس میں ذات و صفاتِ حق اندی کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے جو مشاہدہ نہیں کر سکتا وہ کفار کی طرح اندھا ہے۔

طلب

گفت آں درویش اے دانائے راز　　یوں کہا درویش نے اے راز داں
از پے ایں گنج کر دم یاوہ تاز　　تھا خزانہ کا تجسس رائیگاں

من ز دیگ لقمہ نندوختم　　دیگ[1] سے کچھ بھی نہ حاصل کر سکا
کف سیاہ کر دم وہاں را سوختم　　آستیں کالی ہوئی منہ جل گیا

قول حق را ہم ز حق تفسیر جو　　حق[2] سے پوچھو قول حق کا راز بھی
ہیں مخاژ اژ از گماں اے یاوہ گو　　چھوڑ دو سب بدگمانی اے غبی

آں گرہ کو زد ہموبکشایدش　　جو لگاتا ہے گرہ کھولے گا وہ
مہرہ کو انداخت اُو بر بایدش　　مہرہ رکھا ہے تو سرکائے گا وہ

گرچہ آسانت نمود ایں ساں سخن　　گو نظر آتا ہے آساں یہ بیاں
کے بود آساں رموِ من لدن　　ہے[3] لدن کا راز مشکل اور گراں

گفت یا رب توبہ کر دم زیں شتاب　　جلد[4] بازی سے ہوں تائب رب مرے
چوں تو در بستی تو کن ہم فتحیاب　　خود کیا ہے بندہ جو در کھول دے

بر سرِ حرفہ شد بارِ دگر　　جہد نو اور جستجو کرنی پڑی
در دعا کردن بدم من بے ہنر　　بے[5] ہنر تھا میں دعا کرنے میں بھی

1. یعنی خزانے کی تلاش سے تکلیف اور مایوسی کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔
2. قرآن خود اپنی تفسیر ہے۔ اسی سے رشد وہدایت حاصل کرو۔
3. اگرچہ قرآن حکیم آسان بھی ہے لیکن اس کے اسرار ورموز کو سمجھنے کے لیے گہرے غور وفکر کی ضرورت ہے۔
4. یہاں سے مولانا پھر درویش کا بیان شروع کرتے ہیں اس سے پہلے تین اشعار میں وہ دست قدرت کی کارفرمائی کا ذکر فرماتے ہیں۔
5. میں نے خزانہ حاصل کرنے کے لیے دعا کی لیکن میرا انداز ناقص تھا اس لیے میری دعا قبول نہ ہوئی اور مجھے دوبارہ محنت کرنا پڑی۔

کو ہنر، کو من ، کجا دل مستوی   میں کہاں کیسا ہنر کیسا قرار
ایں ہمہ عکس تو ہست و خود توئی   تو[1] ہے خود اور عکس تیرا کردگار

ہر شبے تدبیر و فرہنگم بخواب   عقل ہو گم[2] نیند میں کچھ اس طرح
ہمچو کشتی غرقہ می گردد در آب   غرق ہو پانی میں کشتی جس طرح

خود نہ من می مانم ونے آں ہنر   میں بھی گم میرا ہنر بھی بے اثر
تن چو مروارے فتادہ بے خبر   جسم ہے مردے کی صورت بے خبر

تا سحر جملہ شب آں شاہِ عُلا   رات بھرتا صبحدم شاہِ عُلا
خود ہمی گوید الست وہم بلیٰ   خود ہی کہتا ہے الست و خود بلیٰ

کو بلیٰ گوا جملہ را سیلاب بُرد   جو بلیٰ کہتے تھے کیا سیل بلا
یا نہنگے کرد کل را خُرد مُرد   لے گیا اُن کو مگرمچھ کھا گیا

صبحدم چوں تیغ گوہر دار خود   جب سحر کھینچے ہے تیغ آب دار
از نیاز ظلمت شب بر کشد   شب کی تاریکی کو کر کے تار تار

ہر یکے گوید بہ ہنگام سحر   ہر کسی کے لب پہ ہوتا ہے رواں
چوں ز بطن حوت شب آید بدر   جب وہ بطن شب سے ہوتا ہے عیاں

کاے کریمے کا ندراں لیل و حش   شب کہ پُر وحشت تھی تو نے مہرباں
گنج رحمت بُہی و چندیں چشش   اپنی قدرت سے کیا راحت فشاں

چشم تیز و گوش تازہ تن شبک   چشم و گوش و تن سبھی تازہ ہوئے
از شب ہمچوں نہنگ ذوالحبک   کالی کالی زلف والی رات سے

[1] لیکن ایسے حضرات کو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ ذات باری سے انہیں بھی رہنمائی حاصل ہوگی۔
[2] ہم جب معدوم تھے تو اُسی کے کرم سے وجود میں آئے۔ اگرچہ ہم میں اس کا کوئی استحقاق نہ تھا۔ خدائے بزرگ و برتر کا دستِ کرم مستحق اور غیر مستحق سب کو عطا کرتا ہے۔

از مقامات وحش روزیں سپاس　　پھرے[1] بھلا ہم پُر خطر حالات سے
ہیچ نگریزم ماچوں تو کس　　ڈر کے بھاگیں کیوں تیرے ہوتے ہوئے

موسیٰ آں را نار دید و نور بُود　　جس[2] کو موسیٰ آگ سمجھا تھا وہ نور
زنگی دیدیم شب را حور بود　　شب کو ہم سمجھے تھے حبشی تھی وہ حور

مانمی خواہیم غیر از دیدۂ　　آنکھ[3] مل جائے تو پھر کیا چاہیے
دیدۂ تیزے کشے بگریدۂ　　اے خدا بس چشم بینا چاہیے

بعد ازیں ما دیدہ خواہیم از تو بس　　تجھ سے ہے بس چشم بینا کی طلب
تا نبوشد بحر راخاشاک و خس　　کچھ بھی پوشیدہ نہ ہو اے میرے رب

چشم بند خلق جز اسباب نیست　　کھو گئی[4] اسباب میں سب کی نظر
ہر کہ لرزو برسبب ز اصحاب نیست　　اہل دنیا میں نہیں اہلِ بصر

لیک حق اصحاب وانا اصحاب را　　حق[5] نے نیک و بد سبھی پر ہیں رکھے
درکشا دو بُرد تا صدرِ سُرا　　منزل رحمت کے دروازے کھلے

با کفش نا مستحق و مستحق　　مستحق تھے یا نہ تھے وہ پاک ذات
معتقان رحمت انداز بند رِق　　سب کو دیتی ہے غلامی سے نجات

در عدم ما مستقان کے بُدیم　　مستحق کب[6] تھے عدم میں ہم مگر
کہ بریں جان و بریں دانش زدیم　　تو نے بخشے جان و دل عقل وہ زر

۱ رات پُرخطر ہونے کے ساتھ ساتھ بے شمار نعمتوں سے بھی مالا مال ہے۔ ہم رات کے وقت عباداتِ الٰہیہ کے ذریعے ذاتِ خداوندی کا قرب حاصل کر سکتے ہیں۔

۲ جس طرح موسیٰ نے جسے آگ سمجھا وہ نور تھا، ہم نے رات کو ڈراونا جانا وہ رحمتوں کی حامل ہے۔ ۳ سب سے بڑی نعمت چشم بینا ہے اور ہمیں اسی نعمت کے لیے دعا کرنی چاہیے۔ ۴ ہماری آنکھیں دنیاوی اسباب کو ہی دیکھتی ہیں حالانکہ صحیح آنکھیں وہ ہیں جو مسبب الاسباب کو دیکھیں۔ ۵ لیکن ایسے حضرات کو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ ذاتِ باری سے انہیں بھی رہنمائی حاصل ہوگی۔

۶ ہم جب معدوم تھے تو اُسی کے کرم سے وجود میں آئے۔ اگرچہ ہم میں اس کا کوئی استحقاق نہ تھا۔ خدائے بزرگ و برتر کا دستِ کرم مستحق اور غیر مستحق سب کو عطا کرتا ہے۔

اے بکردہ یار ہر اغیار را   تو کہ اپناتا ہے جو غیروں کو بھی
وے بدا وہ خلقت گل خار را   گل بنا دیتا ہے جو کانٹوں کو بھی

خاک مارا ثانیا پالیزکن   میری مٹی کو بھی پھر شاداب کر
ہیچ نے را بِا دیگر چیز کن   بندہ ناچیز کو نایاب کر

ایں دعا تو امرکردی ز ابتدے   ہے یہ توفیق دعا تیری عطا
ورنہ خاکے راچہ زہرہ ایں بُدے   ورنہ خاکی کو کہاں یہ حوصلہ

چوں دعا تو امرکردی اے عجاب   جب دیا[1] اذنِ دعا تو اے خدا
ایں دعائے خویش را کن مستجاب   مستجب فرما کہ ہے تیری دعا

دیدہ را نادیدہ خود انگاشتم   میں[2] نے جو پایا وہ سب کچھ کھو دیا
باز زنبیل دعا برداشتم   پھر سے پھیلایا ہے دامانِ دعا

چوں الف چیزے ندارم اے کریم   بے سرو ساماں ہوں میں اے مہرباں
جز دلے دل تنگ ترا زچشم میم   ایک دل ہے وہ بھی بیحد تنگ جاں

در زمانِ بیخودی خود ہیچ من   بیخودی میں خود کو کھو دیتا ہوں میں
در زمانِ ہوش اندر ہیچ من   ہوش میں دنیا کا ہو جاتا ہوں میں

ہیچ چیزے برچنیں ہیچی منہ   اور مجھ نا چیز کو مت آزما
نامِ دولت برچنیں گیچی منہ   بے نظر کو راہ سے کیا واسطہ

خود ندارم ہیچ بہ سازد مرا   ہیچ ہوں اچھا بناتا ہے وہی
کہ ز وہم ست ایں کہ دارم صدعنا   وہم[3] سے پیدا ہوئے ہیں غم سبھی

[1] جب اے خدا تو نے دعا کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے تو ہماری یہ دعا تیری ہی دعا ہے اب اسے قبول فرما۔
[2] اب مولانا فقیر کی زبانی اس قادرِ مطلق کے آگے دستِ دعا پھیلاتے ہیں جس کے دستِ قدرت میں ہمارا سب کچھ ہے۔
[3] انسان اپنے کچھ ہونے کے وہم سے نت نئی مشکلات کا شکار رہتا ہے۔

ورندارم ہم تو دارائیم گن　　کچھ نہیں میں تو ہی بن سب کچھ مرا
رنج دیدم راحت افزائیم گن　　غمزدہ ہوں کر دے راحت آشنا

ہم در آب دیدہ عریاں بیستم　　اب[۱] مری آنکھوں میں آنسو بھی نہیں
بہ درِ تو چونکہ دیدہ نیستم　　در پہ آیاں ہوں کہ آنکھیں ہی نہیں

زاب دیدہ بندہ بے دیدہ را　　ہوں عطا آنسو کہ گلزارِ عمل
سبزہ بخشش و نباتے زیں چرا　　خوب ہو سرسبز اور دے پھول پھل

ور نماند آب آبم دہ زعین　　گر[۲] نہیں آنسو تو آنسو کر عطا
ہمچو عینیں نبیؐ ہطالتین　　جیسے تھیں پر آب چشمِ مصطفےٰؐ

اُوچو آب دیدہ جست از جودِ حق　　بخشش[۳] حق سے کیے آنسو طلب
با چناں اجلال و اقبال و سبق　　گرچہ تھے وہ خوش مقام و خوش نسب

چوں چناں چشم اشک را مفتوں بود　　ایسی آنکھوں کو ہو گر اشکوں کا غم
اشک من بایدکہ صد جیحوں بود　　مجھ کو ہیں اشکوں کے سو جیحوں[۴] بھی کم

قطرہ زاں زیں دو صد جیحوں بہ است　　اُن کے[۵] اِک آنسو پہ قرباں سو فراط
کہ بداں ایک قطرہ جن و انس رست　　جس نے انس و جن کو دلوائی نجات

۱ اب میرے پاس دعا کرنے کے لیے آنسو ہی نہیں، آنسو کہاں سے آئیں جب میری آنکھیں دنیاوی چکا چوند سے اندھی ہو گئی ہیں اس لیے مجھے آنکھیں اور آنسو عطا کر۔
۲ میری آنکھوں میں آنسو نہیں، آنسو عطا کر جس طرح تو نے آنحضورؐ کی آنکھوں کو عطا کیے تھے۔
۳ آنحضورؐ نے اپنی تمام بزرگی اور فضیلت کے باوجود بارگاہِ خداوندی سے رونے والی آنکھیں طلب فرمائیں۔
۴ اگر آنحضورؐ بخشش کی طلب کیلئے حق تعالیٰ سے آنسوؤں کی درخواست کرتے ہیں تو پھر ہمیں تو بخشش خداوندی کے لیے سو جیحوں (دریا جو عراق میں ہے) کی ضرورت ہوگی۔
۵ آنحضورؐ کے ایک آنسو پر سینکڑوں دریا فرات اس لیے کہ آپ نے پُرنم آنکھوں سے بارگاہِ ایزدی میں انس و جن کے لیے بخشش کی دعا مانگی اور ان کی نجات حاصل کی۔

چونکہ باراں جُست آں روضہ بہشت　　ہے[1] جب اُس جنت کو باراں کی طلب
چوں نجوید آب، شورہ خاک زشت　　کیوں نہ بنجر کو ہو باراں کی طلب

اے اخی دست از دعا کردن مدار　　تو سدا پھیلائے رکھ دست دُعا
با اجابت یار دے اُو بت چہ کار　　وہ دعا مانے نہ مانے تجھ کو کیا

[1] جب آنحضورؐ کو آنسوؤں کی طلب ہے تو پھر ہم جیسے خطاکاروں کو تو بہت زیادہ ضرورت ہے۔

حدیث

الصدق طمانیة والکذب ریبة کی تشریح

(سچ اطمینان ہے اور جھوٹ شک ہے)

دل بیارامد بگفتارِ صواب — حرف حق سے دل کو آتا ہے قرار
آنچناں کہ تشنہ آرامد زِ آب — تشنہ لب پانی سے پاتا ہے قرار

جز دل محجوب کورا علتیست — بے خبر کافر کے دل کو کیا پتہ
از نبی اُش تا غبی تمیز نیست — ہے نبی میں اور غبی میں فرق کیا

ورنہ آں پیغام کز موضع بُود — جو دل صادق سے آتا ہے پیام
بر زند بر مہ شگافیدہ شود — شق کر لے دیتا ہے وہ ماہِ[1] تمام

یک سخن از دوزخ آید سوئے لب — اک[2] صدا دوزخ سے لب پر آئے ہے
یک سخن از شہر جاں در کوئے لب — اک صدا جاں سے لبوں تک جائے ہے

بحرِ جاں افزا و بحرِ عمر کاہ — جاں فزا یا جاں شکن ہر بات کا
ہر دو آں بر لب گذر دارند و راہ — لب ہی دونوں کیلئے ہیں راستہ

چوں نیپلو درمیانِ شہرہا — جس طرح شہروں میں ہے منڈی کا حال
از نواحی آمد آنجا بہرہا — چاروں جانب سے جہاں آتا ہے مال

کالۂ معیوب و قلب کیسہ بُر — مال کچھ نقصان دہ اور عیب دار
کالۂ پر سود و مستشرق چو دُر — اور کچھ ہے نفع بخش و تابدار

زیں نیپلو ہر کہ بازرگاں تر ست — ہے یہاں اچھا وہ تاجر اے عزیز
بر سرہ و بر قلبہا دیدہ ور ست — جو کھرے کھوٹے میں کرتا ہے تمیز

[1] مولانا معجزہ شق القمر کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ انبیاء کے کلام کی تاثیر سے تو چاند بھی دو ٹکڑے ہوجاتا ہے۔
[2] جو آواز نفس سے اٹھتی ہے وہ دوزخ کی آواز ہے اور جو صدا روح سے اٹھتی ہے وہ پاکیزہ اور جنت کی صدا ہے۔

شد نیلو مرؤ را دارالرباح — خوش نظر کے واسطے ہے نفع گر
واں دگر را از عمی دارالجناح — کم نظر کے واسطے ہے پُر ضرر

ہر یکے ز اجزائے عالم یک بیک — اس جہاں ۱ کا ذرّہ ذرّہ بے گماں
ہر غبی بندست و ہر اُستاد فک — ہے غبی پہ بند عالم پہ عیاں

ہر یکے قندست و ہر دیگر چو زہر — ہے کہیں شکر کہیں پہ زہر ہے
ہر یکے لطف ست و ہر دیگر چو قہر — ہے کہیں رحمت کہیں پہ قہر ہے

ہر یکے دیوست و ہر دیگر چو حُور — ہے کہیں شیطاں کہیں پہ حُور ہے
ہر یکے نار ست و ہر دیگر چو نور — ہے کہیں شعلہ کہیں پہ نُور ہے

ہر یکے گنج ست و ہر دیگر چو مار — ہے کہیں دولت کہیں پہ مار ہے
ہر یکے ور دُست و ہر دیگر چو خار — ہے کہیں غنچہ کہیں پہ خار ہے

ہر یکے شیریں و ہر دیگر تُرش — ہے کہیں میٹھا کہیں پہ تُرش ہے
ہر یکے مبہوت و ہر دیگر چوہش — ہے کہیں بیخود کہیں پہ ہوش ہے

ہر یکے پنہاں و ہر دیگر عیاں — ہے کہیں ظاہر کہیں پہ ہے نہاں
ہر یکے سو دست و ہر دیگر زیاں — ہے کہیں نفع کہیں پہ ہے زیاں

ہر یکے قیدست و ہر دیگر کشاد — ہے کہیں بے حد کہیں محدود ہے
ہر یکے قیدست و ہر دیگر مُراد — ہے کہیں بیڑی کہیں مقصود ہے

ہر یکے نوش ست و ہر دیگر چو نیش — ہے کہیں شربت کہیں پہ ڈنگ ہے
ہر یکے بیگانہ ہر دیگر چو خویش — ہے کہیں غیر اور کہیں خود رنگ ہے

۱ یہ صورت حال صرف منڈی میں ہی نہیں بلکہ دنیا بھر میں رونما ہے جہاں حالات و اسباب کسی کے لیے مفید اور کسی کے لیے مضر ثابت ہوتے ہیں۔ آئندہ اشعار میں مولانا مختلف اسباب کا مختلف افراد کے لیے مختلف اور متضاد اثرات کا ذکر کرتے ہیں۔

بہ یکے نقص ست و بہ دیگر کمال   ہے کہیں ناقص کہیں پہ ہے کمال
بہ یکے ہجر ست بہ دیگر وصال   ہے کہیں فرقت کہیں پہ ہے وصال

ہر جمادے با نبی افسانہ گو   ہے نبی[1] سے ذرہ ذرہ ہمکلام
کعبہ با حاجی گواہ و نُطق جو   جیسے حاجی سے ہے کعبہ ہمکلام

بہ مُصلّی مسجد آمد ہم گواہ   جیسے[2] مسجد ہے نمازی کی گواہ
کو ہمی آمد بمن از دور راہ   "میرے ہاں آتا ہے یہ طے کر کے راہ"

بہ خلیل آتش بود ریحان و ورد   آگ ابراہیمؑ سے ہے باغ تر
لیک بہ نمرود آں مرگ ست و دَرد   لیک مرگ و درد ہے نمرود پر

بارہا گفتیم ایں را اے حَسن   بارہا[3] میں نے دیا ہے یہ پیام
می نگردم از بیانش سیر من   اور دہراتا رہوں گا صبح و شام

بارہا خوردی توناں دفعِ ذبول   بھوک میں کھاتے ہو روٹی بار بار
ایں ہما نان ست چوں نبوی ملول   کیوں نہیں ہوتے تم اس سے دلفگار

در تو جوعے میرسد نو زِ اعتدال   ختم ہو کر بھوک پھر تازہ ہوئی
کہ ہمی سوزد ازو تخمہ و ملال   غم مٹا کوئی نہ بیماری رہی

لذت از جوعست نے از نُقلِ نو   بھوک میں ہر شے ہے لذت آفریں
با مجاعت از شکر بہ نانِ جو   خوب تر شکر سے ہے نانِ جویں

[1] آنحضورؐ کو پتھر بھی سلام کرتے تھے۔ جس طرح خانہ کعبہ کے پتھر مومنوں کے لیے طواف کعبہ کی گواہی دیں گے۔

[2] روزِ محشر مسجد اور مسجد جانے والی راہ اس بات کی گواہی دیں گے کہ فلاں شخص گھر سے نماز ادا کرنے آتا تھا۔

[3] مولانا فرماتے ہیں کہ میں اس موضوع پر کہ ہر چیز کے مختلف اثرات ہوتے ہیں کئی بار گفتگو کر چکا ہوں لیکن پھر بھی جی نہیں بھرتا۔ اسی لیے تکرار کرتا ہوں۔ اگلے اشعار میں اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تم بار بار روٹی کھاتے ہو لیکن پھر بھی روٹی کی خواہش تمہیں رنجیدہ نہیں کرتی اور تم دوبارہ کھاتے ہو۔

بہ یکے روز ست و بہ دیگر چو شب　　ہے کہیں [1] پہ دن کہیں پہ رات ہے
بہ یکے عیش ست و بہ دیگر تعب　　ہے کہیں عشرت کہیں پہ مات ہے

بہ یکے محبوب و بہ دیگر عدو　　ہے کہیں محبوب و بیگانہ کہیں
بہ یکے راح ست و بہ دیگر کدو　　ہے کہیں مے اور پیمانہ کہیں

بہ یکے آبست و بہ دیگر چو خوں　　ہے کہیں پانی کہیں پہ ہے یہ خوں
بہ یکے اعجاز و بہ دیگر فسوں　　معجزہ ہے اور کہیں پہ ہے فسوں

بہ یکے حلوا بہ دیگر چو سم　　ہے کہیں حلوا کہیں پہ ہے یہ سم
بہ یکے سنگ است و بہ دیگر صنم　　ہے کہیں پتھر کہیں پہ ہے صنم

بہ یکے جسم است و بہ دیگر چو روح　　ہے کہیں جسم اور کہیں پہ ہے یہ جاں
بہ یکے قیدست بہ دیگر فتوح　　ہے کہیں قیدی کہیں پہ کامراں

بہ یکے تیر ست و بہ دیگر کماں　　ہے کہیں تیرا اور کہیں پہ ہے کماں
بہ یکے نان ہست و بہ دیگر سناں　　ہے کہیں روٹی کہیں پہ ہے سناں

ہیں مزن تو از ملولی آہِ سرد　　غم [2] سے تم ہرگز نہ کھینچو آہِ سرد
درد جو و درد جو و درد درد　　درد مانگو درد مانگو صرف درد

خادعِ درد اند درما نہائے ژاژ　　جھوٹ [3] درمانوں کے درماں سازسب
رہزنند و زرستاناں رسم باژ　　چور ہیں رہزن ہیں دھوکے باز سب

آب شورے ہست درمانِ عطش　　پیاس کب بجھتی ہے آب شور سے
وقت خوردن گر نماید سرد و خوش　　چاہے وہ ٹھنڈا ہو اور اچھا لگے

[1] یہاں سے مولانا پھر پہلے والے موضوع یعنی مختلف اشیاء کے مختلف افراد پر مختلف اثرات ہوتے ہیں کی مزید وضاحت کرتے ہیں۔
[2] نصیحت کی باتوں سے تم افسردہ دل مت ہو بلکہ اپنے دل میں آخرت کا درد پیدا کرو۔
[3] مولانا جھوٹے پیروں سے بچنے کی نصیحت کرتے ہیں۔

گفت دردت چینم و خود درد بود   کیا ۱ دوا دیتا وہ خود بیمار تھا
باطناً خار و بظاہر ورد بود   گل نظر آتا تھا لیکن خار تھا

رو ز درمانِ دروغیں می گریز   جھوٹے درمانوں سے اپنی جان بچا
تاشود دردت مطیب مشک بیز   تا کہ تیرا درد ہو راحت فزا

۱ ایسے لوگ جو خود فریب کاری میں مبتلا ہوں دوسروں کی کیا رہنمائی کرسکتے ہیں۔

ہست وبود

بہ من از ہستیِ من جز نام نیست	میری[1] ہستی کچھ نہیں کچھ ہے تو نام
در وجودم جز تو اے خوش کام نیست	مجھ میں ہے بس تو ہی تو اے خوش مقام
زاں سبب فانی شدم من ایں چنیں	ہو گیا[2] تجھ میں فنا کچھ اس طرح
ہمچو سرکہ در تو بحرِ انگبیں	شہد کے دریا میں سرکہ جس طرح
ہمچو سنگے کو شود کُل لعل ناب	جس طرح ہوتا ہے پتھر لعل ناب
پر شود اُو از صفاتِ آفتاب	جب وہ اپنا لے صفات آفتاب
وصفِ آں سنگی نماند اندرو	اُس کو پتھر پن سے ملتی ہے نجات
پُر شود از وصف خور اوپشت ورو	اور وہ اپناتا ہے سورج کی صفات
بعد ازاں گر دوست دارد خویش را	گروہ[3] اپنی ذات سے کرتا ہے پیار
دوستی خُور بود آں اے فتیٰ	در حقیقت ہے وہ سورج سے پیار
ورکہ خور را دوست دارد اُو بجاں	ہے اگر سورج سے اُس کو دل سے پیار
دوستی خویش باشدے بے گماں	بے گماں یہ ہے اُسے اپنے سے پیار
اندریں دو دوستی خود فرق نیست	ایک جیسے ہیں یہ رشتے پیار کے
ہر دو جانب جز ضیائے شرق نیست	دونوں روشن ہیں اُسی کے نور سے

1 میرے وجود کا تو صرف نام ہی نام ہے ورنہ اس میں در اصل تو ہے۔

2 اگر سرکہ شہد کے دریا میں ڈال دیا جائے تو سرکہ محض نام ہی کا رہ جائے ورنہ وہ شہد میں مل کر شہد ہو جائے گا۔ اسی طرح میں بھی تیری ذات میں کھو گیا ہوں۔

3 اگر پتھر اپنے آپ سے پیار کرتا ہے تو درحقیقت یہ پیار سورج سے ہے اس لیے کہ اسے یہ حسن و خوبی سورج سے ہی حاصل ہوئی۔

تا شدا و لعل خور را دشمن ست   لعل[1] گر پتھر رہے تو بالیقیں
زانکہ یک من نیست اینجا دو من ست   وہ ہے سورج سے جدا یکجاں نہیں

زانکہ ظلمانی ست سنگ، اے با حضور   سنگ تو تاریک ہے ، اے با شعور
ہست ظلمانی حقیقت ضدِ نور   اور ہے تاریکی ہمیشہ ضدِ نور

خویش را گر دوست دارد کافر ست   اپنا[2] گرویدہ ہے جو کافر ہے وہ
زانکہ اُو مناعِ شمسِ اکبر ست   یوں بڑے سورج سے ہی منکر ہے وہ

پس نشاید کہ بگوید سنگ اَنا   زیب کب دیتی ہے پتھر کو اَنا
اوہمہ تاریکی ست و در فنا   وہ سراپا تیرگی یہ اور فنا

گفت فرعونے انا الحق گشت پست   ہے انا[3] الحق سے کہیں فرعون پست
گفت منصور انا الحق و بہ ست   اور انا الحق سے کہیں منصور مست

آں اَنا را لعنت اللہ در عقب   وہ اَنا تھی لعنت حق کا ظہور
وریں اَنا را رحمت اللہ اے محبّ   یہ اَنا تھی رحمتِ حق کا ظہور

زانکہ او سنگِ سیاہ بود ایں عقیق   وہ سیاہ پتھر تھی اور یہ تھی عقیق
آں عدوّے نور بود و ایں عقیق   وہ تھی ضد نور یہ عشق رفیق

ہمچو چاہ کن خاک می کن گر کسی   چاہ کن بن کھود مٹی جسم کی
زیں تنِ خاکی کہ در آبے رسی   تا کہ پانی تک رسائی ہو تری

[1] اگر پتھر میں لعل کی صفات پیدا نہیں ہوئیں تو اس میں اور سورج میں تضاد ہے اس لیے کہ پتھر سیاہ ہے اور سورج روشن۔

[2] اگر انسان اپنے دل کو ذات باری کی محبت اور جلال سے منور کیے بغیر اپنے آپ کو باکمال سمجھنے لگے تو وہ گمراہی کا شکار ہوتا ہے۔

[3] جب فرعون نے خدائی کا دعویٰ کیا تو وہ پستی میں جا گرا، اس لیے کہ اس کا دل عشق الٰہی سے معمور نہ تھا لیکن جب منصور نے انا الحق یعنی میں حق ہوں کا نعرہ لگایا تو وہ ایمان و ایقان کی بلندیوں پر فائز ہوا اس لیے کہ اس کے دل میں سوائے اللہ کے کوئی نہ تھا اس کی ذات عشق حقیقی میں ڈوب کر ذات الٰہیہ کے صفات سے منور تھی۔ اُس کی انا سراپا رحمت تھی اور فرعون کی انا لعنت۔

گر رسد جذبِ خدا آبِ معیں　　ہو عطائے رب تو پھر آب رواں
چاہ ناکندہ بجوشد از زمیں　　جوش سے پھوٹے گا بن کھودے کنواں

کار کے میکن تو و کاہل مباش　　کام کر کچھ کام اور کاہل نہ بن
اندک اندک خاک چہ را میتراش　　بس کنویں کو کھودتا جا بے تھکن

ہر کہ رنجے دید گنجے شد پدید　　جس نے رحمت کی خزانہ پا لیا
ہر کہ جدے کرد درجدّے رسید　　جس نے محنت کی مقدر بن گیا

گفت پیغمبر رکوع و سجود　　یہ رکوع[1] و سجدہ ہے قولِ نبیؐ
بر درِ حق کوفتن حلقہ وجود　　"ہے درِ اللہ پہ دستک تری"

حلقہ آں در آنکو میزند　　کھٹکھٹایا[2] جس نے در اللہ کا
بہر او دولت سرے بیروں کند　　اُس کو دنیا کا خزانہ مل گیا

[1] آنحضورؐ کے ارشاد کا حوالہ دیتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں کہ عبادت درِ حق پر دستک کے مترادف ہے اور جب کوئی سوالی بار بار مسلسل دستک دیتا ہے تو حق کا دروازہ ضرور کھلتا ہے۔

[2] مشہور مقولہ ہے:

من دق باب الکریم الفتح
جس نے حق کا دروازہ کھٹکھٹایا اس کے لیے دروازہ کھل گیا۔

رب رحمان ورحیم

تو حیاتے میدہی در ہر نفس — ہر نفس و زندگی بخشی ہمیں
کز نفیسی می نگنجد در نفس — جس کی خوبی کابیاں ممکن نہیں

تو حیاتے میدہی بس پائیدار — کی عطا ہم کو حیات[1] پائیدار
تقدِ زرِ بے کساد و بے شمار — نعمتیں دیں بے ملاوٹ بے شمار

تو کجائی تا کہ صد چنداں کرم — تو کہاں ہے؟ سو گنا تیرا کرم
با من خستہ بجا آری نعم — مجھ سے عاجز پہ ہو اب اے محترم

تو کجائی تا دو صد لطف و عطا — تو کہاں ہے؟ سوگنا لطف و عطا
با غریب خستہ دل آری بجا — ہو غریب خستہ جاں پہ بارہا

تو کجائی تا کہ خنداں چوں چمن — تو کہاں؟ تا کہ مثلِ گلستاں
گویم بستاں دو صد چنداں زمن — تو کہے لے بھر لے اپنی جھولیاں

من ہمی گویم بس و تو مفضلم — میں کہوں اے مہرباں بس تو کہے
گفتہ کیں ہم گیر از بہر دلم — میری خاطر اور لے کچھ اور لے

محسناں ہستند کو آں مستطاب — یوں[2] تو محسن ہیں بہت تجھ سا نہیں
اختراں ہستند کو آں آفتاب — انگنت تارے ہیں سورج سا نہیں

[1] یعنی روحانی عطیات اور فضائل۔

[2] دنیا میں محسن تو بہت ہیں لیکن رب کریم جیسا نہیں، جو بن مانگے بھی کرم فرماتا ہے، اور سچ تو یہ ہے کہ دنیاوی محسن بھی محسنِ حقیقی کے محتاج ہیں۔

ظاہر و باطن

ہیں گذر از نقشِ خُم در خُم نگر　　خُم[۱] کی صورت کو نہ دیکھ اے مہرباں
کاندرو بحریست بے پایان وسر　　اس کے اندر دیکھ بحرِ بیکراں

پاک از آغاز و آخر آں عذاب　　پاک و شیریں ہے یہ پانی بے گماں
ماندہ محروماں زقہرش در عذاب　　اس سے محرومی ہے قہرِ آسماں

تا چنیں بحر در جہاں ظاہر شود　　مردِ حق سے ہوں عیاں اسرار ہُو
مُقبل اندر جستجو ماہر شود　　اے خوشا جس کو ہو اِن کی جستجو

تا فزاید در جہاد و کوشش اُو　　جستجو بڑھتی رہے اس کی سدا
تا میسر گرددش دیدارِ ہُو　　ہو میسر تا کہ دیدارِ خُدا

اہلِ دل ہمچوں کہ جو در وے رواں　　اہل دل میں عشق کی نہر رواں
بے دوئی یک گشتہ با دریائے جاں　　بحرِ حق سے ہو گئی ہے ایک جاں

ایں چنیں خُم را تو در یم داں یقیں　　ہے یہی خُم رشکِ بحرِ بیکراں
زندہ از وے آسمان و ہم زمیں　　اُس سے قائم ہیں زمین و آسماں

بلکہ وحدت گشت اورا در وصال　　کھو[۲] گیا وحدت میں پایا وہ وصال
شد خطابِ اُو خطابِ ذوالجلال　　ہے کلام اُس کا کلامِ ذوالجلال

۱　خُم کی ظاہری صورت کو نہ دیکھ بلکہ جو کچھ اس کے اندر ہے اُس کو دیکھ اس کے اندر ایک لامحدود سمندر ہے اُس سے فائدہ اُٹھا، اہلِ دل کے اندر بھی فیوضِ الٰہی کا لامحدود ذخیرہ ہے۔ جو کوئی ان سے محروم رہا وہ عذابِ الٰہی کا مستحق ٹھہرا۔

۲　یہ اہلِ دل فنا فی اللہ ہو کر اس مقام پہ پہنچے ہیں جہاں ان کا کہا اللہ کے کہے کا درجہ رکھتا ہے۔

بعد ازاں گوید قُمِ منصور وار   جب [1] لگائے وہ انا الحق کی صدا
تاشود بر دارِشہرت اُو سوار   دار رسوائی ہے اُس کا مدعا

ہے زچہ معلوم گرو وایں زبعث   مر کے زندہ ہو یہی ہے زندگی
بعث را جو ، گم کن اندر بعث بحث   جستجو کر اُس حیات تازہ کی

شرطِ روزِ بَعث اوّل مردن است   جی [2] اُٹھیں گے پھر مگر مرنے کے بعد
زانکہ بعث از مُردہ زندہ کردن است   تن جئیں گے پھر مگر مرنے کے بعد

جملہ عالم زیں غلط کردند راہ   یہ جہاں والے ہیں سب گُم کردہ راہ
کز عدم ترسندو آں آمد پناہ   خوف کیسا! ہے عدم جائے پناہ

از کجا جوئیم ہست از ترک ہست   ترک [3] ہستی سے ملے ہستی تجھے
از کجا جوئیم دست از ترک دست   ترکِ قدرت سے تجھے قدرت ملے

ہم توانائی کرو یانعم المُعین   تیری قدرت میں ہے اے ربِ مُعین
دیدۂ معدوم بیں راہست بیں   چشمِ گم بیں کو بنا دے دور بیں

[1] اس مقام پر پہنچ کر صاحب دل انا الحق کی صدا لگاتا ہے اور بظاہر بدنامی کی سولی پر چڑھ جاتا ہے جو حیات ابدی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

[2] حشر اور بعث بعد الموت جبھی ہوگا جب پہلے موت آئے گی کیونکہ بعث تو مرنے کے بعد زندہ کرنے کو کہتے ہیں، لہٰذا بعث کے لیے پہلے مرنا ضروری ہے، جو موت سے ڈرتے ہیں وہ گم کردہ راہ ہیں، اس لیے کہ عدم تو جائے پناہ ہے۔

[3] جب انسان نے اپنی ہستی کو فنا کر دیا تو اُسے حقیقی ہستی ملی جو غیر فانی ہے، اسی طرح جب انسان جاہ و حشمت کو چھوڑ کر قادرِ مطلق کے آگے جھک جاتا ہے تو اُسے روحانی طاقت و قدرت حاصل ہوتی ہے۔

ہے وہی حاجت روا

هر چه روئید از پے محتاج رُست   جو اُگا محتاج کی خاطر اُگا
تا بیابد طالبے چیزے که جُست   تا کہ طالب پا سکے ہر مدعا

حق تعالٰی کایں سمٰوٰت آفرید   حق نے یہ ارض و سما پیدا کیے
از برائے دفعِ حاجات آفرید   تا کہ سب کی حاجتیں پوری کرے

هر که جویا شد بیابد عاقبت   جستجو لے[1] کی مدعا حاصل ہوا
مایه اش درد ست و اصلِ مرحمت   اصل میں ہے درد ہی وجہِ عطا

هر کجا دردے دوا آنجا روَد   درد[2] ہو تو درد کا درماں بھی ہے
هر کجا فقرے نوا آنجا رود   فقر ہو تو فقر کا ساماں بھی ہے

هر کجا مشکل جواب آنجا رود   ہو اگر مشکل تو آسانی بھی ہے
هر کجا کشتے ست آب آنجا رود   ہو جہاں کھیتی وہاں پانی بھی ہے

آب کم جو تشنگی آور بدست   چھوڑ[3] و پانی کی طلب پیاسے رہو
تا بجوشد آب از بالا و پست   خود بخود آئے گا پانی جو بجو

رو بدیں بالا و پستیها بدو   جاننگ و دو کر جہاں میں چار سُو
تا شوی تشنه حرارت را گرو   پیاس ہو پیدا بدن ہو شعلہ خُو

1. تمام چیزوں کی تخلیق حاجتیں پوری کرنے کے لیے ہے۔ پھر جو کوئی بھی خلوصِ دل سے طالب ہوا اُسے مقصود مل گیا، اس کا درد ہی اس کا سرمایہ اور رحمت کے حصول کی وجہ ہے۔
2. جہاں جس چیز کی ضرورت ہو حق تعالٰی وہاں پہنچا دیتا ہے بشرطیکہ طالب عجز و نیاز سے طلب کرے۔
3. پانی کی طلب نہ کر پیاسا رہ، یعنی دنیا کے آرام و آسائش کی بجائے زہد و تقویٰ کی سختی برداشت کر پانی یعنی رحمت خداوندی خود بخود تیری طرف رجوع کریگا۔

بعد ازاں از بانگ زنبورِ ہوا   پھر ۱ ہوا کی سنسناہٹ سے سدا
بانگِ آب جو نیوشی اے کیا   نہر کے پانی کی آئے گی صدا

حاجت تو کم نباشد از حشیش   گھاس ۲ کی مانند جب پیاسا ہو تو
آب را گیری سوئے اُو می کشیش   ہو گی پانی کو تمہاری جستجو

گوش گیری آب را تو می کشی   تو ہی لے جاتا ہے پانی نہر سے
سوئے زرع خشک تا یابد خوشی   تا کہ کھیتی تازگی حاصل کرے

زرع جاں راکش جواہر مضمر ست   رُوح ۳ کی کھیتی میں ڈھونڈو لعل وزر
ابرِ رحمت پُر ز آبِ کوثر ست   ابر رحمت میں ہے کوثر سر بسر

تاسقاھم ربھم آید خطاب   خود بخود سیراب کر دیتا ہے رَب
تشنہ باش اللہ اعلم بالصواب   تشنہ رہ اللہ کو ہے معلوم سب

۱ جب تو پیاس پیدا کرے گا تو غیب سے خود بخود پانی کی آواز آئے گی۔ یعنی تیری طلب میں تسلسل اور تجسس رہا تو مطلوب خود بخود تیری طرف آئے گا۔

۲ جب گھاس کو پانی کی ضرورت ہوتی ہے تو مالی خود پانی اس کو پہنچاتا ہے۔ تم بھی اپنی طلب میں ثابت قدم رہو۔

۳ روح کی کھیتی کو آباد کرو اس کے لیے ابر رحمت آب کوثر برسائے گا یعنی حق تعالیٰ کی رحمتیں برسیں گی۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے سقاھم ربھم شرابا طہورا۔ پلائی ان کو ان کے خدا نے پاک شراب۔

سگِ کوئے لیلیٰ

ہمچو مجنوں کو سگے را می نواخت — وہ کہ اک کتے کو مجنوں کی طرح
بوسہ اش میداو پیشش می گداخت — جان و دل سے پیار کرتا چومتا

گرد اُو می گشت خاضع در طواف — عاجزی سے گھومتا تھا اُس کے گرد
ہمچو حاجی گردِ کعبہ بے گزاف — جیسے حاجی خانہ کعبہ کے گرد

گہ سروپا لیش ہمی بوسید و ناف — گاہے سرا اور گاہے پاؤں چومتا
گہ جلاب شکرش می داو صاف — گاہے دیتا شربت خوش ذائقہ

بو الفضولے گفت کاے مجنون خام — پوچھا اک کم فہم نے پاگل ہو گیا
ایں چہ شیدست اینکہ می آری مدام — کیسی مکاری میں ہو تم مبتلا

عیبہائے سگ بے اُوی شمرد — اُس نے گنوائے کئی کتے کے عیب
عیداں از غیداں بوئے نبرد — اُس کو کب معلوم تھے اسرارِ غیب

گفت مجنوں تو ہمہ نقشی و تن — تم تو[1] ظاہر بیں ہو مجنوں نے کہا
اندر آ و بنگرش از چشمِ من — دیکھ میری آنکھ سے اِس کو ذرا

کایں طلسمِ بستہ مولیٰ ست ایں — یہ جنوں ہے دادِ حق اے مہرباں
پاسبانِ کوچۂ لیلیٰ ست ایں — کوچہ لیلیٰ کا ہے یہ پاسباں

[1] مجنوں اپنے معترض سے کہتا ہے کہ تمھیں اس کتے کی قدر و قیمت کیا معلوم، تم اسے ظاہری نظر سے دیکھتے ہو اگر میری طرح دل کی نظر سے دیکھو تو پھر تمھیں کوئے لیلیٰ کے اس پاسباں کی اہمیت اور اصل مقام کا علم ہوگا۔

همتش بین و دل و جان و شناخت　　اُس کی[1] ہمت اُس کے جان و دل کو دیکھ
کو کجا بگزید و مسکن گاہ ساخت　　جو چُنی ہے اُس نے اُس منزل کو دیکھ

اُو سگِ فرخ رخِ کہف من ست　　وہ مری تنہائیوں کا ہے رفیق
بلکہ اُو ہم درد و ہم لہجۂ من ست　　خوبرو و ہمدرد اور بیحد شفیق

آں سگے کہ گشت در کویش مقیم　　کوئے لیلیٰ میں ہو جو کتا مقیم
خاک پایش بہ زشیرانِ عظیم　　اُس کی خاک پا بھی شیروں سے عظیم

آنکہ شیراں مر سگانش را غلام　　جو ہیں[2] اُس ہستی کے کتوں کے غلام
گفت امکاں نیست خامُش والسلام　　ہو بیاں کیسے بھلا اُن کا مقام

گرز صورت بگورید اے دوستاں　　تم[3] اگر صورت پرستی چھوڑ دو
جنت ست و گلستاں در گلستاں　　جنت و گلزار ہوں گے چار سو

صورت خود چوں شکستی سوختی　　خود پرستی سے اگر پائی نجات
صورت کل را شکست آموختی　　دے سکو گے تم ہر اک صورت کو مات

بعد ازاں ہر صورتے را بشکنی　　توڑ دو گے ہو بت نویا کہن
ہمچو حیدر باب خیبر بر کنی　　ہو گے حیدر کی طرح خیبر شکن

[1] مجنوں کہتا ہے کہ اس کتے کی اہمیت اُس کی منزل سے ہے جو اس نے اپنے لیے منتخب کی ہے۔
[2] مولانا فرماتے ہیں کہ جو اشخاص حق تعالیٰ کے غلاموں کے غلام ہوں اُن کی عظمت کو بیان کرنا آسان نہیں۔
[3] اگر انسان ذات خداوندی کے عشق حقیقی سے مالامال ہو اور اپنی ذات کی نفی کر سکے تو اُسے جنت کی راحتیں نصیب ہوں گی۔

بہلولؒ کا اِک دَرویش سے سوال

گفت بہلول آں یکے درویش را   پوچھا[1] جب بہلول نے درویش سے
چو فی اے درویش واقفِ کن مرا   کون ہو کیا ہو یہ بتلاؤ مجھے

گفت چوں باشد کیسکہ جاوداں   بولا اس کا حال کیا کیجئے بیاں
بَر مُرادِ اُو رَوَد کارِ جہاں   جس کی مرضی سے چلے کارِ جہاں

سیل و جوہا برمرادِ اُو روند   نہر و دریا اس کی مرضی سے رواں
اختراں زاں ساں کہ اُو خواہد شوند   جب بھی وہ چاہے ستارے ہوں عیاں

زندگی و مرگ سرہنگاںِ اُو   زندگی اور موت بھی اُسکے غلام
بَر مراد اُو روانہ کو بہ کو   اس کی مرضی سے عمل پیرا مدام

ہر کجا خواہد فرستد تعزیت   وہ جہاں چاہے وہاں سوں مرگ و غم
ہر کجا خواہد بہ بخشد تہنیت   وہ جہاں چاہے رکھیں خوشیاں قدم

سالکانِ راہ ہم برگامِ اُو   اُس[2] کے نقشِ پا سے رہرو پائیں راہ
ماندگانِ راہ ہم در دامِ اُو   اور اُسی کے حکم سے کھو جائیں راہ

ہیچ دندانے نہ خندد در جہاں   مسکرا سکتا ہے کب کوئی بھلا
بے رضا وامر آں فرماں رواں   گر نہ اُس کار فرما کی رضا

بے رضائے اُو نیفتد ہیچ برگ   ایک پتہ بھی نہ گر پائے کبھی
بے قضائے اُو نیاید ہیچ مرگ   وہ نہ چاہے تو نہ آئے موت بھی

1. ان اشعار میں مولانا درویش کی زبانی یہ بیان فرماتے ہیں کہ کائنات میں سب کچھ حکمِ ربی سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔
2. حق تعالیٰ کے حکم سے ہی انسان اپنی منزل تک پہنچتا ہے اور اُسی کی مرضی سے راستہ کھو دیتا ہے۔

بے مرادِ اُو بجنبد ہیچ رگ   اس کی مرضی سے ہیں جان و دل رواں
در جہاں ز اوجِ ثریا تاسمک   عرش سے تا فرش یہ سارا جہاں

گفت اے شہ راست گفتی ہمچنیں   حضرت بہلول بولے اے حضور
در فرو سیمائے تو پیداست ایں   آپ کے چہرے سے ہے اس کا ظہور

این و صد چندیٖں اے صادق ویک   سچ ہے صد در صد مگر اے پاک جاں
شرح گو ایں را بیاں کن نیک نیک   کیجئے اس کو وضاحت سے بیاں

آنچنانکہ فاضل و مردِ فضول   اس طرح کہ عاقل و ناقص سبھی
از دل و از جاں کند اُورا قبول   مان لے تسلیم کر لے ہر کوئی

آنچنانش شرح کن اندر کلام   گفتگو میں اس طرح کیجئے بیاں
کہ ازاں ہم بہر یابد عقل عام   ہر کوئی اس کو سمجھ لے بے گماں

ناطق کامل چو خواں باشے بُوَد   واعظ کامل کے خوانِ وعظ پہ
برسرِ خوانش زہر آشے بُوَد   ہر طرح نعمتیں ہوں جلوہ گر

تانماند ہیچ مہماں بینوا   بھوکا رہ جائے نہ کوئی مہماں
ہر کسے یابد غذائے خود جدا   جو بھی چاہے وہ غذا پائے وہاں

گفت ایں بارے یقیں شد پیشِ عام   مانتے ہیں سب کہا درویش نے
کہ جہاں در امرِ یزداں ست رام   ہے رواں دنیا خدا کے حکم سے

ہیچ برگے در نیفتد از درخت   ایک پتہ بھی نہیں گرتا کبھی
بے قضا و حکم آں سلطانِ تخت   ہو نہ جب تک اُس کو حکم ایزدی

از دہاں لقمہ نشد سوئے گلو   منہ سے لقمہ پیٹ تک جاتا نہیں
تا نگوید لقمہ را حق کادخُلُو   جب تلک وہ حکم رب پاتا نہیں

میل و رغبت کاں زمامِ آدمی ست　　زندگی میں آدمی کی ہر ادا
جنبشِ آں رامِ امرِ آں غنی ست　　تابع فرمانِ ربی ہے سدا

ایں قدر بشنو کہ چوں کلی کار　　غور سے سن لو کہ اس دنیا کے کام
می نہ گردد جز بامرِ کردگار　　اُس کی مرضی سے ہی ہوتے ہیں تمام

چوں قضائے حق رضائے بندۂ شد　　جب[1] قضائے حق ہو بندہ کی رضا
حکم او را بندہ خواہندہ شد　　کیوں نہ ہو مطلوب اس کو ہر قضا

بے تکلف نے پے مزد و ثواب　　بے تکلف بے اُجر اور بے صلہ
بلکہ طبع اُو ہماں شد مستطاب　　ہر قضا پہ جان و دل سے ہو فدا

زندگیِ خود نخواہد بہر خود　　زندگی اس کی نہ ہو اپنے لیے
بلکہ خواہد ازپئے حکمِ اَحد　　ہو رضائے ایزدی کے واسطے

ہر کجا امرِ قدم را مسلکے ست　　امر[2] ربی کا ہے جو بھی راستہ
زندگی و مردگی پیشش یکے ست　　ہے پسند اس کو بلا خوف و خطا

بہرِ یزداں می زید نے بہرِ گنج　　بہرِ حق زندہ ہے بہرِ زر نہیں
بہرِ یزداں می مُرد نز خوف و رنج　　بہرِ حق مرتا ہے وہ ڈر کر نہیں

ہست ایمانش برائے خواہِ اُو　　اس[3] کا ایماں ہے خدا کے واسطے
نے برائے جنت و اشجار و جُو　　وہ نہیں خلد و جزا کے واسطے

۱ جب بندہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور فیصلوں پر راضی ہو گیا تو اللہ کا ہر فیصلہ اس کا مطلوب ہوگا، وہ کسی ثواب اور اجر کی توقع کے بغیر اللہ کے ہر حکم کو دل وجان سے تسلیم کرے گا اور صرف رضائے الٰہی کے لیے زندگی بسر کرے گا۔

۲ جو بھی خدا کا ازلی حکم ہے اُسے وہی راستہ پسند ہے، خواہ وہ زندگی ہو یا موت۔

۳ اُس کا ایمان بھی صرف اور صرف رضائے خداوندی کے لیے ہے نہ کہ جنت کے لالچ کے لیے اور کفر سے نفرت بھی رضائے مولا کے لیے ہے نہ کہ جہنم کے ڈر سے۔

ترکِ کفرش ہم برائے حق بُود　　کفر کو چھوڑا خدا کے واسطے
نے ز بیمِ آں کہ در آتش رود　　یہ نہیں خوف سزا کے واسطے

بندۂ کش خوی و خلقت ایں بود　　جس[1] کی ہوں یہ خصلتیں کارِ جہاں
نے جہاں بہ امر و فرمائش رود　　کیوں نہ ہو اُس کے اشاروں سے رواں

[1] جب کسی شخص میں رضائے خداوندی کی یہ کیفیت پیدا ہوجائے تو پھر اس کا اشارہ اشارہ خداوندی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے کہ اسے رضائے الٰہی حاصل ہوتی۔

نظر اپنی

دید احمدؐ را ابو جہل و بگفت[1] بو جہل بولا نبیؐ کو دیکھ کر
زشت نقشی کز بنی ہاشم شگفت ایسا بد صورت بنی ہاشم کے گھر

گفت احمدؐ مَرو را کہ راستی مصطفیؐ بولے بجا کہتا ہے تو
راست گفتی گرچہ کار افزاستی تو ہے سچا گرچہ ہے بیہودہ گو

دید[2] صدیقش بگفت اے آفتاب جب کہا صدیقؓ نے اے آفتاب
اے ز شرقی نے زغربی خوش بتاب تو ہے شرقی اور نہ غربی خوش بتاب

گفت احمدؐ راست گفتی اے عزیز مصطفیؐ بولے کہ تو نے سچ کہا
اے رہید تو زدِ نیائے مچیز تو کہ ہے دنیا و دیں سے ماورا

حاضراں گفتند کاے صدرُالورا حاضریں بولے کہ شاہ دوسرا
راست گو گفتی تو دو ضد گو را چرا تو نے کیوں ضدین کو سچا کہا

گفت من آئینہ اُم مصقول دست میں ہوں روشن آئینہ بولے نبیؐ
تُرک و ہندو در من آں بیند کہ ہست مجھ میں اپنا عکس دیکھے ہر کوئی

ہر کرا آئینہ باشد پیش رُو آئینہ رکھا ہو جس کے روبرو
زشت و خوب خویش را بیند دَرُو اس میں اپنا عکس دیکھے ہو بہو

۱ ابوجہل نے حضورؐ کو دیکھ کر طنزاً کہا کہ مقامِ حیرت ہے کہ آپ جیسا بدصورت بنی ہاشم کے ہاں پیدا ہوا۔

۲ جب حضرت صدیقؓ نے دیکھا تو فرمایا کہ آپ آفتابِ حسن ہیں جو نہ مشرق کے لیے ہے نہ مغرب کے لیے بلکہ دونوں عالم کے لیے ہے۔ آنحضورؐ نے دونوں کی بات سن کر فرمایا کہ تم سچے ہو، یہ سن کر حاضرین نے دریافت کیا کہ حضورؐ ان دونوں کے بیان متضاد تھے۔ پھر آپ نے دونوں کو سچا کیونکر کہا۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں ایک روشن آئینہ کی طرح ہوں جو بھی مجھ پر نظر ڈالے گا اُسے اپنا آپ ہی نظر آئے گا۔

مَن وتو

کُلّ شَیٔ ھَالِکٌ جُز وجہِ اُو　　ذاتِ[1] باری کے سوا ہر شے فنا
چو نہٰ در وجہِ اُو ہستی مجو　　گُم نہ ہو اُس میں تو پھر جینا ہی کیا

ہرکہ اندر وجہِ ما با شد فنا　　بے گماں مجھ میں ہوا جو بھی فنا
کُلّ شَیٔ ھَالِکٌ نبود جزا　　کُلّ شی ھالک سے بچ گیا

زانکہ در الّا ست اُو از لا گذشت　　محو اِلّا ہو تو لا سے کیا غرض
ہر کہ درِ الّا ست اُو فانی نگشت　　وقفِ اِلّا کو فنا سے کیا غرض

ہر[2] کہ بَر درِ اُو من و ما می زند　　جو وہاں چھیڑے من وما کا بیاں
رِدِّ بابِ ست اُو بَر لا می تند　　وہ ہوا مردو و حق اور بے نشاں

آں یکے آمد درِ یارے بزد　　کھٹکھٹایا[3] یار کا دربار نے
گفت یارش کیستی کیں در مزد　　کون ہے پوچھا بگڑ کر یار نے

گفت من گفتش برو ہنگام نیست　　''میں ہوں'' یہ سن کر کہا ''جا لوٹ جا''
بر چنیں خوانے مقامِ خام نیست　　''خام ہے تو مجھ سے کیا رشتہ ترا''

خام را جز آتشِ ہجر و فراق　　سوزِ ہجراں سے حیاتِ نو ملے
کہ پزد کہ وا رہاند از نفاق　　خام پختہ ہوئی جاتی رہے

1. قرآن پاک میں ارشادِ ربانی ہے کہ ذات پاک کے علاوہ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ جو ذات باری کا ہو گیا وہ فنا نہیں ہوگا اس لیے کہ حق تعالیٰ کی ذات غیر فانی ہے اُس میں سما گیا وہ فنا سے بچ گیا۔
2. جس کسی نے اپنے آپ کو اس ذات دائم و قائم سے جدا رکھا اور اس کے در پر من وما یعنی "میں" کہا وہ وہاں سے ردہو کر فنا ہو گیا۔
3. اب مولانا اس نکتہ کو ایک قصہ میں بیان کر کے واضح کرتے ہیں۔

چوں توئی تو ہنوز از تو نرفت   تو کہ ہے اب تک من و تو کا شکار
سوختن باید ترا در نارِ تفت   جا دہکتی آگ کا بن جا شکار

رفت آں مسکین و سالے در سفر   سال[1] بھر تک وہ رہا محو سفر
در فراقِ دوست سوزید از شرر   دوست کی فرقت میں سرتا سرشرر

پختہ گشت آں سوختہ پس باز گشت   جل کے خاکستر ہوا تو لوٹ کر
باز گردِ خانۂ انبار گشت   آ گیا پھر آستانِ یار پر

حلقہ زد بردر بصد خوف و ادب   کھٹکھٹایا اور بصد خوف و ادب
تانہ بجہد بے ادب لفظے زلب   کچھ نہ بولا تانہ ہو سوئے ادب

بانگ زد یارش کہ بردر کیست آں   یار بولا کون ہے در پے بتا
گفت بر در ہم توئی اے دلستاں   در پہ تو خود ہی تو ہے اُس نے کہا

گفت اکنوں چوں منی اے من درآ   تو کہ اب میں ہوں تو اے میں آ یہاں
نیست گنجائے دو من دریک سرا   اک جگہ دو میں کی گنجائش کہاں

چوں یکے باشد ہمہ بنود دوئی   جب ہوئی یکجاں دوئی جاتی رہی
ہم منی برخیزد آنجا ہم منی   اور من وتو کی حُدی جاتی رہی

نیست سوزن را سرِ رشتہ دوتا   ایک سوئی[2] میں ہیں دو دھاگے کہاں
چونکہ یکتائی دریں سوزن درا   سوئی میں آ جا کہ ہیں ہم ایک جاں

رشتہ را باشد بسوزن ارتباط   سوئی اور دھاگے کا رشتہ ہم نشیں
نیست در خور باجمل سَم الخیاط   اونٹ اور سوئی کے ناکے کا نہیں

[1] وہ دوست سال بھر جدائی کی آگ میں جلتا رہا اور جب اس نے ریاضت اور مجاہدے سے غیریت اور دوئی کو ختم کر دیا اور اسے اپنی ذات میں دوست کی ذات نظر آنے لگی تو پھر آستانِ یار پر آیا۔ [2] سوئی کے ناکے سے صرف ایک سرے والا دھاگا ہی گزر سکتا ہے دو سروں والا دھاگا گزرنا مشکل ہوتا ہے لیکن جب دونوں سرے مل کر ایک ہو جائیں تو پھر دھاگا گزر جاتا ہے۔

کے شود باریک ہستی جُمَل   اُونٹ [1] کو لاغر بنانے کے لیے
جز بمقراضِ ریاضات و عمل   کاٹیے زہد و عمل کی دھار سے

دستِ حق باید مرآں را اے فلاں   تو اُسی کے دم سے ہو گا کامراں
کاں بود بہ ہر محالے کن فکاں   پُر اثر ہے جس کا قولِ کن فکاں

ہر محال از دست اُو ممکن شود   وہ کہ نا ممکن کو بھی ممکن کرے
ہر حروں از بیمِ اُو ساکن شود   سرکشوں کو خوف سے ساکن کرے

اُکمہ و ابرص چہ باشد مردہ نیز   اندھا ہو کر کوڑھی ہو جائے یا بے جاں کوئی
زندہ گردد از فسونِ آں عزیز   اُس کے دم سے زندگی پائے نئی

واں عدم کز مردہ مردہ تر بُود   مردہ تر سے مردہ تر بے جان بھی
در کفِ ایجادِ اُو مضطر بُود   دستِ قدرت سے ہی پائے زندگی

کُلَّ یَومٍ ھُوَ فِی شَاْنٍ بخواں   پڑھ [2] وہ رہتا ہے سدا مصروف کار
مَرْوُرا بے کار وبے فعلے مداں   وہ نہیں ہوتا کبھی بے کار و بار

کمتریں کاریش ہر روز ست آں   اُس کا یہ معمول ہے ہر روز کا
کو سہ لشکر راکند ایں سو رواں   تین لشکر اس طرف ہے بھیجتا

لشکرے زِ اصلاب سوے اُمّہات   ایک رواں باپوں سے ماؤں کیلئے
بہرآں تا در رَحِم روید نبات   بطن مادر میں ہی جو پھولے پھلے

لشکرے ز ار حام سوئے خاکداں   اک رواں ہو بطن سے سوئے زمیں
تا زنر وبادہ پُر گردد جہاں   تاہو مرد و زن سے پُر روئے زمیں

۱ نفس امارہ موٹے اونٹ کی طرح ہے اسے ریاضت سے لاغر بنایا جائے تاکہ سلوک کے تنگ مقامات سے گزر سکے۔
۲ حق تعالیٰ ہر لحظہ مصروف کار رہتا ہے، وہ ماں باپ کے تعلق سے مرد و زن پیدا کرتا ہے جو دنیا میں معینہ زندگی گزار کر عدم کا راستہ لیتے ہیں اور وہاں اس دنیا میں اپنے اعمال کی جزا و سزا پاتے ہیں۔

لشکرے از خاکداں سوئے اجل　　اک زمیں سے لے عدم کا راستہ
تا بہ بیند ہر کسے حُسنِ عمل　　تا کہ سب پائیں صلہ اعمال کا

ایںست لشکر ہائے حق بیحد و مر　　حق کے لشکر ہیں بہت اور بیشمار
ازپئے ایں گفت ذِکریٰ للبشر [1]　　ذکر ہے قرآں میں اُن کا بار بار

ایں سخن پایاں ندارد ہیں بتاز　　نا مکمل ہے یہ سب ذکر و بیاں
سوئے آں دو یارِ پاک و پاکباز　　پھر کہو اُن دوستوں کی داستاں

گفت یارش کاندر آ اے جملہ من　　یار بولا تو مرا سب کچھ ہے آ
نے مخالف چوں گُل و خارِ چمن　　ہم نہیں اب مثل خار و گُل جدا

رشتہ یکتا شد غلط گم شد گموں　　اِک ہوا دھاگا دوئی جاتی رہی
گرا دوتا بنی حروفِ کاف ونوں　　گرچہ ہیں دو حرف کاف و نون بھی

ہر نبی و ہر ولی را مسلکے ست　　ہیں [2] جدا سب انبیاء کے راستے
لیک تا حق می بُرد جملہ یکے ست　　ہیں مگر سب وصلِ حق کے واسطے

[1] سورہ مدثر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وما یعلم جنود ربک الا ھو وما ھی الا ذکری للبشر" یعنی پروردگار کے لشکروں کو سوائے پروردگار کے اور کوئی نہیں جانتا اور وہ انسان کے لیے عبرت ہیں۔

[2] اگرچہ تمام انبیاء علیہ السلام اور اولیاء کرام نے اپنے اپنے انداز میں تبلیغ حق کی ہے لیکن ان سب سے ارشادات ذات حق کی طرف رہنمائی کرتے تھے۔

اللہ گفتنِ نیازمندعینِ لبیک گفتنِ حق ست

(نیازمند کا اللہ کہنا اللہ کا لبیک کہنا ہے)

آں یکے اللہ می گفتے شباں   رات[۱] بھر کرتا تھا وہ ذکرِ خدا
تا کہ شیریں می شد از ذکرش زباں   ذکر سے کرتا زباں کو خوش مزا

گفت شیطانش خموش اے سخت رو   اُس سے شیطان نے کہا اے سخت جاں
چند گوئی آخر اے بسیارگو   چپ رہو کب رہو گے مدح خواں

ایں ہمہ اللہ گوئی از عُتُو   اللہ اللہ کر رہے ہو بے حساب
خود یکے اللہ را لبیک کو   کیا کبھی اللہ سے آیا ہے جواب

او شکستہ دل شُد و بنہاد سر   سن کے یہ وہ دل شکستہ سو گیا
دید در خواب اُو خضر را در خُضَر   خواب میں آئے خضر اور یہ کہا

گفت ہیں از ذکر چوں واماندہ   کر دیا ہے ترک کیوں ذکرِ خدا
چوں پشیمانی ازاں کِش خواندہِ   یادِ حق پہ کیوں ہے شرمندہ بتا

گفت لبیکم نمی آید جواب   کیا کروں ملتا نہیں کوئی جواب
زاں ہمی ترسم کہ باشم ردِّ باب   ڈر ہے شاید ہو چکا ہوں ردِ باب

گفت خضرش کہ خدا گفت ایں بمن   خضر بولے مجھ سے حق نے ہے کہا
کہ برو با اُو بگو اے ممتحن   اے اسیرِ آزمائش سن ذرا

۱ ایک عابد رات بھر ذکرِ خدا میں مصروف رہتا تھا، شیطان نے اسے یہ کہہ کر بہکانا چاہا کہ تم اتنی عبادت کرتے ہو کیا کبھی حق تعالیٰ سے قبولیت کا کوئی جواب ملا، یہ سن کر وہ شخص قدرے ڈگمگایا لیکن خضر علیہ السلام نے خواب میں اُسے بشارت دی کہ حق تعالیٰ تمہارے ایک یارب کہنے پر بارہا لبیک فرماتے ہیں۔

گفت آں اللہ تو لبیک ماست — تیری[1] یا رب کی صدا میری صدا
آں نیاز و درد و سوزت پیک ماست — تیرا عجز و سوز و غم قاصد مرا

نے ترا در کارمن آوردہ ام — میں[2] نے ہی مصروفیت دی ہے تجھے
نے کہ من مشغول ذکرت کردہ ام — ذکر کی توفیق بخشی ہے تجھے

حیلہا و چارہ جوئیہائے تو — تیری تدبیریں تیری سب کوششیں
جذبِ ما بود و کشاد ایں پائے تو — کارگر میری کشش سے ہی ہوئیں

ترس و عشق تو کمند لطف ماست — میری[3] رحمت کا سبب تیرا نوں
زیرِ ہر یا ربّ تو لبیکہاست — بارہا لبیک یا رب پہ کہوں

جانِ جاہل زیں دعا جز دور نیست — دور رہتا ہے دعا سے بے یقیں
زانکہ یا ربّ گفتنش دستور نیست — یا خدا کہنے کی عادت ہی نہیں

بر دہانش و بر دلش قفل ست و بند — قفل ہے اُس کے لب و دل پہ لگا
تا ننالد باخدا وقتِ گزند — تا کہ غم میں وہ نہ کر پاوے دُعا

داد مر فرعون را صد ملک و مال — جب دیا فرعون کو سب ملک و مال
تا کہ کرد او دعویٰ عز و جلال — خود کو سمجھا میں ہوں رب ذوالجلال

درہمہ عمرش ندید اُو دردِ سر — عمر[4] بھر سر درد سے بھی تھا بری
تا ننالہ سوئے حق اُو بد گہر — تا کہ رو کر ہو نہ حق سے ملتجی

[1] حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے بندے جب تو مجھے دل سے پکارتا ہے تو یہ صدا میری ہی ہوتی ہے اس لیے کہ وہاں میں ہی آیا ہوں اور جب تجھے رنج وغم پہنچتا ہے تو وہ میرے نامہ بر ہوتے ہیں اس لیے کہ انسان رنج وغم میں زیادہ عجز وانکساری سے اللہ کو یاد کرتا ہے۔

[2] ذکر وفکر کی توفیق بھی میں نے ہی دی ہے دراصل کسی شخص کو عبادت کی توفیق ہونا اللہ کی جانب سے قبولیت کی دلیل ہے یہ اللہ کا کرم ہے کہ وہ اپنی یاد میں مصروف رکھتا ہے۔

[3] دعا گو کا ایک بار یارب کہنا اللہ کی جانب سے بارہا لبیک بن جاتا ہے۔

[4] فرعون کو عمر بھر کوئی درد نہیں ہوا تا کہ حق تعالیٰ سے وہ عاجزی کے ساتھ دعا گو نہ ہو، لہٰذا وہ دعا کی نعمت عظمیٰ سے محروم رہا، جب دعا صدق دل اور پورے خلوص سے کی جائے تو انسان کا براہ راست ذاتِ باری سے رابطہ ہوتا ہے اور وہ اس سے بلاواسطہ رحمت کا طالب ہوتا ہے۔

داد اُو را جملہ ملکِ ایں جہاں   اُس کو دیں سارے جہاں کی نعمتیں
حق نداوش درد و رنج و اندہاں   پر نہ بخشے رنج و غم اور زحمتیں

درد آمد بہتر از ملک جہاں   نعمتوں سے درد و غم ہیں خوبتر
تا بخوانی مر خدا را در نہاں   تا کہ تو رب کو پکارے رات بھر

زانکہ درد و رنج و بار اُندہاں   بارِ غم درد و الم اس دہر کے
شد نصیب دوستانش در جہاں   ہیں خدا کے دستوں کے واسطے

خواندنِ بے درد از افسردگی ست   غم سے خالی ہو دعا تو بے مزا
خواندنِ با درد ازدل بردگی ست   اور پُر غم التجا جانِ وفا

آں کشیدن زیر لب آواز را   وہ دبی آواز میں آہ و فغاں
یاد کردن مبدء و آغاز را   ہے ثنائے خالق کون و مکاں

آں شدہ آواز صافی و حزیں   وہ صدا پر درد ہے اور پر اثر
کاے خدا اے مستغاث وائے معیں   اے خدا اے مہرباں اے کارگر

چوں سگ کہفے کہ ازمردار رست   کہف لے[1] کا کتا ہوا جب پاک ہیں
برسرِ خوانِ شہنشاہاں نشست   بادشاہوں کا ہوا وہ ہمنشیں

تا قیامت می خورد اُو پیش غار   تا قیامت وہ دہانے غار کے
آبِ رحمت عارفانہ بے تغار   بے پیالہ بادہ عرفاں پیے

اے بسا سگ پوست کورا نام نیست   ہیں کئی بے نام گدڑی پوش بھی
لیک اندر پردہ اُو بے جام نیست   بے پیالہ جو نہیں ہوتے کبھی

۱ اصحاب کہف کے کتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں کہ جب وہ اصحاب کہف جیسے پاکبازوں کا وفادار ساتھی رہا تو اُسے بلند مقام حاصل ہوا اور وہ تا قیامت بغیر پیالے کے آبِ رحمت پیتا رہے گا۔

۲ کئی اہل اللہ گمنام زندگی بسر کر رہے ہیں لیکن در پردہ وہ جامِ عرفاں کے بغیر نہیں۔

جاں بدہ از بہرآں جام اے پسر　　جان ایسے جام پہ قربان کر
بے جہاد و صبر کے باشد ظفر　　صبرو کوشش سے ہی پائے گا ثمر

صبر کردن بہر ایں نبود حرج　　اس لے کی خاطر صبر کرنا کارساز
صبر کن کالصبرا مفتاح الفرج　　صبر کر کہ صبر ہے خوشیوں کا راز

ﻟ　بادۂ عرفاں حاصل کرنے کے لیے مجاہدے اور صبر و سخت کوشش کی ضرورت ہے، یاد رہے صبر ہی کامیابی کا راز ہے۔

محبت کے طفیل

از محبت تلخہا شیریں شود — تلخ ۱ بھی شیریں محبت کے طفیل
از محبت مسہا زریں شود — مِس بھی ہو زریں محبت کے طفیل

از محبت دُردہا صافی شود — تلچھٹیں فرحاں محبت کے طفیل
از محبت دردہا شافی شود — درد بھی درماں محبت کے طفیل

از محبت خار ہا گل می شود — خار بھی غنچے محبت کے طفیل
وز محبت سرکہ ہامل می شود — اور سرکہ مے محبت کے طفیل

از محبت دار تختے می شود — دار تختِ شہ محبت کے طفیل
وز محبت بار بختے می شود — بوجھ زادِ رہ محبت کے طفیل

از محبت نار نورے می شود — آگ نور افشاں محبت کے طفیل
محبت دیو حورے می شود — دیو ہوں خوباں محبت کے طفیل

از محبت سنگ روغن می شود — سنگ ہو مایا محبت کے طفیل
وز محبت موم آہن می شود — موم ہو لوہا محبت کے طفیل

از محبت حزن شادی می شود — غم بنے شادی محبت کے طفیل
وز محبت غول ہادی می شود — بھوت ہو ہادی محبت کے طفیل

از محبت نیس نوشے می شود — زہر ہو زم زم محبت کے طفیل
وز محبت شیر موشے می شود — موش ۲ ہو ضیغم محبت کے طفیل

۱ ان اشعار میں مولانا عشق حقیقی کی بدولت خوشگوار نتائج حاصل ہونے کا ذکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر محبت سچی ہو تو مضر اشیا بھی مفید بن جاتی ہیں۔ ۲ محبت سچی اور حقیقی ہو تو وہ انسان کو ہمت و حوصلہ اور صبر و استقامت عطا کرتی ہے قہر رحمت بن جاتا ہے اور کانٹا پھول اس لیے کہ محبوب کا قہر لینا نیت کا نتیجہ ہوتا ہے اور اس سے دل کو چبھن محسوس ہو تو وہ محبوب کی یاد کو پھول کی طرح تازہ رکھنے کا سبب ہوتی ہے۔

از محبت سقم صحت می شود   رنج ہو صحت محبت کے طفیل
وز محبت قہر رحمت می شود   قہر بھی رحمت محبت کے طفیل

از محبت خار سوسن می شود   خار بھی سوسن محبت کے طفیل
وز محبت خانہ روشن می شود   گھر بھی ہو روشن محبت کے طفیل

از محبت مردہ زندہ می شود   مردہ ہو زندہ محبت کے طفیل
وز محبت شاہ بندہ می شود   شاہ ہو بندہ محبت کے طفیل

ایں محبت ہم نتیجہ دانش است   ہے[1] محبت عقلِ کامل کی عطا
کے گزافہ برچنیں تختے نشست   اہل ہے ناقص کہاں اس تخت کا

دانشِ ناقص کجا ایں عشق زاد   عقلِ[2] ناقص عشق سے محروم ہے
عشق زاید ناقص اما بر جماد   عشق اس کا سنگ سے مقسوم ہے

بر جمادے رنگِ مطلوبے چو دید   رنگ دیکھا سنگ پہ محبوب کا
از صفیرے بانگِ محبوبے شنید   نقل سے صد حیف دھوکا کھا گیا

دانشِ ناقص نداند فرق را   عقلِ[3] ناقص فرق کر سکتی نہیں
لاجرم خورشید داند برق را   برق کو جانے ہے وہ مہرِ مبیں

نقصِ عقلست آنکہ بد رنجوریست   عقلِ ناقص ہے یہ رنجوری تری
موجبِ لعنت سزائے دوریست   وجہِ لعنت ہے یہ رکھو دور ہی

کفرِ فرعونے وہر گبرِ عنید   گبر اور فرعون کی بے راہ روی
جملہ از نقصانِ عقل آمد پدید   سچ ہے پیدا عقلِ ناقص سے ہوئی

[1] حقیقی محبت عقلِ کامل سے ہی حاصل ہوتی ہے اگرچہ عقلِ ناقص بھی محبت پیدا کرتی ہے لیکن غیر حقیقی محبوب کے ساتھ۔
[2] عقلِ ناقص غیر حقیقی محبوب کا حسن وجمال دیکھ کر اسے حقیقی سمجھ کر اس کا گرویدہ ہوجاتا ہے بالکل اسطرح جیسے شکاری کی سیٹی کو پرندے اپنے ہم جنس کی آواز سمجھ کر دھوکہ کھاجاتے ہیں۔ [3] عقلِ ناقص فانی کو باقی سمجھ کر اس پر فریفتہ ہوجاتی ہے۔

دِل

تو ولا منظورِ حق آنگہ شوی　　ہو گے[۱] تم مطلوبِ حق جب دہر سے
کو چو جزوے سوئے کُلِ خود روی　　جزو کی مانند کُل سے جا ملے

حق ہمی گوید نظر ماں بر دل ست　　"تیرے[۲] دل پہ ہے نظر" حق نے کہا
نیست بر صورت کہ آں آب وگل ست　　"آب و گِل کی شکل سے کیا واسطہ"

تو ہمی گوئی مرا دل نیز ہست　　میں[۳] بھی دل رکھتا ہوں دعویٰ ہے تجھے
دل فرازِ عرش باشد نے بہ پست　　عرش پہ رہ واسطہ کیا فرش سے

در دلِ تیرہ یقیں ہم آب ہست　　ہے سیاہ کیچڑ میں بھی پانی مگر
لیک ازاں آبت نشاید آب دست　　ایسے پانی سے وضو ہے بے اثر

زانکہ گر آب ست مغلوبِ گِل ست　　گو وہ پانی ہے مگر مغلوبِ گِل
پس دلِ خودرا مگو کایں ہم دل ست　　پھر[۴] تو اپنے دل کو کیوں کہتا ہے دِلا

آں دلے کز آسمانہا برتر ست　　آسمانوں سے بلند تر ہے جو دل
آں دلِ ابدال یا پیغمبر ست　　اولیاء کا انبیاء کا ہے وہ دل

پاک گشتہ آں ز گِل صافی شدہ　　خاک اور مٹی سے ہے وہ صاف وپاک
در فزونی آمدہ وافی شدہ　　رفعتیں پا کر ہوا ہے تابناک

۱ انسان اسی وقت مطلوبِ حق بن سکتا ہے جب وہ اس کا ہوکر رہ جائے۔

۲ جسم خاکی سے کیا واسطہ میرا تعلق تو تمہارے دل سے ہے۔

۳ دل رکھنے کا دعویٰ تو ہر کسی کو ہے لیکن درحقیقت دل تو وہ ہے جو دنیاوی خواہشات سے پاک عشقِ خداوندی سے مالا مال ہو۔

۴ مولانا فرماتے ہیں کہ جس طرح گدلے پانی سے وضو نہیں کیا جا سکتا اسی طرح وہ دل جو دنیاوی حرص وہوس میں مبتلا ہو دل کہلانے کا مستحق نہیں۔

ترکِ گِل کردہ سوئے بحر آمدہ   خاک ۱ سے دامن چھڑا کر دیکھنا
رَستہ از زندانِ گِل بحرے شدہ   بحر میں کھو کر وسیع تر ہو گیا

آبِ ما محبوسِ گِل ماندست ہیں   میں ۲ ہوں کیچڑ میں ملا پانی مگر
بحرِ رحمت جذب کن ما رازطیں   بحرِ رحمت اپنے اندر جذب کر

بحر گوید من ترا در خود کشم   بحر ۳ بولا "جذب تو کر لوں مگر
لیک می لافی کہ من آبِ خوشم   تو بہت نازاں ہے اپنے آپ پر"

لافِ تو محروم میدارد ترا   ترک کر انداز فخر وناز کا
ترک آں پندار کن درمن در آ   چھوڑ خود بینی مرے اندر سما

سرکشیدی تو کہ من صاحب دلم   اہل ۴ دل ہونے پہ تو نازاں ہوا
حاجتے غیرے ندارم واصلم   حق رسیدہ ہوں مجھے اوروں سے کیا

دل تو ایں آلودہ را پند اشتی   دل سمجھتے ہو دل ناپاک کو
لا جرم دل ز اہل دل برداشتی   اس لئے برگشتہ اہل دل سے ہو

خود روا داری کہ آں دل باشد ایں   اس ۵ دل ناداں کی حیثیت ہے کیا
کہ بود در عشقِ شیرو انگبیں   جو ہے دودھ اور شہد پر ہر دم فدا

آں دلے کو عاشقِ مال ست وجاہ   دل ۶ کہ جو شیدا ہو جاہ ومال کا
یا زبونِ ایں گِل و آبِ سیاہ   یا ہو اس دنیا کے غم میں مبتلا

۱ جب کسی کا دل عالم آب وخاک کی آلائشوں سے دامن چھڑا لیتا ہے تو وہ بحر وحدت میں گم ہو کر لامتناہی وسعت کا حامل ہو جاتا ہے۔
۲ اب مولانا رب ذوالجلال کے حضور مناجات کرتے ہیں کہ میں گدلے پانی کی طرح ناپاک ہوں، اے بحر رحمت مجھے اپنے اندر جذب کر لے۔
۳ بحر حق سے جواب ملتا ہے کہ جب تو نے اپنی خود بینی سے نجات حاصل کر لی تو پھر میرے اندر جذب ہونے کی اہلیت حاصل ہو گی۔
۴ تم اپنے آپ کو اہل سمجھتے ہو بالکل اس طرح جیسے کیچڑ کا پانی اپنے آپ کو پاک اور صاف سمجھتا ہے۔
۵ تم خود انصاف کرو کہ وہ دل جو دنیاوی لذتوں کا عاشق ہو کیا دل کہلانے کے قابل ہے۔
۶ حقیقی دل تو خود ازلی اور دائمی لذت کا حامل ہوتا ہے پھر ایسا دل جو عالم ناسوت کی چیزوں سے لذت حاصل کرتا ہو اصلی اور حقیقی دل کیوں کر کہلا سکتا ہے۔

یا خیالاتے کہ در ظلمات اُو   یا وہ اپنی خواہشوں کا ہو غلام
می پرستد شاں برائے گفتگو   اُس کو دل کہنا ہے لاحاصل کلام

دل نہ باشد غیر آں دریائے نور   دل ہی کیا جو نور کا دریا نہ ہو
دل نظر گاہِ خدا وانگاہ کور   نورِ حق سے روشن و بینا نہ ہو

نے دل اندر صد ہزاراں خاص وعام   ہر بنی نوع اہلِ دل ہوتا نہیں
در یکے باشد کدامست آں کدام   خاص بندوں کیلئے ہے یہ نگیں

ریزہ دل را بہل دل را بجو   اہل دل کو ڈھونڈ اُن سے دل لگا
تاشود آں ریزہ چو کوہے اُزو   تیرا دل ذرہ ہے کوہ بن جائے گا

دل محیط ست اندریں خطہ وجود   اہل دل کا دل ہے بحر بیکراں
زرہمی افشاند از احساں وجود   بخشش وانعام کا آب رواں

از سلامِ حق سلامتہا نثار   حق نے کیں جو رحمتیں اُن کو عطا
میکند بر اہلِ عالم ز اختیار   بخشتے ہیں اہلِ دنیا کو سدا

ہر کرا دامن درست ست ومُعد   جس[1] کا بھی دامانِ دل ہو استوار
آں نثارِ دل بر آنکس میر سد   بخشش وانعام پائے گا ہزار

[1] اللہ تعالیٰ اولیائے کرام کو رحمتوں اور بخششوں سے نوازتا ہے جو وہ لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں، جس شخص کا دامن دل وسیع اور مضبوط ہوگا وہ اولیاء کی برکتوں سے زیادہ فائدہ اُٹھا سکے گا۔

طلبیدنِ فتح مکہ پیغمبرؐ را جہت دوستی ملکِ دُنیا

نبود چونکہ فرمود اَلدّنیا جِیفَته وَطالِبُهَا کِلابُ

بلکہ بامر خدا بود

فتح مکہ کی طلب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دنیا کے لئے نہ تھی اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "دنیا مُردار ہے اور اس کے طلبگار رکھتے ہیں" بلکہ خدا کے حکم سے تھیں۔

جہد پیغمبر بفتح مکہ ہم   فتح مکہ کے لئے جہد نبیؐ
کے بود در حبِ دنیا متہم   چاہتِ دنیا سے آلودہ نہ تھی

آنکہ او از مخزنِ ہفت آسماں   جس نے روزِ امتحاں [1] افلاک پہ
چشمِ دل بربست روزِ امتحاں   سب خزانوں سے کیا صرفِ نظر

از پئے نظارۂ او حور و جاں   جس کے اک جلوہ کی خاطر حور و جاں
پر شدہ آفاقِ ہر ہفت آسماں   منتظر تھے آسماں در آسماں

قدسیاں افتادہ برخاکِ رہش   عرشیوں کو جس کی گردِ رہ سے پیار
صد چو یوسف او فتادہ در چہش   مثل یوسف سینکڑوں جس پہ نثار

خویشتن آراستہ از بہر او   اُن کی [2] خاطر سب ہوئے آراستہ
خود ورا پروائے غیر دوست کو   اُن کو تھا لیکن خدا سے واسطہ

آں چناں پُر گشتہ از اجلالِ حق   تھے وہ اُس اجلالِ حق سے فیضیاب
کاندرو ہم رہ نیابد آلِ حق   انبیاء بھی جس کی لا سکتے نہ تاب

1 معراج پر جب حضور تشریف لے گئے تو آپ نے صرف ذاتِ باری اور انوارِ حق پر توجہ مرکوز کی اور عرش کی کسی چیز کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔

2 عرش پر حور و ملائک حضورؐ کی آمد کے وقت پورے ذوق و شوق سے منتظر تھے لیکن حضورؐ کی نگاہ شوق صرف جلوہ خداوندی کی متلاشی تھی۔

لَا یَسَعُ فِیْنَا نَبِیٌّ مُرْسَل　　کوئی بھی[1] مجھ میں سما سکتا نہیں
وَ الْمَلَکُ وَالرُّوحُ اَیْضاً فَاعْقِلُو　　جز خدا کے ہوں ملک یا مرسلیں

گفت مازاغیم وبیچوں زاغ نے　　میں یہ[2] نہیں ہوں زاغ میں مازاغ ہوں
مست صبّاغیم و مست باغ نے　　رنگ کیا ہے عاشق صباغ[3] ہوں

چونکہ مخزنہائے افلاک و عقول　　دولتِ افلاک یا روح نفس
چوں خسے آمد بر چشمِ رسول　　تھے نگاہِ مصطفٰے میں خار و خس

پس چہ باشد مکہ و شام و عراق　　ہیں بھلا کیا مکہ و شام و عراق
کہ نماید او نبرد اشتیاق　　ہو نبیؐ کے دل میں جن کا اشتیاق

آں گماں وظن منافق را بُوَد　　خواہش[4] دنیا منافق کا نشاں
کو قیاس از جہل و حرصِ خود کند　　اس کی پستی سے جنم لے یہ گماں

آبگینہ زرد چوں سازی نقاب　　زرد شیشے کا ہو گر تیرا نقاب
زرد بینی جملہ نورِ آفتاب　　زرد ہی دیکھو گے نورِ آفتاب

بشکن شیشہ کبود و زرد را　　زرد[5] و نیلے آبگینے توڑ دو
تا شناسی گرد را و مرد را　　تا کہ گرد و مرد کی پہچان ہو

گردِ فارس گرد سرافراشتہ　　چھپ گیا ہے گرد میں وہ شہسوار
گرد را تو مردِ حق پنداشتہ　　گرد کو ناداں نہ سمجھو شہسوار

[1] حدیث شریف ہے "لی وقت لا یسعنی فیہ غیر ربی" میرے لیے ایک ایسا وقت آتا ہے جب میرے اندر سوائے میرے رب کے کسی کی گنجائش نہیں ہوتی۔

[2] سورہ نجم میں ہے مازاغ البصر وما طغیٰ یعنی دید ار الٰہی کے وقت حضورؐ کی نظر اِدھر اُدھر نہیں ہوئی۔

[3] صباغ، رنگنے والا، یہاں اشارہ قرآن پاک کی اس آیت کی طرف ہے جس میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں "صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ" یعنی خدا کا رنگ اور خدا سے بہتر رنگنے والا کون ہے؟

[4] خواہش دنیا منافق کی پہچان ہے اور وہی اس طرح کی بات سوچ سکتا ہے۔

[5] اپنی آنکھوں کو حرص و ہوس کی آلودگی سے پاک کرو تا کہ تم نیک و بد کی پہچان کر سکو۔

گرو دید ابلیس و گفت ایں فرع طیں   دیکھ [1] کر مٹی کو شیطان نے کہا
چوں فزاید برمنِ آتش جبیں   میں ہوں آتش مجھ سے یہ بہتر ہے کیا

تا تو وی بنی عزیزاں را بشر   مقبلان [2] حق کو سمجھے ہو بشر
واں کہ میراث بلیس ست آں نظر   ہے تری نظروں پہ شیطان کا اثر

گر نہ فرزند بلیسی اے عنید   گر نہیں ہے تجھ میں خو شیطان کی
پس بتو میراثِ آں سگ چوں رسید   تجھ سے کیوں آتی ہے بو شیطان کی

من نیم سگ شیر حقم حق پرست   سگ نہیں ہوں شیر حق ہوں حق پرست
شیر حق آنست کز صورت برست   شیر حق ہوتا ہے کب تا حق پرست

شیر دنیا جوید اشکارے و برگ   شیر دنیا کی طلب ہے باروبرگ
شیر مولیٰ جوید آزادی و مرگ   شیر حق کی صرف آزادی و مرگ

چونکہ اندر مرگ بیند صد وجود   موت میں سو جان نو پاتا ہے وہ
ہمچو پروانہ بسوزاند وجود   صورت پروانہ جل جاتا ہے وہ

ہمچنانکہ آرزوئے سود ہست   دل میں [3] ہے گر سیم و زر کی آرزو
آرزوئے مرگ بدون زاں بہ است   موت اس سے خوب تر کی آرزو

[1] مٹی سے آدم کو تخلیق کرنے کے بعد جب حق تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ اس کے سامنے سربسجود ہو جاؤ تو شیطان نے کہا یہ مٹی کا بنا ہوا ہے اور میں آگ سے پھر اس کے سامنے میں کس طرح سر جھکا سکتا ہوں۔

[2] قرآن کریم میں کفار کا مقولہ منقول ہے۔ ان انتم الا بشر مثلنا یعنی تم صرف ہم جیسے انسان ہو یعنی محض ظاہر کو دیکھنا اور باطنی فضائل پر نظر نہ رکھنا۔

[3] اگر تیرے دل میں مال و دولت کی تمنا ہے تو اس سے بہتر موت کی آرزو ہے اس لیے کہ سیم و زر سے زندگی کو طول نہیں دیا جا سکتا جب کہ موت سے انسان حیات ابدی پاتا ہے۔

قصہ خیو انداختن خصم در روئے امیر المومنین حضرت علیؓ و انداختن حضرت امیر المومنین شمشیر از دست

''حضرت امیر المومنین حضرت علیؓ کے منہ پر ایک دشمن کے تھوک دینے کا قصہ اور امیر المومنین کا ہاتھ سے تلوار پھینک دینا''

از علیؓ آموز اخلاصِ عمل — آ علیؓ سے سیکھ اخلاصِ عمل
شیرِ حق را داں منزّہ از دَغل — پاک ہے شیرِ خدا اور بے [1] دَغل

در غزا بر پہلوانے دست یافت — جنگ میں اک پہلواں کو جا لیا
زود شمشیرے بر آورد و شتافت — کھینچ کر شمشیر جب حملہ کیا

اُو خیو انداخت بر روئے علی — اُس نے تھوکا اُن کے روئے پاک پر
افتخارِ ہر نبی و ہر ولی — جو تھا وجہِ افتخارِ ہر بشر

اُو خیو زد بر رُخے کہ روئے ماہ — وہ رخِ تاباں کہ جس کی جلوہ گاہ
سجدہ آرد پیش او در سجدہ گاہ — ماہِ کامل کے لیے ہے سجدہ گاہ

افتخارِ ہر ولی و ہر صفی — افتخارِ اولیاء اہلِ صفا
کرد نارِ غیض بر خود منطفی — آگ غصے کی بجھا کر برملا

در زماں انداخت شمشیر آں علیؓ — رک گئے تلوار کو پھینکا وہیں
کرد اُو اندر غزایش کاہلی — بچ گیا مردار ہونے سے لعیں

گشت حیراں آں مبارز زیں عمل — وہ بہت حیراں ہوا اس کام سے
در نمودن عفو و رحمت بے محل — بے محل بخشش کے اس اقدام سے

[1] بے دَغل یعنی کھوٹ سے پاک

گفت برمن تیغ تیز افراشتی — اور پوچھا کھینچ کر تلوار کیوں
از چہ افگندی مرا بگذاشتی — پھینک دی آساں تھا گرچہ میرا خوں

آنچہ دیدی بہتر از پیکار من — یوں لڑائی ترک کی کیا دیکھ کر
تا شدی تو سست در اشکارِ من — لی نہ میری زندگی کیا دیکھ کر

آنچہ دیدی کہ چنیں خشمت نشست — آگ غصے کی بجھی کیا دیکھ کر
تا چنیں برقے نمود و باز جست — برق چمکی اور چھپی کیا دیکھ کر

آنچہ دیدی کہ مرا زاں عکسِ دید — ہو گیا [1] مجھ پہ اثر کیا دیکھ کر
در دل و جاں شعلۂ آمد پدید — شعلہ زن ہوں سر بسر کیا دیکھ کر

آنچہ دیدی برتر از کون و مکاں — برتر [2] از کون و مکاں کیا دیکھ کر
کو بہ از جاں بود و بخشیدیم جاں — بخشش دی ہے میری جاں کیا دیکھ کر

در شجاعت شیرِ ربانیتی — ہاں شجاعت میں ہے تو شیر خدا
در مروت خود کہ داند کیستی — اور مروّت میں نہیں ثانی ترا

در مروت ابرِ موسائی بہ تیہ — تو مروّت [3] میں ہے ابر موسوی
کامد ازوے خوان نانِ بے شبیہ — جو تیہ پہ لایا خوانِ نعمتی

اے علیؑ کہ جملہ عقل و دیدۂ — اے علیؑ اے عقل کُل اے دیدہ ور
شمۂ و گو ازاں چہ دیدۂ — کچھ تو بتلا رُک گئے کیا دیکھ کر

تیغ علمت جان مارا چاک کرد — تو نے [4] مارا مجھ کو تیغ حلم سے
آب علمت خاک مارا پاک کرد — اور کیا پاکیزہ آبِ علم سے

1. کافر نے حضرت علیؑ کا یہ حیران کن مشفقانہ عمل دیکھ کر کہا آپ کے اس عمل سے میرے اندر بجلی کی لہر دوڑ گئی ہے۔
2. اے علیؑ آپ نے دو جہاں سے ارفع و اعلیٰ ایسا کیا کرشمہ دیکھا کہ میری جان بخش دی۔
3. وہ بیابان جہاں حضرت موسیٰ کی قوم پہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے ابر بھی برسا اور من سلویٰ بھی اترا۔
4. میری گستاخی کے جواب میں تو نے صبر و بردباری سے کام لے کر مجھے بے تیغ قتل کر دیا اور اپنے علم کی بدولت مجھے پاک کر دیا۔

باز گو دانم کہ ایں اسرار ہوست　　ہاں[1] بتا کیا یہ نہیں اسرار ہُو
زانکہ بے شمشیر کشتن کارِ اُوست　　قتل کرنا بے سناں ہے کارِ ہُو

صانع بے آلت و بے جارحہ　　اُس[2] کو کچھ حاجت نہیں اوزار کی
واہب ایں ہدیہ ہائے رائحہ　　جو عطا کرتا ہے تحفے قیمتی

صد ہزاراں روح بخشد ہوش را　　بخشتا ہے ہوش کو جانیں کئی
کہ خبر نبود دو چشم و گوش را　　بے خبر ہوں جن سے چشم و گوش بھی

باز گو اے شاہ بازِ خوش شکار　　ہاں بتا شہبازِ عرش و خوش شکار
تاچہ دیدی ایں زماں از کردگار　　اِس گھڑی حق سے ہوا کیا آشکار

چشم تو اسرارِ غیب آموختہ　　غیب کے اسرار ہیں تجھ پہ عیاں
چشمہائے حاضراں بردوختہ　　جو ہیں اوروں کی نگاہوں سے نہاں

راز بکشا اے علی مرتضیٰؑ　　راز کیا ہے اے علیِؑ مرتضیٰؑ
اے پس[3] سوء القضا حُسن القضا　　تیرے دم سے ٹل گئی میری قضا

یا تو واگو آنچہ غفلت یافت است　　یا تو خود اس راز کو کیجئے عیاں
یا بگویم آنچہ برمن تافت ست　　یا جو میں نے دی کھا کر دوں وہ بیاں

چوں تو بابی آں مدینہ علم را　　آپ[4] دروازہ ہیں شہرِ علم کا
چوں شعاعی آفتاب حلم را　　نورِ تاباں آفتاب حلم کا

باز باش اے باب رحمت تا ابد　　اے درِ رحمت کھلا رہ تا ابد
بارگاہِ ما لہٗ کفواً اَحد　　بارگاہِ پاک میں جو ہے اَحد

[1] بلاشبہ یہ کام دستِ غیب کا ہے۔ [2] اب مولانا قادرِ مطلق کی قدرت کاملہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ خدائے ذوالجلال جب چاہے جو چاہے عطا کرتا ہے۔ [3] سوء القضا یعنی بدقسمتی قتل کا ارادہ اور حسن القضا یعنی خوش نصیبی معاف کرنے کا عمل۔
[4] حضورؐ کی اس حدیث پاک کی طرف اشارہ ہے جس میں آپؐ نے فرمایا: انا مدینۃ العلم وعلی بابہا" اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔

ہر ہوا وذرّہ خود منظرے ست　　ذرّہ[1] ذرّہ سے ہے وہ جلوہ نما
ناکشادہ کے بُود کانجا درے ست　　ہو جہاں در وہ سدا رہتا ہے وا

تانہ بکشاید درے را دیدباں　　کوئی کامل جب تلک کھولے نہ در
درروں ہر گز نہ گُجد ایں گماں　　یہ گماں دل پر نہیں کرتا اثر

چوں کشادہ شد درے حیراں شود　　در[2] کھلا تو وہ بہت حیراں ہوا
مرغِ امید و طمع پرّاں شود　　ذوقِ جلوہ بڑھ گیا چنداں ہوا

پس بگفت آں نو مسلمانِ ولی　　پھر علیؓ سے نو مسلماں نے کہا
از سرِ مستی و لذت با علیؓ　　تھا عجب مستی میں جو ڈوبا ہوا

کہ بفرما یا امیر المومنین　　کچھ تو کہہ تو اے امیر المومنین
تابجنبد جاں بہ تن ہمچو جنیں　　تن میں جاں رقصاں ہو مانند[3] جنیں

باز گو اے بازِ پر افروختہ　　کچھ تو کہہ اے شاہبازِ پَر فشاں
باشہ و باساعدش آموختہ　　شاہ[4] کا بازو ہے تیرا آشیاں

باز گو اے بازِ عنقا گیر شاہ　　کچھ تو کہہ اے شہ کے عنقا گیر باز
اے سپاہ اشکن بخود نے باسپاہ　　تو کہ تنہا بے سپہ ہے فتح ساز

امت وحدی یکے و صد ہزار　　اُمت[5] واحد بھی تو افراد بھی
باز گو اے بندہ بازت راشکار　　پُر مسرت ہے تری بیداد بھی

در محل قہر ایں رحمت زچیست　　قہر کے بدلے عطا ہے کس کا کام
اژدہا را راہ دادن راہِ کیست　　اژدھا کو چھوڑنا ہے کس کا کام

[1] ہر ذرّہ میں مشاہدہ حق ہو سکتا ہے لیکن اُسے دیکھنے کے لیے چشم بینا کی ضرورت ہے جو اہل دل کی صحبت سے حاصل ہوتی ہے جلوہ خدا کا در تو سدا کھلا رہتا ہے صرف اس تک رسائی کی ضرورت ہے۔ [2] جب مشاہدہ حق کرنے والے پر جلوہ خداوندی کا در کھلتا ہے تو اس کے ذوق جمال میں اضافہ ہوتا ہے۔ [3] وہ بچے جو ماں کے پیٹ میں ہوں۔ [4] حضرت علیؓ کے قرب الٰہی کی طرف اشارہ ہے۔ [5] قرآن پاک میں حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں ارشاد ہے کہ وہ تنہا ایک قوم تھے۔

جواب دادن امیر المومنین

(امیر المومنین کا جواب دینا)

گفت من تیغ از پئے حق می زنم بہر حق ہوں تیغ زن بولے علیؓ
بندہ حقم نہ مامورِ تنم شیر[۱] حق ہوں میں نہیں تن کا ولی

شیر حقم نیستم شیر ہوا شیر حق ہوں شیرک نفسانی نہیں
فعل من بر دینِ من باشد گوا ہر عمل ہے مظہرِ دین و یقیں

رختِ خود را من ز رہ برداختم مال و دولت سے محبت ترک کی
غیرِ حق را من عدم انگاشتم ذاتِ حق کے ما سوا فانی سبھی

سایہ ام مَن کے جدا ام ز آفتاب سایہ[۲] سورج سے جدا ہوتا نہیں
حاجبم من نیستم اُو را حجاب میں ہوں درباں حسن کا پردہ نہیں

من چوتیغم پُر گہر ہائے وصال میں ہوں وہ شمشیر جو بخشے اماں
زندہ گردانم نہ کشتہ در قتال جان کب لیتا ہوں میں دیتاں ہوں جاں

کہ نیم کو ہم ز صبر و حلم و داد کوہ[۳] صبر و حلم ہوں میں کاہ نہیں
کوہ را کے در رُباید تند باد آندھیوں سے کوہ ہلتے ہیں کہیں

آنکہ از بادے رود از جا خسے ست وہ ہے تنکا لے اُڑے جس کو ہوا
زانکہ بادِ نا موافق خود بسے ست ہیں مخالف آندھیاں بے انتہا

۱ میں خدا کے لیے جہاد کرتا ہوں تن یعنی دنیاوی خواہشات کی تکمیل کے لیے نہیں۔

۲ میں خدا کی رضا کا تابع ہوں جس طرح سایہ سورج کا تابع ہوتا ہے میں تو اللہ تعالیٰ کے دربار کا دربان ہوں (میرا کام تو دربار تک پہنچانا ہے) میں حق تعالیٰ تک رسائی کی راہ میں رکاوٹ نہیں۔

۳ میں صبر و تحمل کا کوہ گراں ہوں تنکا نہیں جو اڑ جاؤں یا جگہ سے ٹل جاؤں۔

بادِ خشم و بادِ شہوت بادِ آز حرص کی شہوت کی غصے کی ہوا
بُرد او را کہ نہ بُود اہلِ نماز لے اُڑی اُس کو نہ تھا جو با خدا

بادِ حرص و باد کینہ بادِ آز حرص کی کینے کی لالچ کی ہوا
بُرد اورا کو نہ بُود اہلِ نیاز لے اُڑی اُس کو نہ تھا جو با وفا

بادِ کبر و بادِ عُجب و بادِ خلم کبر کی نخوت کی ذلت کی ہوا
بُرد اُورا کہ نبود از اہلِ علم لے اُڑی اُس کو نہ تھا جو با صفا

غرق نورم گرچہ سقفم شد خراب نور میں ہوں غرق گو تن ہے خراب
روضہ گشتم گرچہ ہستم بُو تراب خوشنما گلشن ہوں گو ہوں بو تراب [۱]

چوں در آمد علتے اندر غزا جب غزا میں رونما علت ہوئی
تیغ را دیدم میاں کردن سزا تھا مناسب روک لوں تلوار بھی

تا اَحَبَّ للّٰہ آید نام من عشق [۲] بہر حق میری پہچان ہو
تا کہ اَبْغَضَ للّٰہ آید کامِ من بُغض بہر حق مرا ارمان ہو

تا کہ اَعطیٰ للّٰہ آید جودِ من جو بھی دوں وہ راہِ حق میں دوں سدا
تا کہ اَمسَکَ للّٰہ آید بودِ من گر نہ دوں تو وہ بھی ہو بہرِ خدا

بخل من للّٰہ عطا للّٰہ و بس بہر حق میں بخل و صدقہ بالیقیں
جملہ للّٰہ ام نیم من آنِ کس ہوں اُسی کا غیر کا بندہ نہیں

زاجتہا و از تحری رُستہ ام اجتہاد و فکر سے آزاد ہوں
آستیں بر دامنِ حق بستہ ام تھام کر دامن خدا کا شاد ہوں

۱ بوتراب۔ مٹی والا، یہ حضرت علیؓ کا لقب تھا، ایک بار حضرت علیؓ گھر میں حضرت فاطمہؓ سے رنجیدہ ہو کر مسجد نبوی میں جا کر فرش پر لیٹ گئے، پسینہ آیا تو جسم فرش کی مٹی سے لتھ پتھ ہو گیا، آنحضورؐ کو معلوم ہوا تو حضور مسجد تشریف لے گئے اور محبت سے فرمایا" قُم یا ابا تراب" یعنی اے مٹی میں سنے ہوئے کھڑا ہو جا" اس روز سے حضرت علیؓ کا لقب بوتراب ہو گیا۔

۲ حدیث شریف ہے "من احب للہ و اعطی للہ و منع للہ فقد استکمل الایمان" جس کسی نے محض اللہ کے لیے محبت کی اور اللہ کے لیے بغض کیا اور صرف اللہ کے لیے کسی کو دیا اور اللہ کے لیے نہ دیا اس نے اپنے ایمان کو مکمل کر لیا۔ یعنی ان کاموں میں اس کی ذاتی اغراض شامل نہ تھی۔

چونکہ مُجرم خشم کے بندو مرا　مردِ حُر کیوں ہو گرفتارِ غضب
نیست اینجا جز صفاتِ حق درآ　آفراواں ہیں یہاں الطافِ رب

اندرآ کا زاد کردت فضلِ حق　آ کہ حق نے دی ہے آزادی تمھیں
زانکہ رحمت داشت بر خشمش سبق[1]　چھا گئیں غیظ و غضب پر رحمتیں

اندر آ اکنوں کہ رَستی از خطر　آ کہ اب خطروں سے ہے تو ماورا
سنگ بودی کیمیا کردت گہر　کیمیا[2] نے سنگ سے گوہر کیا

رُستہ از کفر و خارستان اُو　خارزارِ کفر سے پَراں ہوئے
چو گلے بشگفتہ دربستانِ اُو　باغِ حق میں مثلِ گل خنداں ہوئے

تو منی و من تو ام اے محتشم　تو[3] ہوا میں ، میں ہوا تو مرحبا
تو علیؓ بودی علیؓ را چوں کشم　پھر علیؓ کیسے علیؓ کو مارتا

معصیت کر دی بہ از ہر طاعتے　ہے اطاعت سے بھلی تیری خطا
آسماں پیمودۂ در ساعتے　ایک پل میں آسماں تھا زیرِ پا

اندرآ من در کشادم مر ترا　آ دِرِ بخشش کیا ہے میں نے وا
تُف زدی و تحفہ دادم مر ترا　تو نے تھوکا میں نے اک تحفہ دیا

من جفاگر را چنیں ہا مے دہم　میں[4] نے جب ظالم کو بخشا یہ مقام
پیش پائے حب چساں سر می نہم　عشق ہو گا کس قدر ذی احترام

پس وفا گر را چہا بخشم بداں　مخلصوں کو دوں گا کیا کیا نعمتیں
گنجہا و ملکہائے جاوداں　دائمی دولت خزانے راحتیں

۱ حدیث شریف ہے "ان رحمتی سبقت غضبی" بے شک میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے۔ ۲ حق تعالیٰ نے اپنے کرم سے تمھیں پتھر سے گہر بنا دیا۔ ۳ تائب ہو کر اسلام قبول کرنے کے بعد تو اور میں ہم مشرب اور ہم مذہب ہو گئے ہیں پھر میں تمھیں کس طرح قتل کرتا۔ ۴ اگر میں ظلم کرنے والے کے ساتھ ایسا مشفقانہ سلوک کر سکتا ہوں تو پھر خود اندازہ کرو کہ محبت کرنے والوں کے ساتھ کس قدر مروت و شفقت کر سکتا ہوں۔

من چناں مردم کر بہ خوبیِ خویش   میں ہوں وہ مرد جری دشمن کے ساتھ
نوش لطف من نشد در قہر نیش   قہر کے بدلے کرے جو التفات

عشق

عاشقی پیداست از زاریِ دل   دل کی بیماری ہے چاہت کا نشاں
نیست بیماری چو بیماریِ دل   دل کی بیماری سی بیماری کہاں

علت عاشق ز علتہا جداست   عشق سب بیماریوں سے ہے جدا
عشق اصطرلاب[1] اسرارِ خداست   عشق ہے پیمانہ رمز خدا

عاشقی گرزیں سرو گرزاں سرست   عشق حق عشق مجازی جو بھی ہو
عاقبت مارا بداں شہ رہبر ست   سب کی منزل ہے وہی اللہ ہُو

ہر چہ[2] گویم عشق را شرح و بیاں   ماجرائے عشق ہو کیسے بیاں
چوں بعشق آیم خجل باشم ازاں   عشق میں ہے ہر قدم پہ امتحاں

گرچہ تفسیر زباں روشنگرست   خوب[3] ہے گر کیجئے تفسیر بھی
لیک عشقِ بے زباں روشن ترست   بے زبانی ہی زباں ہے عشق کی

چوں قلم اندر نوشتن میشتافت   لکھ رہا تھا گو قلم سب ماجرا
چوں بعشق آمد قلم بر خود شگافت   عشق کے احوال سے شق ہو گیا

چوں سخن در وصف ایں حالت رسید   لکھ رہا تھا جب قلم حال زار
ہم قلم بشکست وہم کاغذ درید   ہو گیا دو لخت کاغذ تار تار

[1] اصطرلاب ایک آلہ ہے جس سے اجسام فلکی کی گردش اور بلندی کی پیمائش کی جاتی ہے لہٰذا عشق صادق قرب الٰہی کا باعث ہوتا ہے اور یوں عاشق صادق کے لیے اسرار الٰہیہ سے آشنا ہونے کا ذریعہ بنتا ہے۔

[2] عشق ایک ایسی واردات قلبی ہے جسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں، اس احساس کی تشریح بجائے خود ایک امتحان ہے۔

[3] اگرچہ عشق کی زبانی تفسیر و تشریح اس کی حقیقت کو روشن کرتی ہے لیکن سچ تو یہ ہے کہ اس جذبہ لطیف کو جامہ الفاظ پہنانا ممکن نہیں۔

عقل در شرحش چو خر در گِل بخفت	عقل [1] کیا سمجھے گی رمز عاشقی
شرح عشق و عاشقی ہم عشق گفت	عشق نے ہی عشق کی تشریح کی
عشق زندہ در روان و در بصر	عشق [2] ہے اُس جاوداں کا جان جاں
ہر دمے باشد زغنچہ تازہ تر	جو ہے غنچے سے حسیں تر ہر زماں
عشق آں زندہ گزیں کو باقی ست	جو سدا باقی ہے اُس سے عشق کر
وز شراب جانفزایت ساقی است	اُس کا جام عشق پی اے دیدہ وَر
عشق آں بگزیں کہ جملہ انبیاء	جس کے عشق پاک سے ہے سب انبیاء
یا فتند از عشق اُوکا روکیا	ہیں ابد تک سر بلند و خوش نوا

[1] عشق و عاشقی کے اسرار و رموز کو جاننا آسان نہیں۔ ان کی حقیقت سے وہی آشنا ہوگا جو خود عشق میں مبتلا ہو۔
[2] اُس قائم و دائم کا عشق ہر لحظہ قلب و نظر کو تازگی بخشتا ہے۔

مُضرّتِ تعظیم خلق و انگشت نما شدن

(لوگوں کی تعظیم اور شہرت کے مضر اثرات)

تن قفس شکل ست وزاں شد خارجاں   تن کا پنجرہ[1] خار ہے جاں کے لیے
از فریب و اخلان و خارجاں   ہے یہ نالاں ہر کسی کے مکر سے

اینش گوید من شوم ہمراز تو   یہ کہے[2] میں ترا ہمراز ہوں
وانش گوید نے منم انبازِ تو   وہ کہے میں ہی ترا دمساز ہوں

اینش گوید نیست چوں تو در وجود   یہ کہے کوئی نہیں تجھ سا یہاں
در کمال و فضل و در احسان وجود   علم میں فضل و کرم میں بے گماں

آنش گوید ہر دو عالم آنِ تست   وہ کہے تیرے ہیں یہ دونوں جہاں
جملہ جانہائے ما طفیلِ جانِ تست   تیرے ہی دم سے ہیں سارے انس و جاں

اینش گوید گاہِ عیش و خرّی   یہ کہے عیش و نمو کا وقت ہے
آنش گوید گاہِ نوش و ہمدی   وہ کہے جام و سبو کا وقت ہے

اُوچو بیند خلق را سرمستِ خویش   دیکھ کر یہ ہیں سبھی اُس پہ فدا
از تکبر میرود از دستِ خویش   وہ تکبر کے نشے میں کھو گیا

اُو نداند کہ ہزاراں را چو اُو   کیا خبر تھی اس سے پہلے بیشمار
دیو افگندست اندر آبِ جُو   ہو چکے تھے مکرِ شیطاں کے شکار

۱ جسم انسانی خواہشات نفسانی کا باعث ہوتا ہے اس لیے روح انسانی کے لیے باعث آزار ہوتا ہے۔

۲ انسان کو انسان ہی بےجا خوشامد اور تعریف سے گمراہ کرتا ہے۔

لطف وسالوس جہاں خوش لقمہ است
کمترش خور کو پُر آتش لقمہ ایست

زندگی کی ہر ادا ہے خوش نما
ہوش کر اس میں ہے دریا آگ کا

آتشش پنہاں وذوقش آشکار
دود اُو ظاہر شود پایانِ کار

ظاہر[1] آ اچھی مگر آتش بجاں
اک نہ اک دن اس سے اُٹھے گا دھواں

تو مگو تا مدح را من کے خرم
از طمع می گوید اُو من پے برم

کب[2] خوشامد ہے کسی کو نا گوار
گو نہ ہو اُس کا تاثر آشکار

مادحت گر ہجو گوید بر ملا
روز ہا سوزد لت زاں سوزہا

نکتہ چیں ہو برملا گر مدح گو
رنج سے آزردہ خاطر ہو گا تو

گرچہ دانی کو ز حرماں گفت آں
کاں طمع کہ داشت از تو شد زیاں

اُس[3] نے یہ سب بات مایوسی میں کی
بر نہ ئی تجھ سے جو امید تھی

آں اثر میماندت اندر دروں
در مدیح ایں حالتے ہست آزموں

دیر تک تجھ پہ رہے اس کا اثر
دیرپا جیسے خوشامد کا اثر

آں اثر ہم روزہا باقی بود
مایہ کبر و خداع جاں شود

یہ اثر بھی دیر تک قائم رہے
مکر کا کبر کا باعث بنے

نیک بنماید چو شیرین ست مدح
بد نماید زانکہ تلخ افتاد قدح

ہے خوشامد خوش مزا سب کو پسند
اور برائی تلخ ہے کیوں ہو پسند

[1] مدح سرائی سے انسان ابتدا میں خوش ہوتا ہے لیکن انجام کار تباہ و برباد ہوتا ہے۔

[2] بعض لوگ سوچتے ہیں کہ ان پر خوشامد کا کوئی اثر نہیں ہوتا مولانا اس بات کی تردید کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ خوشامد کا اثر ضرور ہوتا ہے تاہم بعض اوقات محسوس نہیں ہوتا لیکن یہ دل و دماغ میں سرایت کرتا ہے اور رفتہ رفتہ اس کے برے اثرات تکبر و غرور اور خوش فہمی اور خود بینی کی صورت میں نمایاں ہوتے ہیں۔

[3] اگر تمہارا تعریف کرنے والا کبھی تمہاری برائی کرے تو تم سمجھتے ہو کہ چونکہ تم نے اس کی کوئی آرزو پوری نہیں کی، اس لیے اس نے برائی کی ہے لیکن اس سوچ کے باوجود تم اس کی برائی سے متاثر ہوتے ہو اور یہ تاثر بھی خوشامد کے اثر کی طرح کافی دیرپا ہوتا ہے۔

نفس از بس مدحہا فرعون شد   نفس[1] ہو تعریف سے فرعون خُو
کن ذلیل النفس هوناً لا تسُد   چھوڑ سرداری کو بن جا خاک رُو

ناتوانی بندہ شو سلطاں مباش   کچھ[2] بھی ہو خادم ہی بن سلطاں نہ بن
زخم کش چوں گوئے شو چوگاں مباش   گیند بن کر چوٹ کھا چوگاں نہ بن

[1] انسان کا نفس تعریف سن کر فرعونیت میں مبتلا ہوجاتا ہے اس لیے بہتر ہے کہ سرداری کی خواہش کو ترک کر کے خاکسار و منکسر المزاج بن جائے کرسی نشین گر سکتا ہے لیکن فرش نشین کا اپنی نشست سے گرنے کا کوئی احتمال نہیں ہوتا۔
[2] کچھ بھی ہو خدمت گزار بن اس عمل سے جو عزت حاصل ہوگی وہ سلطانی کی عزت سے زیادہ دیرپا ہوگی۔

جلد دوئم

فہرست عنوانات

-1	گذارش احوال	207
-2	ذات حق	237
-3	عشق حق	239
-4	لا نفرق بین احد من رسله کی تفسیر	241
-5	حرف عقیدت	243
-6	حدیث نبویؐ	244
-7	دنیائے بے ثبات	251
-8	تفسیر آیت وهو معکم......	253
-9	عشق ضدین	254
-10	راضی بہ رضا	256
-11	عشق الٰہی	257
-12	رحمت حق	258
-13	نفس	259
-14	عطائے ربی	260
-15	یار حقیقی	265
-16	حرف راز	269
-17	اے خدائے ذوالجلال	272
-18	اے خدا	274
-19	رسوانہ کر	278

-20	رسولِ خدا کا حضرت علیؑ کو وصیت کرنا	279
-21	تفسیر حدیث من کامن للہ	284
-22	حدیث مبارک لیس للماضین	286
-23	اک بیمار کو نصیحت نبویؐ	292
-24	صلح حدیبیہ۔فتح مبیں	296
-25	طالب ومطلوب	298
-26	نکوکار	302
-27	ظلم	305
-28	قول حکیم سنائی	307
-29	جود وسخا	309
-30	مردِ مومن	311
-31	نماز	312
-32	اَدب و بے اَدبی	313
-33	جب ہوئے بیمار	315
-34	بندۂ ناچیز	317
-35	مردِ حق سے نسبت	318
-36	نیت وارادہ	319
-37	نیک وبد کی پہچان	321
-38	نیک وبد	322
-39	قلبِ مومن	325
-40	راز	326
-41	جذب ہر عنصرے جنس خودرا......	327

-42	متجذب شدنِ جاں	329
-43	فراق	331
-44	نفی و اثبات	333
-45	تدبیرِ کار	335
-46	حکایت واعظ	337
-47	قربِ حق	341
-48	شکرِ نعمت	343
-49	جانِ عاشق	344
-50	جاذب و مجذوب	347
-51	حرفِ عقیدت	351
-52	حلقۂ دَر زن	352
-53	وصلِ یار	358
-54	آئینۂ دل	361
-55	خواہشات	363
-56	معنی نو من بالقدر خیرہ وشرہ	364
-57	اے محبّ و مہرباں	367
-58	طبیب	370
-59	کارِ خیر	371
-60	گفتگو بین مجنوں و خویشاوندانِ او	382
-61	داستانِ پیرِ چنگی	387
-62	حضرت عمرؓ کو بارگاہِ حق سے حکم	395
-63	پیرِ چنگی کو حضرت عمرؓ کا پیغامِ حق پہنچانا	396

-64	حضرت عمرؓ کا اُسے مقامِ گریہ سے عالِم استغراق کو لے جانا	402
-65	تحفۂ دل	406
-66	فنافی الذات	410
-67	بقا	414
-68	قدرتِ حق	418

گزارش احوال

الحمدللہ "نوائے رومی" کی دوسری جلد مکمل ہوگئی۔اس میں بھی پہلی جلد کی طرح مثنوی کے منتخب حصوں کا منظوم ترجمہ اور جہاں ضرورت محسوس ہوئی تفسیر درج کی گئی ہے۔چونکہ حاشیہ میں زیادہ گنجائش نہیں ہوتی اس لئے تفسیر کو مختصر رکھا گیا ہے۔

مثنوی مولانا روم علم وعرفان کا بحرِ ذخار ہے۔اس کی تہہ میں حکمت ودانش کے بے شار گوہر نایاب موجود ہیں۔جنہیں صرف وہی کمال وخوبی کے ساتھ چن سکتا ہے جسے بصیرت قلب ونظر حاصل ہو،تاہم میخانہ رومی میں ایسے تشنگان شراب معرفت کو حاضری کی سعادت بھی میسر آئی ہے جو صرف چند گھونٹ پی کر اس درجہ مست وبیخود ہوئے ہیں کہ پھر ہمیشہ کیلئے ساقی رومی کا حلقہ در بن کر رہ گئے ہیں:

ایں سعادت بزورِ بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

آستانہ عالیہ گولڑہ شریف سے وابستگی، قطب دوراں قبلہ سید پیر مہر علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ سے نسبت وعقیدت، مجدد عصر ولی کامل حضرت پیر سید غلام محی الدین گیلانی عرف بابو جی سے بیعت کی سعادت اور واجب الاحترام پیر سید غلام معین الدین گیلانی مرحوم اور مسند نشین درگاہ گولڑہ شریف پیر سید شاہ عبدالحق صاحب گیلانی کے فیض صحبت کی بدولت مثنوی مولانا روم سے عشق ومحبت کا رشتہ استوار سے استوار تر ہوتا گیا اور اس مخزن معرفت سے رشد وہدایت حاصل کرنے کی خواہش قوی تر ہوتی گئی۔

مثنوی مولانا روم تقریباً 26 ہزار اشعار پر مشتمل ہے، یہ فارسی ادب کا ایک عظیم اور نادر روزگار شاہکار ہے جسے عالمگیر مقبولیت اور پذیرائی حاصل ہوئی ہے اور انشاءاللہ رہے گی اس لئے کہ مثنوی کے مطالعہ سے روحانی تسکین ملتی ہے۔ذہنی پریشانیوں سے نجات حاصل ہوتی ہے اور اپنے خالق ومالک سے دلی لگاؤ بڑھتا ہے، اسی لئے مغربی ممالک میں بھی مثنوی کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہوا ہے۔کئی محققین نے

بڑی جامع تفسیریں لکھی ہیں اور داخلی سکون کے متلاشی انسان اس کے مطالعہ سے نہ صرف اپنے ذہنی انتشار اور بے سکونی کو دور کرتے ہیں بلکہ راہِ حق پر چلنے کے لئے رہنمائی بھی حاصل کرتے ہیں۔

مثنوی مولانا روم صوفیانہ افکار کا ایک بیش بہا خزانہ ہے۔ اس میں اخلاق وعرفاں اور فقہ وکلام کے لاتعداد مسائل زیر بحث آئے ہیں۔ خدا اور حیات وکائنات کے متعلق حکیمانہ نکات کی وضاحت موجود ہے۔ قرآن حکیم کی تعلیمات اور احادیث نبوی کی بڑے ہی اثر انگیز انداز میں تفسیر وتشریح کی گئی ہے۔ روحانی زندگی کا ایک اعلیٰ وارفع تصور پیش کیا گیا ہے اور ان سے ایسے حکیمانہ نتائج اخذ کئے گئے ہیں کہ عام فہم انسان کے دل ودماغ پر بھی اس کے اثرات نقش ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ پہلی جلد کے دیباچہ میں عرض کیا گیا اس جلد میں بھی ترجمہ کرتے ہوئے اس امر کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے کہ حتی المقدور شعر کی معنویت بھی برقرار رہے اور شعریت بھی تا کہ قارئین کرام دونوں خوبیوں سے مستفیض ہو سکیں۔

مولانا رومی ان صوفیائے کرام میں سے تھے جو نظریہ وحدت الوجود کے قائل تھے تا ہم اس ضمن میں صوفیائے عظام کی روایات کے منافی زندگی میں جبر کی بجائے اختیار کے رویے کی حمایت کرتے تھے۔ مناسب ہوگا کہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے بارے میں مفسرین ومحققین کی آراء کا مطالعہ کریں اور ساتھ ہی جبر واختیار کے متعلق اہل علم کے آراء سے رہنمائی حاصل کریں اور ان اہم موضوعات پر مولانا رومی کے اشعار کے حوالے سے ان کے نقطۂ نظر سے آگاہ ہوں۔

''اہل ظاہر کے نزدیک لاالہ الا اللہ کے معنی یہ ہیں کہ خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ پرستش اور عبادت صرف اُسی کی کرنی چاہیے۔ اس کی ذات کے علاوہ کسی اور کی پرستش شرک ہے لیکن صوفیائے کرام کے نزدیک لاالہ الا اللہ کے معنی لاموجود الا اللہ یعنی عالم وجود میں صرف ذات واحد موجود ہے کسی دوسری چیز کو حقیقی وجود سے متصف کرنا شرک اور کفر ہے۔ اس کے بعد یہ بحث پیدا ہو جاتی ہے کہ ممکنات اور وجود کائنات کی وجود مطلق وجود باری سے کیا نسبت ہے۔ جو صوفیاء وحدت الوجود کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ وجود مطلق ایک ہی ہے جو وجوب، امکان، قدیم، حادث، مجرد، مومن، کافر، طاہر، نجس مختلف مظاہر میں ظاہر ہے لیکن ہر مظہر کا حکم جداگانہ ہے۔ مظاہر میں فرق کرنا لازمی ہے اور ہر مظہر پر جداگانہ حکم لگانا ضروری ہے۔ طاہر پر طہارت کا حکم ہے تو نجس پر نجاست کا، کافر کے کچھ احکام ہیں تو

مومن کے کچھ دوسرے احکام ہیں''

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد
گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

(وجود کے ہر مرتبہ کا ایک حکم ہے،اگر تو مراتب کا فرق نہیں کرتا تو زندیق ہے)

فلسفہ وحدت الوجود کی تشریح کرتے ہوئے مولانا بحرالعلوم فرماتے ہیں کہ تمام موجودات عین ذات حق ہیں ۔ممکنات کے تعینات اور تشخصات محض ایک پردہ ہیں اگر پردہ اُٹھ جائے تو سوائے ذات حق کے کوئی موجود نہیں ہے ۔اور یہ عالم امکاں نیست و نابود ہو جائے ۔

اسی نکتہ پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ بیان فرماتے ہیں کہ ''صوفیا کے نزدیک موجود سے مراد مصدری معنی نہیں ہیں کیونکہ وہ خارج میں موجود نہیں ہیں ۔معقولات ثانیہ میں سے ہیں جس کا وجود صرف ذہن میں ہوتا ہے بلکہ وجود سے ان کی مراد ما بہ الموجودیت ہے حضرت حق اپنے وجود اور ممکنات کے وجود میں غیر کا محتاج نہیں ہے ۔اس کی ذات ہی خود اسکے وجود کی مقتضی ہے ۔اسی طرح ممکنات کے وجود کی بھی اسکی ذات مقتضی ہے ۔ممکنات کا ما بہ الموجودیت کیا ہے؟ ان کے وجود سے ارادہ الٰہی کا تعلق ہے اور یہ ارادہ اللہ کی صفت ذاتی ہے ۔جس کا مقتضی صرف اس کی ذات ہے ،لہٰذا ممکنات کا ما بہ الموجودیت ذات حق کے سوا کچھ نہیں ہے ۔اب حضرت حق کو ممکنات کا وجود بمعنی ما بہ الموجودیت کہنا بالکل حق اور درست ہے ۔''

عالم اسلام کے ایک اور بلند مرتبہ عالم دین اور مفسر حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''فتاویٰ عزیزی'' میں وحدت الوجود کے موضوع پر اظہار خیال فرماتے ہوئے لکھتے ہیں ''پہلے وحدت الوجود کے معنی کو سمجھ لو پھر حقیقت حال سمجھنا ۔وحدت الوجود کے معنی یہ ہیں کہ وجود حقیقی (بمعنی ما بہ الموجودیت نہ کہ بمعنی مصدری) ایک چیز ہے جو واجب میں واجب، ممکن میں ممکن، جوہر میں جوہر اور عرض میں عرض ہے ۔اس کے یہ اختلافات ذات کے اختلافات نہیں ہیں ۔یہ مسئلہ اپنی جگہ حق ہے اور کسی طرح بھی شرع کے مخالف نہیں ہے اس لئے کہ اس وجود حقیقی میں سے ہر مرتبہ کا ایک

جدا گانہ حکم ہے اور شرع شریف ہر مرتبہ کا حکم بیان کرتی ہے ۔ بعض کو ہادی بعض کو گمراہ کنندہ بعض کو واجب الاطاعت بعض واجب العصیان بعض کو حلال بعض کو حرام بعض کو پاک اور بعض کو ناپاک قرار دیتی ہے ۔ کوتاہ بیں سمجھتا ہے کہ یہ ذات کے اختلاف کی وجہ سے ہے حالانکہ ویسا قطعاً نہیں بلکہ مصون اور اختیارات کا اختلاف ہے قرآن حکیم کی چند آیات سے اس مسئلہ کی صحت کے اشارات ملتے ہیں ۔

''سنریھم ایتنا فی الافاق وفی انفسھم حتی یتبین لھم انه الحق او لم یکف بربک انه علی کل شی شھید ، الا انھم فی مریة من لقاء ربھم الا انه بکل شی محیط''

عنقریب ہم ان لوگوں کو اپنی نشانیاں اطراف عالم میں دکھائیں گے ۔ ان کے اپنے درمیان میں بھی یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ قرآن حق ہے کیا یہ چیز کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار ہر چیز کا شاہد ہے ۔ یاد رکھو یہ لوگ تو اپنے پروردگار کے حضور حاضر ہونے سے شک میں ہیں ۔ سنو خدا ہر چیز پر حاوی ہے ۔ نیز یہ آیت **ھو الا ول والا خر والظاھر والباطن.** وہی شروع سے ہے وہی آخر تک رہے گا وہی ظاہر ہے اور وہی پوشیدہ ۔ صوفیاء کا ایک گروہ وحدت الوجود کے قائلوں کی باتوں کو سکر اور استغراق کی حالت پر محمول کرتا ہے اور وحدت الوجود سے انکاری ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ بسا اوقات سالک کو واحد الوجود کا احساس ہوتا ہے لیکن وہ نفس الامری نہیں ہے ۔ جیسا کہ سورج کی روشنی میں تمام ستارے چھپ جاتے ہیں ۔ دیکھنے والا صرف سورج کو دیکھتا ہے حالانکہ وہ نفس الامر میں موجود اور منور ہوتے ہیں تو یہ لوگ جس کو وحدت الوجود کہتے ہیں وہ وحدت الشہود ہے ۔ ان دونوں نظریوں میں فرق یہ ہے کہ وحدت الوجود کے قائل تو وجود کی حقیقی تقسیم وجود واجب اور وجود ممکن کے قائل نہیں ہیں اور وحدت الشہود کے قائل وجود ممکنات کے بھی قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ واجب الوجود کے مشاہدہ کے وقت ممکنات کے وجودات مخفی ہو جاتے ہیں جبکہ وحدت الوجود کے مدعی وجود حقیقی اور ممکنات کی تشبیہ دریا اور اس کی موجوں اور بلبلوں یا رسی اور اس کی گرہوں سے دیتے ہیں ۔ جبکہ وحدت الشہود کے قائل وجود حقیقی اور ممکنات مع وجود کی تشبیہ اصل اور اس کے سایہ سے دیتے ہیں ۔

مجدد دوراں پیر حضرت سید مہر علی شاہؒ گولڑہ شریف اس موضوع پر ایک مفصل و مدلل

بیان کے بعد خلاصہ کلام کے طور پر فرماتے ہیں ''پس معنی وحدت الوجود کا یہ ہوا کہ وحدت بمعنی یگانگی ہے اور وجود بمعنی مصدری نہیں بلکہ ما بہ الموجود اور وہ عبارت ہے ذات حق سبحانہ وتعالیٰ سے یعنی عالم یگانگی حق سبحانہ وتعالیٰ ہے اور بس کہ بطریق تنزل ظہور فرمایا۔ (مسافر چند روزہ صفحہ 421)

اگر غور کیا جائے تو وحدت الوجود اور وحدت الشہود دونوں فلسفے ذات باری اور مخلوقات و ممکنات کے تعلق کو ہی بیان کرتے ہیں اور ان دونوں نظریات کو توحید عینی اور توحید ظلی سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ ''تذکرہ غوثیہ'' میں ان دونوں نظریات کے بنیادی فلسفہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ وجود یعنی حقیقی ہستی واحد ہے لیکن ایک ظاہر وجود ہے اور ایک باطن، باطن وجود ایک نور ہے جو تمام عالم کے لئے بمنزلہ جان ہے۔ اس نور باطن کا پرتو وجود ظاہر ہے۔ جو ممکنات کی صورت میں رونما ہے۔ ہر اسم وصف، فعل جو عالم ظاہر میں ہے ان سب کی اصل وہی وصف باطن ہے اور اس کثرت کی حقیقت وہی وحدت صرف ہے جیسے امواج کی حقیقت عین ذات دریا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ کائنات کے جملہ افراد تجلیات حق ہیں۔ سبحان الذی خلق الاشیاء وھو عینھا. اور اس اعتباری کثرت کا وجود اُسی حقیقی وحدت سے ہے۔ الحق محسوس و الخلق معقول. یہ وحدت الوجود کے فلسفہ کا خلاصہ ہے اور وحدت الشہود کی تفصیل یوں ہے کہ کائنات کا وجود اور مختلف صفات اور آثار کا ظہور واحد مطلق کی ذات وصفات کا عکس ہے۔ جو عدم میں منعکس ہو رہا ہے اور یہ ظل و عکس واحد مطلق کا عین نہیں ہے بلکہ محض ایک مثال ہے۔

المختصر وحدت الوجود کے داعی کا کہنا ہے کہ ''ہمہ اوست'' یعنی سب کچھ وہی ہے جبکہ وحدت الشہود کے قائل افراد کا عقیدہ ہے کہ ''ہمہ از اوست'' یعنی سب کچھ اسی سے ہے۔

مولانا رومؒ نے مثنوی میں جابجا وحدت الوجود کے موضوع پر نہایت دلنشیں اور عام فہم انداز میں اشعار لکھے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

می شناسد ہر کہ او را منظرست
کایں فغانِ ایں سرے ہم زاں سرست

صاحب نظر جانتا ہے کہ آواز، اس جانب سے آرہی ہے یا اس جانب سے

ایک جگہ فرماتے ہیں:

جملہ معشوقست و عاشق پردۂ

سب کچھ معشوق ہے، عاشق ایک پردہ ہے۔

جبکہ بعض اوقات تو بڑے واضح الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ ہر طرف صرف ذات واحد ہی موجود ہے اور تعدد یا کثرت محض ایک اعتباری چیز ہے۔

گر ہزاراں اند یک کس پیش نیست

جز خیالاتِ عدد اندیش ہست

گر ہزاروں بھی ہوں ایک کے سوا کچھ نہیں، کثرت اور تعدد محض خیالی ہے۔

بحر وحدنیست جفت و زوج نیست

گوہرو ما ہیتش جز موج نیست

صرف وحدانیت کا سمندر ہے۔ جفت اور جوڑا نہیں اس کی حقیقت اور ماہیت موجوں سے جدا نہیں۔

نیست اندر بحر شرک پیچ پیچ

لیک با احول، چہ گویم پیچ پیچ

سمندر میں کسی چیز کی شرکت نہیں ہے، لیکن بھینگے سے میں کیا کہوں، جسے ایک بھی دو دو نظر آتے ہیں۔

سر وحدت را نداند ہر کسے

گرچہ بینی در جہاں عاقل بسے

ہر کوئی وحدت کا راز نہیں جانتا اگر چہ دنیا میں بیشمار عاقل ہیں۔

یہ اشعار اور ان جیسے دوسرے بیشمار اشعار کو پڑھ کر یہ نتیجہ اخذ کرنا دشوار نہیں کہ مولانا رومی وحدت والوجود کے قائل تھے لیکن جیسا کہ مختلف مفسرین نے تحریر کیا ہے وحدت الوجود کے داعی جبر و

اختیار کی بحثوں میں جبر کو صحیح سمجھتے ہیں اور جبریہ فرقہ کی فکری حمایت کرتے ہیں لیکن مولانا رومی جبر کے مقابلے میں اختیار کو ترجیح دیتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

سعی شکرِ نعمت قدرت بُود
جبر تو انکار آں نعمت بُود

کوشش قدرت کی نعمت کا شکر ہے اور جبر اس نعمت کا کفر ہے۔

جبرِ تو خفتن بُود در رہ مخسپ
تا نہ بینی آں درو در گہ مخسپ

تیرا جبر سوجاتا ہے، راستے میں نہ سو، جب تک اس در اور یار کو دیکھ نہ لے نہ سو۔

باور کیا جاتا ہے کہ وحدت الوجود کے قائل صوفیائے کرام جبر کے بھی قائل ہیں اور جبر کے ماننے والے بالعموم ترک دنیا اور گوشہ نشینی کو ترجیح دیتے ہیں۔ لیکن حقیقت اس دعوے کے خلاف ہے اور وحدت الوجود کے قائل صوفیا نے اپنے علم و عمل سے اسلام کی ترویج و تشہیر اور خدمت انسانی کی لازوال مثالیں پیش کی ہیں اور تاریخ عالم پر ان کی مساعی جمیلہ کے زریں نقش تا ابد قائم رہیں گے۔ خود مولانا رومیؒ وحدت الوجود کے داعی تھے لیکن جبر کے قائل نہ تھے چنانچہ زندگی میں جد وجہد اور کوشش پیہم کا درس دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

پائے داری چوں کنی خودرا تو لنگ
دست داری چوں کنی پنہاں تو چنگ

جب تیرے پاؤں ہیں تو پھر لنگڑا کیوں بنتا ہے، جب ہاتھ ہیں تو انہیں کیوں چھپاتے ہو یعنی ان سے کام کیوں نہیں لیتے۔

خواجہ چوں بیلے بدست بندہ داد
بے زباں معلوم شد او را مراد

بالعموم توکل سے یہی مطلب اخذ کیا جاتا ہے کہ انسان جد وجہد ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی

طرف سے انعام ملنے کا منتظر ہو۔ لیکن مولانا رومؒ اس نظریہ کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ وہ فرماتے ہیں۔

گر توکل می کنی برکار کن
کار کن پس تکیہ برجبار کن

اگر توکل کرنا ہے تو کام میں کرو، پہلے کام کرو پھر توکل کرو یعنی نتیجہ اللہ پر چھوڑ دو۔

رمز الکاسب حبیب اللہ شنو
از توکل در سبب کاہل مشو

(محنت کر کے) کمانے والا اللہ کا دوست ہے کا اشارہ سنو! اور توکل کی وجہ سے اسباب کو کام میں لانے میں سستی مت کرو۔

در توکل کسب و جہد اولیٰ ترست
تا حبیب حق شوی ایں بہتر ست

توکل کے معاملے (محنت سے رزق) کمانا اور کوشش کرنا بہت فوقیت رکھتا ہے۔ تا کہ اس طرح تو اللہ تعالیٰ کا محبوب ہو جائے یہی (تیرے لئے) بہتر ہے۔

مولانا رومؒ ترک اسباب کے حق میں نہیں تھے بلکہ وہ جہد پیہم کو کارثواب اور عبادت سمجھتے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

سعی ابرار و جہادِ مومناں
تابدیں ساعت زِ آغازِ جہاں

نیکوں کی کوششیں اور مومنوں کا جہاد کائنات کی ابتدا سے اس وقت تک۔

حق تعالیٰ جہد شاں را راست کرد
آنچہ دید ند از جفاو گرم و سرد

اللہ تعالیٰ نے ان کی کوشش اور تمام گرم و سرد کو صحیح قرار دیا ان اشعار کی روشنی میں یہ کہنا بجا نہ ہوگا کہ مولانا روم وحدت الوجود کے اس مفہوم کے قائل تھے جو دوسرے صوفیاء نے تسلیم کیا ہے۔

جبر واختیار:

چونکہ اوپر کے بیان میں جبر واختیار کا ذکر کیا گیا ہے اس لئے مناسب ہو گا کہ مختصر ان نظریات کے بارے میں کچھ وضاحت کی جائے۔

اہل جبر کا عقیدہ ہے کہ انسان تقدیر الٰہی کا پابند ہے۔اسے اپنے فکر وعمل پر کوئی قدرت حاصل نہیں۔جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ منشائے ایزدی سے ہوتا ہے جبکہ اس کے برعکس اختیاریہ یا قدریہ کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے کیونکہ اسے متبادل راستوں میں سے کسی ایک راستہ کو اختیار کرنے کا موقع حاصل ہوتا ہے۔یہ آزادیٔ عمل یا آزادی اختیار انسان کو ذمہ دار بناتی ہے حق تعالیٰ نے اسے نہ صرف یہ آزادی عطا کی ہے بلکہ اس آزادی کو استعمال کرنے کے لئے عقل وفکر کی صلاحیتیں بھی بخشی ہیں۔

ان مباحث کو علمی اور تحقیقی نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو محسوس ہوگا کہ ان سے مسلمانوں میں غور و فکر اور دلائل و براہان کی روش کو فروغ حاصل ہوا۔نقلی دلائل کے ساتھ ساتھ عقلی دلائل کے رویے نے بھی نمو پائی۔تعبیر و توجیہ کے اختلاف کی نئی صورتیں رونما ہوئیں اور تحقیقی عمل اور رجحان نے تقویت پائی۔

مثنوی میں آیات قرآنی اور احادیث نبوی ؐ کا عکس:

مثنوی میں قرآن حکیم کی آیات کی تفسیر کے ساتھ ساتھ بیشمار اشعار میں آیات قرآنی کے مفہوم کا حوالہ موجود ہے۔اسی طرح احادیث نبوی ؐ کی تشریح کے علاوہ متعدد احادیث کے مطالب پر مبنی اشعار بھی جابجا اس عظیم ادبی تخلیق کی دینی اخلاقی اور معاشرتی افادیت میں اضافہ کا موجب ہے۔

آیات قرآن پاک:

یوں تو مثنوی کے لاتعداد اشعار میں قرآن حکیم میں بیان کردہ واقعات وقصص کے حوالے موجود ہیں جن کی تفصیل کیلئے ایک مکمل کتاب کی ضرورت ہے اس لئے یہاں ہم صرف ایسے چند اشعار نقل کریں گے جو آیات قرآنی سے ماخوذ ہیں۔

مولانا رومؒ نے مختلف موضوعات پر بحث کرتے ہوئے قرآن حکیم سے انبیائے کرامؑ کی

حیات طیبہ سے متعلق تاریخی واقعات کے حوالے دیئے ہیں۔نسل انسانی کی تخلیق کا ذکر یوں فرمایا ہے۔

لذتِ ہستی نمودی نیست را

عاشقِ خود کردہ بودی نیست را

(اے خالق مطلق) تو نے نابود کو لذت بود عطا کی اور خود ہی اسے اپنا شیدائی بنایا۔

اس شعر میں مولانا رومؒ قرآن حکیم کی اس آیت کا مفہوم بیان کرتے ہیں جس میں حق تعالٰی فرماتے ہیں۔واذ اخذ ربک من بنی آدم من ظھورھم ذریتھم. اللہ تعالٰی نے حضرت آدم کی تمام آنے والی اولاد کو بروز میثاق پیدا کر کے ان سے اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو انہوں نے جواب دیا بیشک آپ ہمارے پروردگار ہیں۔

حضرت محمد مصطفٰیؐ کی حیات پاک کے کئی واقعات کا مفصل ذکر کرنے کے علاوہ متعدد اشعار میں بعض اہم تاریخی واقعات کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔

تو ز قرآں باز خواں تفسیر بیت

گفت ایزد "مَارَمَیتَ اِذ رَمَیتَ"

قرآن حکیم میں اس بیت کی تفسیر دوبارہ پڑھ، حق تعالٰی نے کہا تو نہیں پھینکتا پھینک کر بھی (سورۃ الفال آیت 2، سپارہ 7)

یہاں تاریخ اسلام کے اہم غزوہ بدر کا حوالہ دیا گیا ہے جب آنحضورؐ نے کفار کے لشکر پر کنکریاں پھینکیں تو ان کی آنکھیں اندھی ہو گئیں اور وہ پریشانی کے عالم میں میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔اس وقت یہ آیت نازل ہوئی جس میں اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ اے پیغمبر وہ کنکریاں بظاہر تو نے پھینکیں لیکن درحقیقت تو نے نہیں (میں نے) پھینکیں۔

حضرت ابراہیمؑ کیلئے آتش نمرود کا گلزار بن جانے کا قصہ قرآن حکیم میں 12 پارہ سورۃ ابراہیم میں بیان کیا گیا ہے مولانا رومؒ اس کا حوالہ یوں دیتے ہیں۔

پرورد در آتش ابراہیمؑ را

ایمنی روح سازد بیم را

(اللہ تعالیٰ) حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں پناہ دیتا ہے اور خطرات کو امن و آشتی بنا دیتا ہے۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون مصر کے خلاف حکم الٰہی اور تائید ایزدی سے جو معجزے دکھائے ان کا مفصل احوال قرآن پاک میں سورۃ قصص (پارہ 2) میں بیان کیا گیا ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

صد ہزاراں نیزہ فرعون را
در شکست آں موسیٰ با یک عصا

(حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا سے فرعون کے سینکڑوں نیزوں کو سرنگوں کیا یعنی اس کے جادوگروں کی شعبدہ بازی کو شکست دی) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مسیحا نفسی کا ذکر یوں ہوتا ہے۔

صد ہزاراں طب جالینوس بود
پیش عیسیٰ و دمش افسوس بود

جالینوس حکم کی طب کے سینکڑوں دارو اور درمان عیسیٰ علیہ السلام کے ایک نفس یعنی دم مسیحائی کے مقابلے میں بیکار تھے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ عطا کر رکھا تھا کہ ان کی ایک پھونک سے مریض صحت یاب ہو جاتا تھا۔
اُمی لقب خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دانش وحکمت اور فصاحت و بلاغت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

صد ہزاراں دفتر اشعار بُود
پیشِ حرف اُمیّے اش عار بُود

اس وقت اشعار کے سینکڑوں دیوان موجود تھے لیکن وہ سب اللہ تعالیٰ کے اُمی لقب پیغمبر کے ایک حرف حکمت کے سامنے شرمندہ اور بیکار تھے۔
حضرت نوح علیہ السلام کی قوم جو بالآخر اپنی نافرمانیوں اور گمراہیوں کے باعث تباہ کن طوفان میں غرق ہوئی اس کی بے حسی اور پیغام حق سننے سے گریز کا ذکر قرآن حکیم میں سورۃ نوح

میں یوں آیا ہے '' واستغشو اثیابھم'' یعنی انہوں نے اپنے کپڑے اپنے اوپر اوڑھ لئے حضرت نوح کی قوم نے ان کی باتیں اور نصیحتیں نہ سننے کی غرض سے اپنے سر چہرے اور کانوں کو کپڑوں سے ڈھانپ لیا، اسی واقعہ کی مثال دیتے ہوئے عصر حاضر کے لوگوں کو مولانا یوں جھنجھوڑتے ہیں۔

رُو و سر در جامہ ہا پیچیدہ اید

لا جرم با دیدہ و نادیدہ اید

تم لوگوں نے اپنے سر اور چہرے (نوح علیہ السلام کی قوم کی طرح) کپڑوں سے لپیٹ رکھے ہیں اور دیکھے ہوئے کو ان دیکھا بنا دیا ہے۔

الغرض مولانا روم نے مثنوی میں انبیائے کرام کے حالات وواقعات کے بکثرت حوالے دیئے ہیں جو قرآن حکیم کی متعلقہ آیات پر مبنی ہیں۔ان واقعات کی بازخوانی کا بنیادی مقصد اصلاح احوال کیلئے رہنمائی فراہم کرنا ہے۔اسی طرح مثنوی میں دوسرے کئی موضوعات پر بھی کلام ربّی سے نہایت برمحل استفادہ کیا گیا ہے۔

یہ کائنات اور اس کی تمام موجودات پروردگار عالم کے دستِ کمال کا اعجاز اور ممنون احسان ہیں۔حق تعالیٰ سورۃ الانعام میں فرماتے ہیں'' ھوالذی خلقکم من طین ثم قضا اجلا (وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر ایک میعاد ٹھہرادی) مولانا فرماتے ہیں۔

بہر ایں فرمود حق عزّ و جَلّ

سورۃ الانعام در ذکر اجَل

(اسی لئے اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام میں مرنے اور مقررمیعاد کیلئے ٹھہرنے کا ذکر فرمایا ہے)

یہ ایک ابدی حقیقت ہے کہ قادر مطلق جو خالق و مالک دوجہاں ہے اس کا ہر حکم اٹل ہے اور کائنات کی ہر چیز اور ہر کام اُسی کے تابع فرماں ہے قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے بدیع السموات والارض. واذا قضا امرافا نما یقول له کن فیکون. (وہی آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنیوالا ہے کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس کا ارشاد ہوتا ہے ہو جاؤ اور وہ ہو جاتا ہے)اسی آیت کے مفہوم کو مولانا

یوں ادا کرتے ہیں۔

آتش طبعت اگر غمگیں کند
سوزش از امر ملیک دیں کند

اگر تیری طبیعت غم کی آگ سے غمگیں ہے تو یہ تپش اللہ کے حکم سے ہے۔

آتش طبعت اگر شادی دہد
اندروں شادی ملیک دیں نہد

اگر تیری طبیعت کی گرمی سے تجھے خوشی حاصل ہوتی ہے تو سمجھ لو کہ اس میں یہ خوشی مالک الملک نے پیدا کی ہے۔

باد و خاک و آب و آتش بندہ اند
بامن و تو مردہ باحق زندہ اند

ہوا، مٹی، پانی اور آگ سب اس کے حکم کے پابند ہیں۔ میرے اور تمہارے لئے مردہ لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ زندہ ہیں۔ یعنی فرمان الٰہی سے عمل پیرا ہوتے ہیں۔

دنیا میں نیک وبد یکجا رہتے ہیں لیکن ان کے لئے جزا وسزا الگ الگ نظام ہے۔ سورۃ رحمان میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "مرج البحرین یلتقیان بینھما برزخ لا یبغیان" (چلائے دو دریا مل کر چلنے والے، ان دونوں کے درمیان ایک پردہ ہے تا کہ ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرے) اس آیت کریمہ سے مولانا جو مطلب اخذ کرتے ہیں اسے اہل نار واہل نور کے حوالے سے یوں بیان فرماتے ہیں۔

اہل نارو خلد را بیں ہمدکان
در میانش برزخ لا یبغیان

اگر چہ اہل دوزخ اور اہل جنت ساتھ ساتھ ہیں لیکن ان کے درمیان برزخ کا پردہ ہے۔

اہل نار و اہل نور آمیختہ
در میانش کوہِ قاف انگیختہ

(دوزخی اور جنتی اگر چہ باہم ہیں لیکن درحقیقت ان کے درمیان (اعمال) کا کوہ قاف کھڑا ہے)

ہمچو در کاں خاک و زر کرد اختلاط
در میانش صد بیابان و رباط

(جس طرح کان میں سونا اور مٹی یکجا ہوتے ہیں لیکن خصوصیت کے اعتبار سے ان کے درمیان بے حد فاصلہ ہوتا ہے)

صالح و طالح بصورت مشتبہ
دیدہ بکشا و کہ گرد منتبہ

(نیک اور بد ظاہری صورت میں مشابہ ہونگے لیکن آنکھ کھول کر دیکھو تاکہ ان کی حقیقت سے آگاہ ہو)

چشم آخر بیں تواند دید راست
چشم اوّل بیں غرور ست و خطاست

(حقیقت بیں آنکھ ہی درست دیکھتی ہے، جبکہ ظاہر بیں آنکھ درست نہیں دیکھتی)

سرور کائنات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے چشم حق بیں عطا کر رکھی تھی۔ وہ جدھر دیکھتے ذات پروردگار کا جلوہ دکھائی دیتا۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے اینما تولو فثم وجہ اللہ. (اے رسول) تم جدھر کا رخ کرو وہاں اللہ کی ذات موجود ہے) مولانا اس آیت کے معانی کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

چوں محمدؐ پاک شد از نار و دود
ہر کجا رو کرد وجہ اللہ بُود

(چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہر طرح کی آلودگی سے پاک تھے اس لئے وہ جس طرف رخ کرتے اللہ کا جلوہ دیکھتے)۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے " ادعونی استجب لکم "یعنی مجھے پکارو میں

تمہاری پکار یا دعا قبول کرونگا۔ مولانا روم اسی نوعیت کے احکام الٰہی کا تذکرہ یوں کرتے ہیں۔

گفت اُدعو اللہ بے زاری مباش

تا بجوشد شیر ہائے مہر ہاش

(فرمایا کہ اللہ تعالٰی سے دعا کرو۔ آہ وزاری کے بغیر مت رہو تا کہ اس کی محبت و بخشش کے شیر میں جوش پیدا ہو)

یہ چند مثالیں "مشتے نمونہ از خروارے" کی حیثیت رکھتی ہیں ورنہ مثنوی کے اکثر و بیشتر اشعار آیات قرآنی اور احکام ربانی کے ترجمان ہیں۔ جن کے مطالبہ سے زندگی نور ہدایت سے منور ہوتی ہے۔ اسی طرح مثنوی ارشادات نبوی سے بھی مزین ہے اور بیشمار اشعار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات اور احادیث نبوی کے مفہوم ومعانی سے مالا مال ہے۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے "استعینوا علی امور کم بالکتمان" مولانا اس حدیث کے مفہوم کو یوں بیان فرماتے ہیں۔

گفت پیغمبر ہر آنکو سر نہفت

زود گردد بامرادِ خویش جفت

(پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ جس نے راز کو چھپایا وہ جلد با مراد ہوگا)

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث شریف میں اس دنیا کو مرد مومن کیلئے قید خانہ اور کفار کیلئے مقام عشرت قرار دیا ہے۔ "الدنیا سجن المومن و جنۃ الکافر" مولانا فرماتے ہیں۔

ایں جہاں زندان و ما زندانیاں

حفرہ کن زندان و خود را وا رہاں

(یہ جہان قید خانہ ہے اور ہم اس میں قیدی ہیں، اپنے آپ کو اس قید خانہ سے رہائی دلاؤ)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظلم وتعدی اور ظالم کو ہمیشہ قابل مذمت ونفرین قرار دیا ہے ارشاد نبویؐ ہے "من حفر حفرۃ لا خیہ وقع فیھا" (جو اپنے بھائی کیلئے ظلم اور دھوکے

کا کنواں کھود رہا ہے وہ لامحالہ خود اس میں گرے گا) مثنوی میں مولانا کہتے ہیں ۔

اے کہ تو از ظلم چاہے مے کنی
از برائے خویش دامے مے تنی

(اے ظلم کا کنواں کھودنے والے تو اپنے لئے ہی جال پھیلا رہا ہے)

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی قانع تھے اور قناعت کو پسند فرماتے تھے ۔ حدیث شریف ہے کہ "القناعة مال ینفد و کنز لا یفنی" قناعت ایسا مال ہے جو خرچ کرنے سے کم نہیں ہوتا اور ایسا خزانہ ہے جو فنا نہیں ہوتا) اور مولانا روم اس ارشاد نبوی کو یوں فرماتے ہیں ۔

گفت پیغمبرؐ قناعت چیست گنج
گنج را تو وا نمی دانی زرنج

قلب مومن کی وسعت کے بارے میں محبوب خدا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "لا یسعنی ارضی ولا سمائی ویسعنی قلب عبدی المومن"

(اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں زمین اور آسمانوں میں نہیں سما سکا لیکن اپنے مومن بندے کے دل میں سما گیا) اس مضمون کو مولانا روم مثنوی میں پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

گفت پیغمبرؐ کہ حق فرمودہ است
من نگنجم ہیچ در بالا وپست

در زمین و آسمان و عرش نیز
من نگنجم ایں یقیں داں اے عزیز

در دل مومن نگنجم اے عجب

گر مرا جوئی در آں دلہا طلب

(پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں اوپر نیچے کہیں نہیں سما سکتا زمین، آسمان اور عرش پر بھی یقین جانو میں نہیں سما سکتا، لیکن حیرت ہے کہ مردمومن کے دل میں سما جاتا ہوں، اگر مجھے تلاش کرنا ہے تو مومنوں کے دلوں میں ڈھونڈو)

نماز کو مکمل خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرنے کے متعلق ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ ''**لا صلوۃ الا بالحضور القلب**'' یعنی حضوری قلب کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ مولانا نے اس فرمودہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا حوالہ اس طرح دیا ہے۔

بشنو از اخبارِ آں صدر الصدور
لا صلواۃ (تم) اِلّا بالحضور

سن کہ ہے یہ قول شاہ شش جہات
نا مکمل بے حضوری کی صلوٰۃ

نماز ہی کے بارے میں ایک اور حدیث شریف ہے'' **ارجع فصل انک لم تصل حتی فصل ذالک ثلاث مرات**'' اور مولانا اس قول ہادی برحق کو اس طرح ادا کرتے ہیں۔

گفت پیغمبرؐ بہ یک صاحب ریا
صل انک لم تصل یا فتیٰ

(پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب ریا سے کہا ہے کہ '' **ارجع فصل فانک لم تصل**'' اٹھو نماز دوبارہ پڑھو کیونکہ تم نے حقیقت میں نماز نہیں پڑھی۔

مردمومن کے وصف کو مولانا روم نے اس حدیث نبویؐ سے اخذ کیا ہے۔''**المومن مراۃ المومن**'' ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے۔

چونکہ مومن آئینہ مومن بود

اُو زِ کل آلودگی ایمن بود

(چونکہ ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہوتا ہے۔اس لئے وہ تمام آلودگی سے محفوظ رہتا ہے)

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ تعالٰی نے ہر مشکل کا حل اور ہر درد کا علاج پیدا کیا ہے۔ایک حدیث شریف میں ارشاد رسول پاک صلی اللّٰہ علیہ وسلم ہے کہ " مـــا انـــزل الله داء الا انزل له شفاء" اس گفتہ نبوی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کا ذکر مثنوی میں یوں آیا ہے۔

گفت پیغمبرؐ کہ یزدانِ مجید

از پیٔے ہر درد درماں آفرید

(پیغمبرؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے ہر درد کیلئے درماں پیدا کیا ہے)

ارشادات نبوی ہر شعبہ زندگی میں رہنمائی فرماتے ہیں۔اظہار تشکر کے موضوع پر فرمان محسن اعظم صلی اللّٰہ علیہ وسلم ہے۔" من لم یشکر الناس لم یشکر الله" اور مولانا کہتے ہیں۔

ترکِ شکرش ترکِ شکرِ حق بود

حق اُو لاشک بحق ملحق بود

(اس کا یعنی مخلوق خدا کا شکر ادا نہ کرنا اللہ تعالٰی کی ناشکر گزاری کے مترادف ہے۔اس لئے کہ خدا کی مخلوق کا حق بلا شبہ اللہ تعالٰی کے حق سے وابستہ ہے)

معرفت الٰہی کے سلسلے میں ایک حدیث پاک ہے "من عرف نفسه فقد عرفه ربه"

(جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے رب کو پہچانا) مولانا روم نے اس ارشاد نبوی کو اس انداز سے بیان کیا ہے۔

بہر ایں پیغمبرؐ آنرا شرح ساخت

کا نکہ خود بشناخت یزدان را شناخت

(اسی لئے پیغمبر صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح کی کہ جس نے خود کو پہچان لیا اس نے اللہ تعالٰی کو پہچان لیا)۔

سرکار دو عالم رحمت اللعالمین اپنی اُمت کیلئے جس قدر شفقت رکھتے ہیں اس کا اظہار اس حدیث پاک میں ہے "وانما انا لکم مثل والد" اور مولانا رومؒ اس حدیث شریف کے مفہوم کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

گفت پیغمبرؐ شمارا اے مہاں
چوں پدر ہستم شفیق و مہرباں

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے میرے رفیقو میں تمہارے لئے والد کی طرح محبت اور شفقت کرنے والا ہوں)

مندرجہ بالا احادیث پاک ان کثیر اور لاتعداد ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں صرف چند ایک ہیں جن سے مولانا رومؒ نے مثنوی میں عوام کو رہنمائی فراہم کرنے کیلئے استفادہ کیا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مثنوی تعلیمات اسلامی کا وہ نادر روزگار مجموعہ ہے جس کے مطالبہ سے ہر ذی نفس اپنی زندگی کو متوازن اور دستور خداوندی کے مطابق ڈھال سکتا ہے۔ اس لئے کہ انسانی فکر وفہم اور علم وحکمت کی اس لاثانی تصنیف سے ہمیں ہر شعبہ حیات کو سنوارنے کیلئے رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔

مثنوی میں تصوف کی چند اصطلاحات:

مولانا رومؒ بلند پایہ صوفی باصفا تھے۔ مثنوی میں انہوں نے تعلیمات قرآنی اور ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تفسیر صوفیانہ تجربات ومشاہدات کے حوالے سے کی ہے اور اہل تصوف کے انداز فکر وبیان میں ان تشبیہات اور استعارات کا سہارا لیا ہے جو عام پڑھنے والوں کے لئے مانوس اور قابل فہم ہیں اور جن کے ذریعے صوفیائے کرام کے قلبی اور روحانی تجربات اور علمی مطالب ومفاہیم کو عوام تک با آسانی پہنچایا جا سکتا ہے۔

صوفیائے کرام نے اپنے افکار کے اظہار کیلئے جن اصطلاحات کو استعمال کیا ہے ان میں سے بیشتر کا تعلق قرآن حکیم کے الفاظ سے ہے جو اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ صوفیائے کرام کے فکر وعمل کی اساس قرآنی تعلیمات پر ہے اور ان کے نطق وبیاں کا سرچشمہ فرمودات ربانی ہیں۔ وہ اپنے روحانی کمالات کے باعث عوام الناس کے سوچنے سمجھنے کی سطح سے بلند ہو کر قرآن کریم میں رب ذوالجلال کے

ارشادات کے باطنی معانی اور مطالب تلاش کرتے ہیں اور جیسے جیسے وہ روحانی مراتب و مدارج میں ترقی حاصل کرتے ہیں اور بلند سے بلند تر منازل تک پہنچتے ہیں قرآنی آیات اور بیانات کی حکمتیں اور اسرار و رموز ان پر کھلتے جاتے ہیں ۔وہی الفاظ وتراکیب جو کسی عام پڑھنے والے کیلئے کسی خاص مفہوم کی حامل ہوتی ہے اہل نظر اور صاحبان سلوک کیلئے معانی کے ایک جہان نو کے ترجمان ہوتی ہیں ۔

اہل تصوف وارداتِ قلبی، تجربات روحانی اور مشاہدات خصوصی کے اظہار کیلئے جن اصطلاحات کو استعمال کرتے ہیں ان کا ذخیرہ بہت وسیع ہے یہاں ہم صرف ان اصطلاحات میں سے صرف چند ایک کا ذکر کریں گے جو مولانا رومؒ نے مثنوی میں استعمال کی ہیں ۔

طریقت:

تصوف طریقت وشریعت کی اصطلاحیں بکثرت استعمال ہوتی ہیں ۔شریعت سے مراد ظاہری شعائر مذہب کی پابندی اور اوامر ونواہی کی مطابقت ہے جبکہ طریقت اس انداز فکر و عمل سے مرتب ہے جو ان شعائر اور اوامر ونواہی کی حکمتوں سے بہرہ مند ہونے کے باعث وجود پاتا ہے ۔الغرض شریعت دین کا ظاہر ہے اور طریقت اس کی باطنی حقیقت ۔

تزکیہ نفس:

اس کا مطلب ہے کہ اپنے نفس کو پاک کرنا ،صوفی کی منزل مقصود عرفان ذات الٰہی ہوتا ہے ۔اس کو حاصل کرنے کیلئے وہ اپنے جسم و جاں کو دنیاوی آلائشوں سے آزاد کرتا ہے اور ان تمام ترغیبات اور بندشوں سے نجات حاصل کرتا ہے جو اسے یکسوئی کے ساتھ اپنے خالق و مالک کی یاد سے غافل کرنے کا موجب بن سکتی ہیں ۔وہ زر پرستی ، جاہ پرستی ، ہوس پرستی ،خود پرستی ،غرضیکہ ہر طرح کی پرستش سے آزاد ہو کر حق پرستی کو اپنی زندگی کا شعار بناتا ہے ۔صفائے باطن کے اس عمل سے انسان اپنے آپ کو اس قابل بنالیتا ہے کہ نور ہدایت سے اکتساب کر سکے ۔"تصوف کی اصطلاح میں اس عمل کو توبہ بھی کہتے ہیں ،توبہ کا لفظ بڑا جامع ہے ،اس کے تین مفہوم ،اول گناہ کا وقوف ، دوم اس پر ندامت و شرمندگی اور سوم آئندہ کیلئے گناہ سے باز رہنے کا مصمم ارادہ"(مسلم فلسفہ 100)

قرآن حکیم میں تزکیہ نفس کی بار بار تلقین وتاکید کی گئی ہے ۔اس لئے کہ اس عمل کو انسان کی

روحانی اور اخلاقی تربیت کا اہم ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔

ذکر وفکر:

صوفیائے کرام قرب الٰہی حاصل کرنے کیلئے ذکر وفکر کو نہایت موثر طریقہ سمجھتے ہیں۔زندگی میں ہر لحظہ پروردگار عالم کا ذکر اور ہر آن اس کے احسانات وعنایات اور کمالات وایجادات کے بارے میں فکر کرنا اس کی ذات پاک سے بندے کے تعلق کو استوار کرتا ہے۔قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے اور اس کو تلاش کرنے والوں کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے کہ " الـذين يذكرو ن الله قيـامـا وقوداً وعلى جنوبهم" (وہ لوگ اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں)اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے میں کامیابی کا راز اسی میں مضمر ہے کہ انسان کسی وقت بھی اس کے ذکر سے غافل نہ ہو اور ذکر کے ساتھ ساتھ اس کی صفات پر بھی غور کرے۔اور رب ذوالجلال کے اسمائے حسنہ کا ورد کرے۔ان اسمائے حسنہ کو بار بار زبان پر لانے سے ان صفات کا اثر ہماری شخصیت پر پڑتا ہے۔یاد رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی صفات پیدا کرو۔

صوفیائے کرام کے ہاں ذکر کے مختلف انداز رائج ہیں۔کہیں ذکر جلی کا طریقہ اپنایا گیا ہے تو کہیں ذکر خفی کا، خلوت میں ذکر الٰہی کے علاوہ محافل ذکر کا انعقاد بھی کیا جاتا ہے۔الغرض ان تمام اقدامات کا ما حاصل پروردگار عالم کو یاد کرنا اور اس کا متواتر ذکر کرنا ہے جو خالق اور بندے کے درمیان رشتہ کو استوار کرنے کا وسیلہ ہے۔

ذکر کے ساتھ فکر بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔تخلیق آدم اور تخلیق کائنات کے حوالے سے اس ذات وحدہ لاشریک کے بارے میں فکر کرنا جس نے یہ سب کچھ پیدا کیا اور ہمیں ان نعمتوں سے استفادہ کرنے کی قدرت عطا کی۔اس کے احسانات اور احکامات پر غور وفکر کرنا۔ان کی حقیقت کو جاننا اس کے کلام پاک کے مندرجات کو سمجھنا اور ان سے اپنی زندگی کو سنوارنا۔ان عوامل کی جستجو کرنا جن سے ہم قادر مطلق کی صفات کو اصل واصول حیات بنا کر اس مقام کو حاصل کر سکتے ہیں جہاں ''من تو شدم تو من شدی'' کی کیفیت طاری ہو جائے۔

صبر وشکر:

قرآن پاک میں صبر کرنے والوں کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

واللہ یحب الصابرین — اللہ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

ان اللہ مع الصابرین — اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ صبر ایمان کا ستون ہے۔ مرد مومن ہر طرح کے مصائب و آلام اور آزمائش و امتحان کو اللہ تعالیٰ کی منشا و مرضی سمجھ کر اسے صبر و استقامت سے برداشت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کر کے اس کی امداد و اعانت طلب کرتا ہے تا کہ وہ اس صبر آزما مرحلے سے بخوبی گزر سکے اور کسی لمحے بھی اس کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئے بلکہ بقول سیدنا پیر مہر علی شاہ (گولڑوی)

سینہ مالا مال درد است و بجوید ہر دمے
درد بر درد دگر زخمے بجائے مرہمے

(میرا سینہ درد سے مالا مال ہے لیکن پھر بھی ہر لحظہ ہر درد پر نیا درد اور ہر زخم پر مرہم کی بجائے نیا زخم طلب کرتا ہے)

صوفیائے کرام کے نزدیک صبر و استقامت کی یہی کیفیت زہد و تقویٰ میں درجہ کمال کی حیثیت رکھتی ہے۔ صبر کے ساتھ شکر کا اظہار بھی لازمی ہے۔ اس لئے کہ جس نے صبر کی توفیق عطا فرمائی اور آزمائش و امتحان میں بھی اپنی یاد سے غافل نہ ہونے کا حوصلہ اور ہمت بخشی اس کا شکر ادا کرنا عہد بندگی کی توثیق ہے۔ مولانا رومؒ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

عاشقم بر رنج خویش و درد خویش
بہر خوشنودی شاہِ فردِ خویش

(میں اپنے رنج و غم کا عاشق ہوں اس لئے کہ اس سے میرا شاہ یعنی اللہ تعالیٰ خوش ہے)

صوفیائے کرام کے نزدیک صبر و شکر کی کیفیات بھی انعام خداوندی ہیں مشکلات و مصائب کے دوران صبر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوتا ہے اور ان آلام کو برداشت کرنے کی ہمت بھی اسی کی عطا کردہ ہوتی ہے اس لئے ایسے حالات میں بھی اس کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے تکالیف کا مقابلہ کرنے کی

توفیق دی۔علاوہ ازیں زندگی میں بھی جو کچھ حاصل ہے وہ سب پروردگار عالم کی عنایت سے ملا ہے اس لئے ان نعمتوں اور بخششوں کا شکرادا کرنا لازمی ہے بلکہ شکرادا کرنے کی مہلت کا بھی شکرادا کرنا چاہیے۔

توکل:

توکل کا مطلب اللہ تعالیٰ پر مکمل اعتماد اور اسی کو مسبب الاسباب سمجھنا ہے۔قرآن حکیم میں توکل کرنے والوں کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے۔

ان اللہ یحب المتوکلین　　　اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے

وعلی اللہ فلیتوکل المومنون　　　اور مومن لوگ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہیں

دنیاوی اسباب پر بھروسہ کرنے اور ان کو کاروبار زندگی میں اپنے اقدامات کے نتائج کا باعث سمجھنا اللہ تعالیٰ کے مسبب الاسباب ہونے کی نفی ہے۔کسی مقصد یا منزل کے حصول کیلئے جدوجہد کرنا استفادہ نہ کرنا کفران نعمت ہے تاہم ان وسائل اور اسباب کو ہی کامیابی یا حصول مقصد کا وسیلہ یا سبب سمجھنا درست نہیں اس لئے کہ اچھے یا برے نتائج پروردگار عالم کی منشاو مرضی کے تابع ہیں۔محنت کرنا انسان کا فرض ہے لیکن اس نیت وارادہ کے ساتھ کہ جس قادر مطلق نے اس کام کیلئے وسائل مہیا کئے اب پھل دینا یا نہ دینا بھی اسی کی مشیت کے تابع ہے۔مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

گر توکل مے کنی در کار کن
کار کن پس تکیہ بر جبار کن

(اگر توکل کرنا ہے تو کام میں کرو، کام کرو اور پھر اللہ پر نتائج کیلئے تکیہ کرو)

گفت آرے ار توکل رہبر ست
ایں سبب ہم سنت پیغمبر ست

(اگر کوئی کام کرنے میں توکل یعنی اللہ پر مکمل بھروسہ تمہارا رہنما ہے تو پھر اس سبب کو کام میں لاتے ہوئے نتیجہ کیلئے اللہ پر بھروسہ کرنا سنت نبویؐ ہے) مختصر یہ کہ توکل اللہ تعالیٰ کی توحید اور صرف اسی کا مسبب الاسباب اور حاکم اعلیٰ قادر مطلق اور کارساز حقیقی ہونے کا اعتراف ہے اور اس پر مکمل ایمان کی دلیل ہے۔

عشق:

عشق ایک نہایت لطیف جذبہ ہے ۔ایک ایسی کیفیت جس میں محو ہو کر انسان صرف اسی کا ہو جاتا ہے جس سے عشق ہو ۔اس کی اپنی ذات کی کوئی حیثیت نہیں رہتی ۔اسے اپنے محبوب کیلئے درد وغم میں بھی وہ راحت حاصل ہوتی ہے جو دنیا کی بہترین آسائش سے بھی نہیں ملتی ۔عشق ایک نہایت لطیف جذبہ ہے ۔

عشق صادق کا تقاضا ہے کہ اپنے محبوب کی خوشنودی اور اسکے احکام وفرمان کی پورے خلوص کیساتھ تعمیل کی جائے ۔اس کے سوا کسی غیر کی محبت کو جگہ نہ دی جائے ۔صرف اسی کی ذات کی پرستش کی جائے ۔اسی کو اپنا مالک ومختار سمجھا جائے ۔وہی ہمیشہ مقصد آرزو اور جان تمنا ہو اور خود سپردگی کا یہ عالم ہو کہ نقش میں نقاش دکھائی دے ۔

صوفیائے کرام کا عقیدہ ہے کہ عشق حقیقی میں ہر کام اور ہر عمل اللہ تعالٰی کی محبت میں ڈوب کر سرانجام دینا چاہیے ۔انسان کی منزل ذات الٰہی ہونی چاہیے ۔اُس سے محبت اور عشق کسی صلے کی تمنا یا کسی خوف کے بغیر صرف اور صرف اس کی رضا کیلئے ہونا چاہیے ۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ محبت انسان کو اندھا اور بہرہ بنا دیتی ہے ۔یعنی محبت کا جذبہ اس قدر ہمہ گیر ہے کہ انسان کو کسی اور شے کا احساس ہی نہیں رہتا ۔لہٰذا جو شخص اس ذات حقیقی کی محبت سے فیضیات ہو جو جمیل ہے اور ہر شے کا جمال اس کا پرتو ہے پھر اسے کسی دوسری چیز سے جس کا حسن عارضی ہے کیونکر محبت ہو سکتی ہے ۔صوفیائے کرام صرف اسی کی ذات کو لائق محبت وعشق سمجھتے ہیں جو لافانی اور لاثانی ہے اور اس کے بعد اس ہستی کی محبت کو جزو ایمان قرار دیتے ہیں جس کا خدا خود مداح اور شیدا ہے جو فخر موجودات ہے رحمت اللعالمین ہے اور جس کے بارے میں قرآن حکیم میں پروردگار عالم فرماتے ہیں ۔

وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین

اور ہم نے بھیجا ہے تمہیں عالموں کے لئے رحمت بنا کر

مولانا روم عشق کو تمام علتوں اور بیماریوں کا مداوا قرار دیتے ہیں ۔مثنوی میں فرماتے ہیں ۔

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علتہائے ما
(خوش رہو اے میرے خوش خصال عشق ۔تم میری تمام بیماریوں کے طبیب ہو)
اے دوائے نخوت و ناموس ما
اے تو افلاطون و جالینوس ما
(تو ہی میرے غرور وتکبر کی دوا ہے اور تو ہی میرے لئے افلاطون اور جالینوس ہے)
عشق آں زندہ گزیں کو باقی است
وز شراب جانفزائیت ساقی است
(اس زندہ یعنی اللہ تعالٰی کے عشق کو دل میں جگہ دے جو باقی ہے اور جان بخشنے والی شراب کا ساقی ہے)
عشق آں بگزیں کہ جملہ انبیاء
یافتند از عشق او کار و کیا
(اس کے عشق کو دل میں جگہ دے جس کے عشق سے تمام انبیائے کرام نے بلند مرتبہ مقام حاصل کیا)

فنا

صوفیا کے نزدیک فنا کا مطلب خودی کی فنائیت اور اس کی محدود حیثیت کو ختم کر دینا ہے ۔تا ہم اس مقام کو حاصل کرنے کے لئے مدارج سے گزرنا پڑتا ہے جو حسب ذیل ہیں ۔

۱۔ ذکر و فکر میں اس درجہ محویت کو کسی لمحے ذات مطلق سے غافل نہ ہو اور ہر لحظہ ذات پاک سے تعلق کا شعور استوار رہےاور کوئی عمل یا سوچ اس تعلق کے ادراک اور احساس کے بغیر نہ ہو ۔

۲۔ کوئی قول و فعل ذات باری تعالیٰ کی منشاء و مرضی کے خلاف نہ ہو ۔

۳۔ دنیاوی وابستگیوں کو ترک کر کے اس دنیا میں رہتے ہوئے تمام رشتوں ناتوں کے باوجود ان سے دوری اختیار کی جائے اور ان روابط کو ذات مطلق سے تعلق کے استوار ہونے میں رکاوٹ نہ بننے دیا جائے ۔لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان رشتوں کی حقیقت سے انکار کیا جائے ۔حقوق العباد کو اسلامی طرز حیات میں بنیادی اہمیت حاصل ہے تا ہم ان کی ادائیگی کو اس مالک کل کی یاد سے غفلت کا باعث نہ بننے دیا جائے جس نے ان فرائض کو ادا کرنے کی صلاحیت اور توفیق عطا کی ہے ۔ دست بکار و دل بیار ۔

۴۔ اپنے گرد و پیش سے بے نیاز ہو کر اپنے باطن کا مشاہدہ یعنی اپنے اندر اس کی تلاش جو ہماری شہ رگ سے زیادہ ہم سے قریب ہے اور اپنے آپ کا احتساب تا کہ کسی لمحے کوئی فعل ایسا سرزد نہ ہو جائے یا ایسی بات نہ کہہ دی جائے جو نفی ذات کے اس عمل میں کی تکمیل کیخلاف ہو ۔یہ ایک ابدی حقیقت ہے کہ نفی ذات سے ہی اثبات کا مقام ملتا ہے ۔بقا کے لئے فنا ہونا اور محبت کیلئے نیست ہونا لازمی امر ہے ۔نفی ذات ہی ذات الٰہی کے عشق کی انتہائی منزل ہے ۔

صوفیائے کرام اس مقام و مرتبہ کو حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ پہلے فنا فی الشیخ کا مرحلہ طے کیا جائے ۔پھر فنا فی الرسول کا اس لئے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہی سرچشمہ و ہدایت ہیں ان کی پیروی اور ان کے فرمودات پر پوری طرح عمل پیرا ہونا اور سب سے بڑھ کر ان کی محبت کو جزو ایمان سمجھنا ہی قرب الٰہی کا ذریعہ ہو سکتا ہے اور اس ارفع و اعلیٰ منزل تک پہنچ کر ہی انسان فنا فی اللہ کے مقام کی جانب بڑھ سکتا ہے جہاں وہ اپنی ذات کو ذات الٰہی میں مدغم کر دیتا ہے اس منزل پر

پہنچ کر جو کیفیت ہوتی ہے اس کے حوالے سے مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

چوں ترا باشد کمالِ دینِ حق
خویش را ہرگز نہ بینی جز کہ حق

(جب تجھے دین حق کا کمال حاصل ہوگا تو پھر تم اپنے آپ کو سوائے حق کے کچھ نہیں دیکھو گے)

اے خنک آں مردہ کز خود رستہ شد
در وجودِ زندۂ پیوستہ شد

(خوش نصیب ہے وہ مردہ جو اپنے آپ سے آزاد ہوا اور ہمیشہ زندہ رہنے والے سے پیوستہ ہو گیا)

گرچہ آں وصلت بقا اندر بقاست
لیک از اول بقا اندر فناست

(اگرچہ اللہ تعالیٰ سے تیرا وصال بقا اندر بقا ہے لیکن شروع میں بقا فنا کے اندر ہوتی ہے)

اظہارِ تشکر

میں اللہ تعالٰی کا بے حد ممنون و مشکور ہوں کہ اس رب رحمٰن و رحیم نے مجھ جیسے ہیچمندان کو یہ سعادت عطا فرمائی کہ میں مولانا جلال الدین رومیؒ جیسے بلند مرتبہ صوفی باصفا کی شہرہ آفاق تخلیق کے منتخب حصوں کے منظوم ترجمے کی جرأت و جسارت کروں تاہم اس عاجزانہ کوشش کے دوران میں نے جب بھی کوئی دقت محسوس کی تو مثنوی کا مطالعہ جاری رکھا اور بفضل خدا وہ مرحلہ بآسانی طے ہو گیا۔

جلد دوئم کی تیاری کے دوران میری شریک حیات فریدہ سیٹھی کا ۲۲ اپریل ۲۰۰۰ء کو انتقال ہو گیا۔ ان للہ وانا الیہ راجعون۔ مجھے اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے فخر محسوس ہوتا ہے کہ مرحومہ نے مثنوی کے توجہ طلب کام کو مکمل کرنے میں ہر قدم پر گرانقدر تعاون اور پوری یکسوئی کے ساتھ نہایت پر سکون ماحول میں مجھے ترجمہ کرنے کا موقع فراہم کیا۔ دلی دعا ہے کہ اللہ تعالٰی مرحومہ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے (آمین ثم آمین)

میں اپنے بچوں کے لئے بھی دست بدعا ہوں جنہوں نے اس کتاب کی طباعت کے مختلف مراحل میں اعانت کی۔ میں سید عبدالجبار شاہ صاحب منیجر سینئر سٹیزن فاؤنڈیشن اسلام آباد کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے وقتاً فوقتاً مطلوبہ حوالہ جات مہیا کرنے میں تعاون کیا۔

اللہ تعالٰی سے بصد عجز و نیاز استدعا ہے کہ وہ مجھے مثنوی معنوی مولوی کے بقیہ حصوں کا منظوم ترجمہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

درویش رومیؒ

ناچیز

محمد یونس سیٹھی وفاؔ

مولائے روم

نور عرفاں نور جاں مولائے رومؒ
میر بزم عاشقاں مولائے رومؒ

شاعر شیریں بیان مولائے رومؒ
جذب و مستی را زباں مولائے رومؒ

صورت مہر محبت روشن است
بر زمیں و آسماں مولائے رومؒ

فقر او خوشتر زشانِ خسروی
بے نیازِ ایں و آں مولائے رومؒ

مرد کامل صاحب فکر و نظر
سر حق را راز داں مولائے رومؒ

چوں فنا فی الذات شد آزاد شد
از مکان و لا مکاں مولائے رومؒ

از جمال شمس شد مانند شمس
ہر زماں آتش بجاں مولائے رومؒ

نیست ممکن اے وفا توصیف او
تا نہ باشد مہرباں مولائے رومؒ

مثنوی معنوی مولوی

مثنوی قرآن بود در فارسی
راست فرمود است جامیؒ متقی

گر تو خواہی صاحب عرفاں شوی
مثنوی خواں مثنوی خواں مثنوی

مخزن رشد و ہدایت مثنوی
معدنِ افکارِ حکمت مثنوی

حرفِ قرآن و احادیثِ نبیؐ
بے گماں باشد روح مثنوی

مطلعِ انوارِ یزداں مثنوی
مرحبا روشن گر جاں مثنوی

بندگان عشق را قبلہ نما
گمرہان دین حق را خضرِ راہ

دیدہ و دل را کند تابندہ تر
بختِ تیرہ می شود رخشندہ تر

قلب مضطر را دہد صبر و سکوں
درد و غم ناپید گردد از دروں

واقف اسرارِ حق سازد ترا
نزدِ خلاق جہاں آرد ترا

داد ربّ دو جہاں است اے وفا
شعر مولانا کجا و من کجا

ذاتِ حق

۱

کیست ماہی چیست دریا در مثل　　ماہی و دریا سے کیونکر دیں مثال
تابداں ماند خدائے عز و جل　　بے مثال ہے وہ خدائے ذوالجلال

۲

صد ہزاروں بحر و ماہی در وجود　　بحر و ماہی سب ہیں سجدے میں گرے
سجدہ آرد پیش آں دریائے جود　　دیکھ اس بحر سخا کے سامنے

۳

چند باران عطا باراں شدہ　　بار ہا برسا جو ابر مہرباں
ابداں آں بحر در افشاں شدہ　　ہو گیا سارا سمندر درفشاں

۴

چند خورشید کرم افروختہ　　جب کئی مہر کرم تاباں ہوئے
تاکہ ابرو بحر جود آموختہ　　بحر و بادل بھی سخاوت پہ تلے

۱ اہل تصوف خداوند تعالیٰ کی ذات کو کبھی آفتاب اور کبھی سمندر سے تشبیہ دیتے ہیں تاہم بعض حضرات جو اس کوچے سے نا آشنا ہیں اس قسم کی تشبیہات کو خلاف عقائد اسلامیہ کہتے ہیں۔ دراصل یہ تشبیہ من کل الوجوہ نہیں ہوتی بلکہ خاص امور میں ہوتی ہے چنانچہ اس صورت میں ذات حق کو دریا سے بلحاظ وحدت تشبیہ دی ہے کو کہ ذات حق کی وحدت حقیقی ہے اور دریا کی وحدت منافی تاہم تمثیل کیلئے صرف مناسبت کافی ہے اور تمثیل کا جواز قرآن کریم سے ثابت ہے۔ و للہ المثل الاعلیٰ یعنی "اور اللہ کی بہت بڑی مثال ہے" اور مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح" یعنی اس کے نور کی مثال چراغوں کی سی ہے جس میں چراغ ہے مثل کے معنی وہ چیز جو کسی دوسری چیز کے ساتھ کسی وصف میں مشارک ہو۔
اگر چہ دونوں چیزوں کے درمیان اس وصف کی شدت یا کثرت کے لحاظ سے بہت تفاوت ہو اور مثل کے معنی وہ چیز جو کسی دوسری چیز کے ساتھ نوع میں شرکت رکھتی ہو جیسے زید عمر کی مثل ہے نوع انسانی کی حیثیت سے پس خدا کی مثال تو ہو سکتی ہے لیکن مثل نہیں۔ ۲ خداوند کریم کیلئے دریا کی تمثیل کیا حقیقت رکھتی ہے وہ خالق اور یہ مخلوق۔ بیشک مخلوق خالق کی محتاج ہے۔ آئندہ اشعار میں اسی تحقیق کی وضاحت کی گئی ہے۔ ۳ جب رب ذوالجلال کی مہربانی ہوئی اور بادل برسے تو دریاؤں سے پانی سمندر تک پہنچا اور سمندر سے بھی بخارات کی صورت میں بادل رواں ہوئے غرضیکہ بادلوں سے بارش ہوئی اور اہل دنیا کی ضرورتیں پوری ہوئیں، یعنی سمندر کے بخارات سے بادل بنا اور بادلوں سے بارش کا ہم سنا یہ سب حق تعالیٰ کے کرم کے نمونے ہیں۔ اس کی عنایت سے ابر اور سمندر انسانی ضروریات پوری کرتے ہیں۔

۱

پر تو ذاتش زده بر ماء وطیں　　اسکے پرتو سے ہی آب و خاک سے

تا شده دانه پذیرنده زمیں　　بیج پھوٹے اور پھل پیدا ہوئے

۲

خاک امین و ہرچه در وے کاشتی　　تو نے جو بویا زمیں سے وہ سدا

بے خیانت جنس آن برداشتی　　بے خیانت تجھ کو حاصل ہوگیا

ایں امانت زاں عنایت یافتست　　یہ زمیں کا وصف بھی داد خدا

کافتاب عدل بوے تافتست　　فیض ہے سب آفتاب عدل کا

تا نشان حق نیاید نوبہار　　ہو نہ جب تک اذنِ ربی سے بہار

خاک سبزه را نسازد سبزه زار　　یہ زمیں ثق نہیں ہے سبزہ زار

آں جوادے کو جمادے را بداد　　اس سخی کو بخششوں کے ہیں نشاں

ایں خبرہا ویں امانت ویں سداد　　یہ جمادات اور ان کی خوبیاں

۴

آں جمادے گشت از فضلش لطیف　　نرم و نازک اس کی رحمت سے ہوئے

کل شي من ظريف ہو ظريف　　خوب سے جو بھی ملے وہ خوب ہے

۵

پیشِ ہست اور بباید نیست بود　　ذاتِ حق کے سامنے ہو بے نشاں

چیست ہستی پیشِ اور گور و کبود　　بے حقیقت ہے تری ہستی وہاں

۱ اللہ تعالیٰ کے کرم سے ہی زمین سے پھل پھول اور غلہ پیدا ہوتے ہیں۔ ۲ اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین کبھی خیانت نہیں کرتی اور انسان اس میں جو کچھ بھی بوئے وہی اس کو ملتا ہے۔ اس سے یہ مطلب بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ دنیا میں انسان جیسے عمل کرتا ہے ویسے ہی نتائج حاصل ہوتے ہیں۔ ان میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی۔ ۳ زمین کی یہ صفت بھی داد خدا ہے کہ اس سے وہی چیز پیدا ہوتی ہے جو اس میں بوئی جاتی ہے۔ ۴ ہمیں جو نعمتیں ملتی ہیں وہ اس ذات پاک کی عطا کردہ ہیں جو خود بھی تریں ہے اور اس کی جانب سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے یقیناً خوب اور اچھا ہے۔ ۵ ذات پاک کے حضور اپنی ہستی کا احساس پردہ بن جاتا ہے اور انسان دیدار و مشاہدہ ذات سے بے بہرہ رہتا ہے لہٰذا ذات حق کے سامنے اپنے آپ کو نیست کرنا چاہیے تاکہ مشاہدہ حق نصیب ہو۔ اسکے حضور ہماری ہستی بے حقیقت ہے۔

عشقِ حق

۱

از ہوا ہا کے رہی بے جام ہُو　　　عشق حق سے حرص دنیا کو مٹا
اے زہو قانع شدہ بانام ہُو　　　نام لینے پر ہی کیوں قانع ہوا

۲

از صفت و زنام چہ زاید خیال　　　ذکر حق سے موجزن اس کا خیال
واں خیالش ہست دلالِ وصال　　　ہے خیال یار ہی وہ وصال

۳

دیدۂ دلال بے مدلول ہیچ　　　حسن ہو تو کایں نہ ہو توصیف خواں
تا نباشد جادہ نبود غول ہیچ　　　رہ نہ ہو تو پھر فریب رہ کہاں

ہیچ نامے بے حقیقت دیدۂ　　　کب ہوا ہے بے مسمّی کوئی نام
یا زِ گاف ولام گل گل چیدۂ　　　گل نہ ہو تو بے حقیقت گاف ولام

اسم خواندی رو مسمّی را بجو　　　نام پڑھ کر نام والے کو بھی ڈھونڈ
مہ بہ بالا واں نہ اندر آب جو　　　چاند دریا میں کہاں اوپر ہی ڈھونڈ

گر ز نام و حرف خواہی بگذری　　　نام سے آگے گزرنا ہے اگر
پاک کن خود را ز خود ہیں یکسری　　　اپنی ہستی کو خودی سے پاک کر

۱ جس دل میں عشقِ الٰہی ہوا اس میں حرص و ہوس کی گنجائش نہیں ہوتی۔ مومن کو اللہ کی ذات کا طالب ہونا چاہیے۔ محض دکھاوے کیلئے اللہ کا نام لینے کی بجائے اسے دل سے اپنانا چاہیے۔ ۲ مسلسل ذکرِ حق سے انسان کا خیال و تصورِ یادِ الٰہی سے معمور رہتا ہے اور یہی وصلِ حق کا وسیلہ بنتا ہے۔ ۳ دلالت کرنے والے کا وجود ہی اس بات کی علامت ہے کہ جس چیز کو وہ دلالت کر رہا ہے وہ موجود ہے۔ اکثر کہا جاتا ہے کہ چھلاوا راستے سے بھٹکا دیتا ہے لہٰذا اگر چھلاوا ہے تو پھر راستہ بھی ہے۔

[1]

ہمچو آہن بے رنگ شو مثل آہن آہنی پن چھوڑ دے
در ریاضت آئینہ بے زنگ شو پاک آئینہ بنو گے زہد سے

[2]

خویش را صافی کن از اوصاف خود خود کو خودنگری سے پاک و صاف کر
تا بہ بینی ذات پاک و صاف خود خود ہی اپنے وصف آئیں گے نظر

بینی اندر دل علوم انبیاء ہوگا دل علم رسل کا آئینہ
بے کتاب و بے معید و اوستا بے کتاب و بے معید و رہنما

[1] لوہے سے زنگ دور کرنے کے بعد اس پر میقل لگا کر آئینہ بنایا جاتا ہے جس میں عکس نظر آتا ہے اگر لوہا زنگ آلود ہو تو اس میں عکس دکھائی نہیں دیتا۔ دل کے آئینہ کو بھی عبادت سے پاک کرو۔

[2] جب انسان اپنے آپ کو خود بینی سے پاک کر لے تو اس کے حقیقی اوصاف اس پر ظاہر جاتے ہیں اور اس کا دل خود بخود علم رسل سے منور ہونے لگتا ہے۔

قرآن پاک کی آیت لانفرق بین احد من رسلہ

(ہم اس کے رسولوں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے)

یہ کہ تمام پیغمبر برحق ہیں

کی تفسیر

1

وہ چراغ ار حاضر آری در مکاں — دس دیئے ہوں اک جگہ روشن اگر
ہر یکے باشد بصورت غیر آں — مختلف آپس میں آئیں گے نظر

فرق نتواں کرد نور ہر یکے — ہاں نظر آئیں گے وہ یکساں سبھی
چوں بنورش روئے آری بیشکے — جب بھی ضو دیکھے گا ان کے نور کی

اطلب المعنیٰ من الفرقان وقل — اس کا مطلب دیکھ قرآن میں عزیز
لا نفرق بین احاد الرسل — ''ہم رسولوں میں نہیں کرتے تمیز''

2

گر تو صد سیب و صد آبی بشمری — ہوں اگر سو سیب یا ہوں سو بہی
صد نماید یک شود چوں بفشری — عرق سو دانوں کا ہوگا ایک ہی

3

در معانی قسمت و اعداد نیست — حرف ہوں کتنے بھی ہیں معنی تو ایک
در معانی تجزیہ و افراد نیست — جزو ہوں جتنے بھی ہیں معنی تو ایک

1 قرآن حکیم کی اس آیت کی توضیح کرتے ہوئے مولانا مثال پیش کرتے ہیں کہ اگر کہیں دس چراغ روشن ہوں تو بظاہر وہ الگ الگ نظر آئیں گے لیکن ان سے پیدا ہونے والی روشنی ایک ہوگی اسے الگ الگ نہیں کیا جا سکتا۔ یعنی وقتاً فوقتاً مختلف پیغمبر تشریف لائے لیکن ان کا پیغام اور اس پیغام کی روشنی ایک تھی۔ 2 سو سیب یا بہی الگ الگ گنے جا سکتے ہیں جب ان کا عرق نکالا جائے تو وہ ایک ہوگا اسے الگ الگ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ مثال بھی گزشتہ اشعار کی مزید وضاحت کیلئے دی گئی ہے۔ 3 الفاظ میں تعدد ہے لیکن معنی میں وحدت ہے دیئے کتنے بھی ہوں ان سب کی روشنی مل کر ایک ہوتی ہے۔

۱

اتحاد یار با یاراں خوش است　　خوب ہے ملتے ہیں جب یاروں سے یار
پائے معنی گیر صورت سرکش است　　پیروی معنی کی کر ظاہر غبار

۲

صورت سرکش گدازاں کن برنج　　ظاہر خود سر کو تقویٰ سے مٹا
تا بہ بینی زیر آں وحدت چو گنج　　پائے گا وحدت کا گنج بے بہا

۳

ور تو نگذاری عنایت ہائے او　　تو نہ کر پائے تو اس کا فیض عام
ہم گدازد اے دلم مولائے او　　ساتھ دے گا دل ہوا جس کا غلام

۴

او نماید ہم بدلہا خویش را　　وہ دلوں میں خود کو جلوہ گر کرے
او بدوزد خرقہ درویش را　　اور درویشوں کی گدڑی بھی سیئے

۱ ظاہری تعداد کو چھوڑ باطنی نور کی وحدت پر توجہ دے۔
۲ ظاہر پرستی کو ریاضت اور زہد سے مٹا تا کہ تجھے وحدت نظر آئے۔
۳ اگر تو ریاضت سے بھی یہ مقام حاصل نہ کر سکے تو اللہ سے امداد طلب کر اس کی مہربانی تجھے کامیاب کردے گی۔
۴ قلب مومن مظہر ذات خداوندی ہے وہ اپنے جمال سے درویش یعنی بے بس انسان کے دل کو جوڑ دیتا ہے۔

حرفِ عقیدت

اے لقائے تو جواب ہر سوال　　تم ملے تو مل گئیں سب منزلیں
مشکل از تو حل شود بے قیل وقال　　بے کہے حل ہوگئیں سب مشکلیں

ترجمانِ ہرچہ ما را در دل است　　تو کہ ہے اسرار دل کا ترجماں
دستگیر ہر کہ پائیش در گل است　　غم کی دلدل میں ہمارا پاسباں

مرحبا یا مجتبیٰ یا مرتضیٰ　　اے ہمارے مجتبیٰ اے مرتضیٰ
ان تغب جاء القضا ضاق الفضا　　بن ترے وجاؤں گا بے دست وپا

انت مولی القوم من لا یشتھی　　تو ہے آقا جو نہیں تجھ پر فدا
قد ردی کلا لئن لم ینتھی　　ہے گماں ہوتا ہے بالا آخر تباہ

1 مولانا آنحضورؐ سے مخاطب ہو کر عرض کرتے ہیں کہ جو آپ کا ہوگیا اس کی تمام مشکلیں کچھ کہے بغیر حل ہوگئیں اس لئے کہ آپ اپنے غلاموں کے احوال سے بخوبی واقف ہیں۔

حدیث نبویؐ

ان لربکم فی ایام دھر کم نفحات الا فتعرضو

(تمہارے رب کی تمہارے زمانہ میں خوشبوئیں ہیں، آگاہ، ان سے وابستہ ہو جاؤ)

گفت پیمبرؐ کہ نفحہائے حق　　　حق کی خوشبوئیں پیمبرؐ نے کہا
اندریں ایام می آرد سبق　　　ہر طرف ہیں ان دنوں راحت افزا

گوش ہش دارید ایں اوقات را　　　غور کر ہیں ایسے لمحے بے بہا
در ربائید ایں چنیں نفحات را　　　ایسی خوشبوؤں کو جان جاں بنا

۱؎

نفحہ آمد شما را دید و رفت　　　آیا اک خوشبو کو جھونکا اور گیا
ہر کرامی خواست جاں بخشیدہ و رفت　　　جس کو چاہا جاں عطا کی چل دیا

۲؎

نفحہ دیگر رسید آگاہ باش　　　دوسرا جھونکا جو آئے تو کہیں
تا ازیں ہم و انمانی خواجہ تاش　　　ہاتھ خالی رہ نہ جانا ہمنشیں

جان آتش یافت زاں آتش کُشے　　　مذہبیں کو مژدہ بخشش دیا
جان مردہ یافت ازوے جنبشے　　　مردہ جاں‌وں کو پیام جاں ملا

جان نازی یافت ازوے اِطفا　　　اس نے بخشی جلنے والوں کو شفا
مردہ پوشیدہ از بقائے او قبا　　　اس سے بے جانوں نے پائی ہے بقا

۱؎ آنحضورؐ کے تشریف آوری سے کئی خوش نصیب ایمان و ایقان کی خوشبو سے مستفید ہوئے۔ ۲؎ آنحضرتؐ کے بعد اولیائے کرام آئے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ان سے بھی کسبِ فیض کرنا چاہیے کیونکہ وہ اسی خوشبو سے فیضیاب ہیں جو حضورؐ نے مرحمت فرمائی۔

۱

تازگی و جنبش طوبیٰ ست ایں — مثل طوبی پاک ہے یہ تازی
ہمچو جنبشہائے خلقاں نیست ایں — کون کر سکتا ہے اس کی ہمسری

۲

اشتر آمد ایں وجود خار خوار — اونٹ کی مانند ہے یہ جسم خاک
مصطفیٰ زادے بریں اشتر سوار — جس پہ ہے افراز و غالب جان پاک

۳

اشترا تنگ گلے برپشت تست — اے شتر تجھ پہ لدا ہے بار گل
کزنسیمش در توصد گلزار رست — تو بنا ہے رشک صدر انبار گل

۴

میل تو سوئے مغیلاں ست وریگ — کیوں کھچا جائے ہے سوئے خروخس
تا چہ گل چینی ز خاراے مردہ ریگ — خار سے پھولوں کی امدیں عبث

۵

اے بکشتہ زیں طلب ہر کو بکو — اور کب تک اس طلب میں کوبکو
چند کوئی آں گلستاں کو و کو — تو کرے گا گلستان کی جستجو

۶

پیش ازاں کیں خار پاپیروں کنی — پاؤں کا کانٹا نکالا بھی تو کیا
چشم تاریک است جولاں چوں کنی — کوئی اندھا بھاگ سکتا ہے بھلا

۱ طوبیٰ جنت کے ایک درخت کا نام ہے۔ اس شعر کا مطلب ہوسکتا ہے کہ جن لوگوں نے آنحضورؐ اور اولیائے کرام سے ایمان کی تازگی حاصل کی ان کی یہ تازگی طوبیٰ کی طرح دائمی ہے عارضی نہیں۔ ۲ یہ جسم اونٹ کی طرح کانٹے کھانے والا ہے یعنی نفسانی خواہشات کا بخوشی سے شکار ہوتا ہے اور اس جسم پر پاک روح (مصطفیٰ زادہ سے مراد پاک روح ہے) سوار ہے۔ ۳ مولانا جسم سے مخاطب ہوکر فرماتے ہیں کہ تجھ پر پاک روح کا بوجھ لدا ہوا ہے جو سینکڑوں گلزاروں سے زیادہ خوش نما اور فرحت بخش ہے۔ ۴ اے جسم تو نفسانی خواہشات کے خارزار کی طرف کیوں کھچا جاتا ہے۔ کانٹوں سے پھولوں کی سی راحت کی امید بیکار ہے۔ ۵ اے انسان تو کب تک بے راہ روی کا شکار ہوکر منزل کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹکتا رہے گا۔ ۶ منزل کی تلاش میں اگر تو نے اپنے پاؤں کا کانٹا نکالا بھی تو کیا حاصل کیا۔ اس لئے کہ تو اندھا ہے بھاگے گا کیسے۔ یعنی اگر نفسانی خواہشات پر قابو پالیا تو پھر منزل تک جانے کیلئے تجھے بصیرت کی ضرورت ہوگی جو اہل صفا سے ہی مل سکتی ہے۔

۱

آدمی کو می نگنجد در جہاں　　وست عالم تھی کم جس کیلئے
در سر خارے ہمیں گردو نہاں　　چھپ گئی وہ روح نوک خار سے

چوں تو شیریں ازشکرباشی بود　　تو کہ میٹھا ہے شکر سے دیکھنا
کاں شکر گا ہے تو غائب شود　　وہ شکر تجھ سے نہ ہوجائے جدا

۲

چوں شکر گردی تاثیر وفا　　تیری شیرینی ہے تاثیر وفا
پش شکر کے از شکر گردو جدا　　ہو شکر سے کیسے شیرینی جدا

۳

زہرمحض است آں کہ باشد بے وفا　　بے وفا ہیں زہر قاتل نابکار
ھب لنا یا ربنا نعم الوریٰ　　نیک انساں کر عطا پروردگار

۴

عاشق از حق چوں غذا یابد رحیق　　جام عرفاں جب ہوا حق سے عطا
عقل آنجا گم شود گم اے رفیق　　بے حقیقت ہوگئی عقل رسا

۵

عقل جزوی عشق را منکربود　　عشق سے منکر ہے عقل نارسا
گرچہ بنماید کہ صاحب سربود　　کو ہے دعویٰ واقف اسرار کا

۱ روح لامکانی ہے وسعت عالم اس کیلئے کافی ہے لیکن لذت نفس سے ناپید ہوجاتی ہے نوک خار سے مراد نفس انسانی ہے۔

۲ اگر تیری زندگی ظاہری پن سے خوشنما ہے تو یہ صورت کسی وقت بدل بھی سکتی ہے اور اگر تیری زندگی حق تعالیٰ سے وفا داری کے باعث خوشنما ہے تو پھر یہ خوشنمائی کیسے پیدا ہوسکتی ہے۔ ۳ بے وفا یعنی اللہ تعالیٰ کے نافرمان زہر دار زہر سے بھی بدتر ہوتے ہیں۔

۴ جب بارگاہ ایزدی سے بادہ عرفاں عطا ہوتو پھر اس کی مستی کے آگے عقل اپنی حقیقت کھو بیٹھتی ہے۔رحیق شراب کو کہتے ہیں۔

۵ عقل انسانی جو جزوی ناقص ہے اسرار الٰہی سے واقفیت کا دعویٰ تو کرتی ہے لیکن عشق کی قدرت سے منکر ہے حالانکہ عشق ہی بارگاہ خداوندی تک رسائی کا وسیلہ ہے۔

	۱
زاں دمے کادمؑ ازو مدہوش شد	جس صدا سے ہوش آدمؑ کھو گئے
ہوش اہل آسماں بے ہوش شد	اور سب اہل فلک بے خود ہوئے
	۲
مصطفیٰؐ بے ہوش شد زاں خوب صوت	جس صدا کے کیف میں کھو کر نبیؐ
شد نمازش از شب تعریس فوت	پڑھ نہ پائے تھے نماز فجر بھی
پس بزرگاں ایں نہ گفتند از گزاف	کتنا پر معنی ہے قول اولیاء
جسم پاکاں عین جاں افتاد صاف	جسم پاکاں مثل جاں پاک وصفا
	۳
گفت شاں و فعل شاں و ذکر شاں	قول و فعل و ذکر ان کا بے گماں
جملہ جان مطلق آمد بے نشاں	جان مطلق کی طرح ہے بے نشاں
	۴
جان دشمن دار شاں جسمے ست صرف	ان کا دشمن جسم بے جاں کی طرح
چوں زیاد از نرد او اسمے ست صرف	نرد کے بیکار ساماں کی طرح
	۵
آں بخاک اندر شد کل خاک شد	خاک میں مل کر ہوا وہ خاک خاک
ایں نمک اندر شد و کل پاک شد	یہ ملا تو سب نمک تھا صاف و پاک
	۶
آں نمک کز وے محمدؐ املح ست	وہ نمک جس سے محمدؐ ہیں ملیح
زاں حدیث بانمک او افصح ست	اس حدیث پاک سے وہ ہیں فصیح

۱؎ وحی الٰہی جس سے حضرت آدمؑ بیہوش ہو گئے تھے۔ ۲؎ تعریس: آخری شب میں پڑاؤ کرنا۔ حضورؐ کی نیند دراصل استغراق کی کیفیت تھی۔ جس کی وجہ سے بروقت نماز ادا نہ ہوسکی۔ ۳؎ پاک لوگوں کے قول و فعل بھی ان کی روح کی پاک ہوتے ہیں۔ ۴؎ پاک لوگوں کا دشمن بے جان جسم کی طرح ہے۔ جیسے نرد کی سات بازیوں میں سے زیادہ نامی بازی جس کے ہر نقش میں ایک خال زیادہ کردیتے ہیں۔ اس بازی کا کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ اگرچہ اس کا نام زیادہ ہے لیکن یہ صرف نام ہی نام ہے۔ ۵؎ اولیاء کا دشمن نفس کی لذتوں کی خاک میں مل کر سراسر خاک ہوگیا۔ اور مرد کامل محبت کی چاشنی میں غرق ہو کر سراسر پاک ہوگیا۔ ۶؎ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرے بھائی یوسف صبیح تھے۔ اور میں املح ہوں ایک جگہ فرمایا کہ میں عرب سب سے زیادہ فصیح ہوں۔ یعنی حضورؐ ملاحت اور فصاحت میں منفرد بھی تھے اور اس کا مظہر بھی۔

۱؎

زیرک و دانا ست امّا نیست نیست　　کیا ہے عاقل گرفنائے حق نہیں
تافرشتہ لانشد اہر منے ست　　مٹ گیا تو ہے ملک ورنہ لعیں

اوبقول و فعل یارِ ما بود　　زندگی میں عقل ہے ہمدم مگر
چوں بحکم حال آئی لا شود　　عالم عرفاں میں وہ بھی بے اثر

لابود اوچوں نہ شداز ہست نیست　　کچھ نہیں وہ جو نہیں مٹتا کبھی
زانکہ طوعا لانشد کرہا بے ست　　گر نہ ہو طاعاً تو پھر کرہا سہی

۲؎

جاں کمال ست ونداۓ او کمال　　جاں کمال اس کی صدا سیّن کمال
مصطفیٰ گایاں ارحنا یا بلالؓ　　اذن نبوی لطف فرما اے بلالؓ

۳؎

اے بلال افراز بانگ سلسلت　　رنگ جما آواز سے اس فیض کا
زاں دمے کا ندم دمیدم در دلت　　جوترے دل میں ہے میں نے بھر دیا

اے بلال ایں گلبت را جاں سپار　　اٹھ چمن کو رنگ و نکہت کر عطا
خیز بلبل وار جاں می کن نثار　　مثل بلبل جاں گلوں پر کرفدا

۱؎ عاقل اگر عشق الٰہی میں فنا ہوا تو فرشتہ ورنہ شیطان یعنی اگر فرشتہ انکسار اور اپنی نفی سے کام نہ لے تو شیطان ہوگا۔ یہاں مولانا اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں جب ابلیس نے حضرت آدمؑ کے حضور سر جھکانے سے انکار کیا تھا۔ ۲؎ عشق کے حوالے سے اب مولانا عاشق رسول حضرت بلالؓ کا ذکر کرتے ہیں جن کی روح اور آواز عشق سے مست تھی۔ رسول اللہ انہیں اذان دینے کا حکم فرماتے ہیں۔ ۳؎ رسول پاکؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے بلالؓ میں نے تیرے دل میں جو عشق و مستی بھری ہے اسے اپنی آواز سے پھیلا دے۔

۱

آں نمک باقی ست از میراث او   اس ملاحت کے ہیں وارث سو بسو
با تو اند آن وارثان او بجو   اپنے گرد و پیش ہی کر جستجو

۲

پیش تو بشستہ ترا خود پیش کو   وہ ہیں تیرے رو برو اے کم نظر
پیش ہستت جان پیش اندیش کو   پر نہیں تو دور بیں اے خود نگر

۳

گر تو خود را پیش وپس واری گماں   تو ہے گرد و پیش میں الجھا ہوا
بستہ جسمی و محرومی ز جاں   جسم کا پابند جاں نا آشنا

۴

بر کشا از نور پاک شہ نظر   نور یزداں سے نظر تاباں کرو
تا نہ پنداری تو چوں کو تاہ نظر   کم نگاہوں کی طرح یہ کیوں کہوں

کہ ہمینی در غم و شادی و بس   تم بنے ہو عیش و غم کے واسطے
اے عدم کو مر عدم را پیش وپس   کچھ نہیں اہل عدم کے واسطے

۵

از وجود و از عدم گر بگذری   گر ہوئے ہست و عدم سے بے نیاز
از حیات جاودانی بر خوری   پا سکو گے عمر الافانی کے راز

۱ آنحضورؐ کا ارشاد ہے کہ علمائے کرام انبیاء عظام کے وارث ہیں یعنی حضورؐ کی معرفت کی چاشنی و ملاحت علماء اور اولیاء میں منتقل ہوتی ہے جو دنیا میں اب بھی موجود ہیں اور ہمارے ساتھ ہیں شرط صرف جستجو کی ہے۔ ۲ وارثان رسول پاکؐ موجود ہیں لیکن وہ لوگ جن کی روح وجود یعنی دنیاوی معاملات میں گم ہے وہ ان کا احساس نہیں کر سکتے جب تک انسان اپنی ہستی کو فنا نہیں کرتا اس دور بین روح حاصل نہیں ہوتی۔

۳ جو انسان اپنے گرد و پیش یعنی دنیاوی باتوں میں اُلجھا ہوا ہو تو روح کی لذتوں سے محروم رہتا ہے۔ ۴ حقیقی معرفت حاصل ہو جانے سے انسان غم اور خوشی کی عارضی کیفیات سے جو کہ جسمانی صفات ہیں بے نیاز ہو جاتا ہے جب معرفت حقیقی حاصل ہو جائے تو پھر انسان ان دنیاوی احساسات سے نجات پالیتا ہے اور اس مقام پر فائز ہوتا ہے جہاں ان لذات وجذبات کا وجود باقی نہیں رہتا۔ ۵ جب انسان ہستی و نیستی کے احساس سے گزر کر عشق حقیقی میں گم ہو جاتا ہے تو اسے حیات ابدی حاصل ہو جاتی ہے۔

۱

روز باران ست میرو تا بہ شب — تو ز باراں ہے چلو تا شب چلو
نے ازیں باراں ازاں باران رب — جام جاں فیضان رحمت سے بھرو

ہست باراں باجزایں باراں بداں — ہے یہ باراں عام باراں سے جدا
می نمی بیند ورا جز چشم جاں — کون دیکھے دیدۂ جاں کے سوا

۲

چشم جاں را باز کن نیکو نگر — دیدۂ جاں کھول کر دیکھو کبھی
تا ازاں باراں عیاں بینی خضر — اک زرا باران حق کی تازگی

۱ جب فیوض الٰہی برس رہے ہوں تو انسان کو ان سے پوری طرح فیضیاب ہونا چاہیے۔

۲ فیوض الٰہی کا ادراک روح کی آنکھ سے کیا جا سکتا ہے اسلئے روح کی آنکھ کو زہد و تقویٰ سے کھول کر فیوض و برکات خداوندی سے فیضیاب ہونا چاہیے۔

دنیائے بے ثبات

۱

از برحق می رسد تفضیل ہا   ہر فضیلت ہے یہاں داد خدا
باز ہم از حق رسد تبدیل ہا   اور تغیر بھی اسی کا معجزہ

جملہ فضل اوست دانید ایں چنیں   ہے یہ سب اس کی عنایت اور عطا
سجدہ اش از جان و دل آرید ہیں   جان و دل سے کیجئے سجدہ ادا

۲

حق بدور ونوبت ایں تائید را   ہیں جدا تائید حق کے مرحلے
می نماید اہل ظن و دید را   اہل دل اہل گماں کے واسطے

۳

ہیں بملک نوبتی شادی مکن   خوش نہ ہو اس عارضی املاک پر
اے تو بستہ نوبت آزادی مکن   تو ہے قیدی ذکر آزادی نہ کر

۴

آنکہ ملکش برتراز نوبت تنند   رب نے بخشی دائمی حشمت جسے
برتراز ہفت انجمش نوبت زنند   اس کے چرچے آسمانوں پر ہوئے

۵

برتر از نوبت ملوک باقیند   اہل دنیا سے بلند اہل بقا
دور دائم روحہا را ساقیند   وہ رہیں گے روح کے ساقی سدا

۱ انسان کو تمام فضائل حق تعالیٰ کے کرم سے حاصل ہوتے ہیں اور ان میں کمی و بیشی بھی اسی کے حکم سے ہوتی ہے۔ ۲ تائید ایزدی کے درجات ناقص اور کامل افراد کیلئے الگ الگ ہوتے ہیں۔ ۳ دنیاوی املاک پر خوش نہیں ہونا چاہیے اس لئے کہ انسان اس دنیا میں ایک قیدی کی طرح پابند ہے آزاد نہیں۔ وہ اپنی کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا۔ ملک نوبتی اس سلطنت کو کہتے ہیں جو باری باری ملتی ہے یعنی زندگی کی نعمتیں کبھی کسی کو حاصل ہوتی ہیں اور کبھی کسی کو۔ ۴ جسے اللہ تعالیٰ اس کے اعمال صالح کی بدولت بلند مرتبہ عطا کرتا ہے اس کی عزت و حشمت لازوال ہوتی ہے اور اس کی شہرت عرش تک پہنچتی ہے یعنی اہل عرش بھی اس کا احترام کرتے ہیں۔ ۵ اہل حق کا مرتبہ اہل دنیا سے بالا ہوتا ہے اور قرب الٰہی کے باعث اپنی روح کو عشق الٰہی کی شراب سے سیراب کرتے رہتے ہیں۔

چوں بنوبت می و ہند ایں دولت	عارضی ہے جب تری یہ عز و جاہ
ازچہ شد پُر باد آخر سبلت	کیوں تکبر میں ہوا ہے مبتلا

١

ترک ایں شرب ارگوئی یک دو روز	گر رہے دنیا سے ہو کچھ دن بھی دور
تر کنی اندر شراب خلد پوز	خُلد میں پاؤ گے تم جام طہور
یک دو روزے چہ کو دنیا ساعتے ست	زندگی دو دن تو کیا دم بھر کی ہے
ہر کہ ترکش کرد اندر راحتے ست	جو بھی دنیا چھوڑ دے وہ خوش رہے
معنی الترک راحت کوش کن	ترک دنیا میں ہی راحت ہے سدا
بعد ازاں جام بقا را نوش کن	چھوڑ کر دنیا کو پی جام بقا

٢

با سگاں بگذار ایں مردار را	چھوڑ دے دنیا کو کتوں کیلئے
خرد بشکن شیشہ پندار را	توڑ دے شیشے غرور و ناز کے

١ اگر تم نے لذت دنیا کو ترک کر دیا تو آخرت میں لذات دائمی حاصل ہوں گی۔

٢ اس دنیا کی لذتوں کو حرص و ہوش کے بندوں کیلئے چھوڑ دے جن کی مثال ان کتوں کی ہے جو چبائی ہوئی ہڈیوں پر بھی جھپٹتے ہیں۔

تفسیر آیت

وھو معکم اینما کنتم (وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو)

۱

گر بجہل آئیم آن زندان اُوست — جہل کو اللہ کا زنداں سمجھ
ور بعلم آئیم اُو ایوانِ اُوست — علم کو اللہ کا ایواں سمجھ

۲

گر بخواب آئیم مستانِ وئیم — نیند میں ہیں یادِ حق سے مست خو
ور بہ بیداری بدستانِ وئیم — اور بیداری میں اس کے مداح کو

۳

ور بگرئیم ابرِ پُر زرقِ وئیم — ہم اگر روئیں تو ہیں ابرِ صفا
ور بخندیم آں زماں برقِ وئیم — اور ہنسیں تو اس کی برقِ پُر جلا

ور بخشم و جنگ عکسِ قہرِ اُوست — جنگ اور غصہ میں اُس کا قہر ہیں
ور بصلح و عذر عکسِ مہرِ اُوست — صلح و فہمائش میں اُس کا مہر ہیں

۴

ما کہ ایم اندر جہانِ پیچ پیچ — اس جہانِ پیچ وخم میں کیا ہیں ہم
چوں الف اُو خود کہ دارو ہیچ ہیچ — ہاں الف ہیں اور بے مایہ ہیں ہم

۵

چوں الف گر تو مجرو می شوی — تو بھی گر مثلِ الف ہو بے نیاز
اندر ایں مرد مفرد می شوی — زندگی کی رہ میں ہوگا سرفراز

جہد کن تا ترکِ غیرِ حق کُنی — ماسوا اللہ کے سب کچھ چھوڑ دے
دل ازیں دنیائے فانی بَر کُنی — دہرِ فانی سے تعلق توڑ دے

۱ جہل اور بے خبری ایک قید خانہ ہے جب کہ علم و عرفان حق تعالیٰ کے دربار میں حاضری کا سبب اور وسیلہ ہے۔ ۲ اہلِ صفا نیند میں اس کی یاد سے مست ہوتے ہیں۔ یعنی غافل نہیں ہوتے اور بیداری میں اس کے ذکر و اس کی تعریف و توصیف میں مگن رہتے ہیں۔ ۳ یہ اگر روتے ہیں تو ان کے آنسو ابرِ صفا کے قطروں کی طرح ہوتے ہیں اور جب ہنستے ہیں تو بجلی کی تجلی رونما ہوتی ہے یعنی ان کی تمام صفات انسانی اللہ تعالیٰ کی مختلف شانوں کی مظہر ہوتی ہے۔ ۴ اس پیچ دنیا میں ہم الف کی طرح مستقیم ہیں جس پر کوئی نقطہ نہیں یعنی دنیاوی مال و دولت سے خالی اور بے نیاز ہیں۔ ۵ اگر انسان الف کی طرح تہی دامن ہو تو اس (انسان) کو الف کی طرح سربلندی بھی حاصل ہوگی۔

عشقِ ضدّین

	۱
اے بدی کہ تو کنی در خشم و جنگ	قہر میں تیرا ستم اے ذی قدر
با طربِ تر از سماں بانگِ چنگ	ہے نوائے ساز سے شیرین تر
	۲
اے جفائے تو ز دولت خوب تر	مال و زر سے خوب تر تیری جفا
و انتقام تو ز جاں محبوب تر	جان سے محبوب تر تیری سزا
	۳
نارِ تو ایں ست نورت چوں بُود	آگ ایسی ہے تو کیسا ہوگا نور
ماتم ایں تا خود کہ سورت چوں بُود	غم ترا یوں ہے تو کیا ہوگا سُرور
از حلاوتہا کہ دارد جور تو	ہیں بہت شیریں ترے جور و جفا
وز لطافت کس نیابد غورِ تو	کس کو اندازہ ہے تیری ذات کا
	۴
فی المثل جورت اگر عریاں شود	راز ہو تیرے ستم کا گر عیاں
گر جہاں گریاں بُود خنداں شود	روتے روتے خندہ زن ہو سب جہاں

۱ مولانا عرض کرتے ہیں کہ اے رب کریم تیرا قہر و غضب بھی سارنگی آواز سے شیریں تر ہے اس لئے کہ تیرا ارشاد ہے ہر سختی کے بعد آسانی ہوتی ہے لہٰذا تیری دی ہوئی سزا ہو جب جزا ہوتی ہے۔ اگلے شعر میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔

۲ اے رب تیری سختی دنیا جہان کی نعمتوں اور زندگی سے بھی عزیز تر ہے اس لئے کہ اس میں تیری مرضی اور خوشی ہے۔

۳ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے غم میں اتنا لطف ہے تو اس کی عطا کی ہوئی خوشی میں کتنا سرور ہوگا۔

۴ اگر ہماری مصیبتوں کی حقیقت واضح ہو جائے تو ہم روتے روتے ہنسنے لگیں اس لئے کہ تکالیف ہمارے برے اعمال کی کفارہ ہوتی ہیں۔

۱

نالم و ترسم کہ اُو باور کند
وز ترحم جور را کم تر کند

ڈر ہے رونے پر مرے کر کے یقیں
کم نہ کر دے وہ جفاؤں کو کہیں

۲

عاشقم بر قہر و بر لطفش بجد
اے عجب من عاشقِ ایں ہر دو ضد

اس کے قہر و مہر پر ہوں میں فدا
کیا عجب شیدا ہوں ان اضداد کا

۳

عشقِ من بر مصدرِ ایں ہر دو ضد
چوں نباشد عشق کز وے نیست بُد

ان کے منبع سے محبت ہے مجھے
کوئی چارہ ہی نہیں کیا کیجئے

۴

واللہ ار زیں خار در بُستاں شوم
ہمچو بلبل زیں سبب نالاں شوم

گل کی خاطر خار سے ہو کر جدا
رات دن روؤں گا بلبل کی طرح

۵

عاشقِ کُل است و خُود کل است اُو
عاشقِ خویش است و عشقِ خویش جُو

خود ہی کُل اور خود ہی وہ شیدائے کُل
خود ہی عشق و عاشق و جویائے کُل

۱ ذات باری کا چاہنے والا کہتا ہے کہ مجھے ڈر ہے میرے رونے کو دیکھ کر وہ رحیم وکریم از راہ کرم میری مصیبتیں کم نہ کر دے اور یوں میں مصیبتوں کے صلے میں ملنے والے اجر سے محروم نہ ہو جاؤں۔

۲ میں اللہ تعالیٰ کے قہر اور مہر دونوں پر جان و دل سے فدا ہوں یہ بھی اس کا کرم ہے کہ میں ان دو متضاد چیزوں پر فریفتہ ہوں۔

۳ عاشق صادق کہتا ہے کہ مجھے حق تعالیٰ کے قہر اور مہر دونوں سے اس لئے یکساں محبت ہے کہ میں ان دونوں کے منبع یعنی ذات خداوندی سے محبت کرتا ہوں۔ چنانچہ اس کی طرف سے بھیجی ہوئی ہر چیز سے مجھے محبت اور عشق ہے۔

۴ مجھے جس طرح ذات پاک سے محبت ہے اسی طرح اس کی جفاؤں سے بھی۔ جو اس بات کی دلیل ہیں کہ میں اس کی نظر میں ہوں۔ اگر یہ جفائیں ترک ہو گئیں تو میں احساس بیگانگی سے زار و قطار روؤں گا۔

۵ ذات باری جامع الصفات ہے۔ وہ کل ہے اور ہم اس کل کے جزو ہیں۔ لہٰذا کل سے ہمارا عشق گویا کل کا خود اپنی ذات سے عشق ہے۔

راضی بہ رضا

۱

آنکہ از حق یابد اُو وحی و خطاب
ہر چہ فرماید بُود عین صواب

ذاتِ حق جس شخص کی ہو رہنما
اس کا ہر اک قول ہوتا ہے بجا

آنکہ جاں بخشد اگر بکشد رواست
نائب است و دستِ او دستِ خداست

جس نے دی ہے جاں وہ جاں لے لے تو کیا
اہلِ حق کا ہاتھ ہے دستِ خدا

۲

ہمچو اسمٰعیل پیشش سر بنہ
شاد و خنداں پیش تیغش جاں بدہ

مثلِ اسمٰعیل اپنا سر جھکا
سہہ خوشی سے وار اُس کی تیغ کا

۳

تا بماند جانت خنداں تا ابد
ہمچو جانِ پاکِ احمدؐ با اَحد

تا کہ تیری جاں رہے شاداں سدا
جیسے حق کے ساتھ جانِ مصطفےٰؐ

۴

عاشقاں جامِ فرح آنگہ کشند
کہ بدست خویش خوباں شاں کشند

سرخوشی سے اہلِ دل ہیں جھومتے
قتل جب ہوتے ہیں دستِ یار سے

۱ جسے حق تعالیٰ کی طرف سے ہدایت ملتی ہے اس کا ہر قول درست ہوتا ہے۔

۲ اس شعر میں حضرت اسماعیل کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے جب وہ حضرت ابراہیم کی خواب کی تکمیل کیلئے بصد رضا و خوشی سر اطاعت زمین پر رکھ دیتے ہیں تا کہ حضرت ابراہیم بارگاہ ایزدی میں ان کی قربانی دیں۔

۳ مولانا فرماتے ہیں کہ تم بھی اسی طرح کی اطاعت کی خو پیدا کرو جس طرح آنحضورؐ تسلیم و رضا کے باعث قرب الٰہی نصیب ہوا۔

۴ اللہ کے چاہنے والے جب اس کی رضا اور خوشنودی کیلئے جان دے دیتے ہیں تو اس وقت وفور مسرت سے اپنی کامیابی پر جھوم اٹھتے ہیں۔ اس لئے کہ کسی محبت کا اپنے محبوب کیلئے اس کے ہاتھوں مارا جانا معراج محبت ہے۔

عشقِ الٰہی

عشقِ زندہ در روان و در بصر   عشق لافانی سے تیرے چشم و جاں
ہر دمے باشد ز غنچہ تازہ تر   ہیں سدا خوش رنگ ورشک گلستاں

عشقِ آں زندہ گزیں کو باقی ست   دل میں لافانی کی چاہت کو بسا
و ز شرابِ جانفزایت ساقی ست   وہ پلائے گا شراب جانفزا

عشقِ آں بگزیں کہ جملہ انبیاء   دل کو عشقِ ذات ربی سے سنوار
یافتند از عشقِ اُو کار و کیا   ہے یہی نبیوں کی وجہ افتخار

تو مگو ما را ابداں شہ بار نیست   کیوں کہو شہہ تک رسائی ہے کہاں
بہ کر یماں کارہا دشوار نیست   حل کرے گا مشکلیں وہ مہرباں

رحمتِ حق

۱

کُنْتُ کَنْزاً رَحْمَۃً مَّخْفِیَّۃً　　میں کہ تھا پوشیدہ مخزن رحم کا
فَاَبْعَثْتُ اُمَّۃً مَّھْدِیَّۃً　　بھیجی اک اُمت ہدایت یافتہ

ہر کراماتے کہ میجوئی بجاں　　دل سے جو مانگا کیا مجھ کو عطا
اُو نموودت تا طمع کردی دراں　　آرزو کرنے پہ یوں مائل کیا

۲

چند بت بشکست احمدؐ در جہاں　　جب ہوئے احمدؐ کے ہاتھوں بت فنا
تا کہ یا رب کوئی کشند اُمتاں　　ہر طرف یا ربّ کی گونج اٹھی صدا

گر نبودے کوششِ احمدؐ تو ہم　　ذاتِ احمدؐ کے کرم سے بچ گئے
می پرستیدی چو اجدادت صنم　　ورنہ پہلوں کی طرح بُت پوجتے

۳

گر بگوئی شکرِ ایں رَستن بگو　　شکر کرنا ہے تو کر اس کا ادا
کز بتِ باطن ہَمَتْ برہاند اُو　　باطنی بت سے بھی چھٹکارا ملا

۴

سر زِ شکرِ دیں ازاں بر تافتی　　ناسپاسی نعمتِ دیں کی نہ کر
کز پدر میراثِ ارزاں یافتی　　قدر کر گو ہے یہ میراث پدر

۱ حدیث شریف کے مطابق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا امت محدیہ یعنی امت محمدی جس کو معرفت ذات وصفات کا پورا علم عطا کیا گیا۔ اس شعر میں اسی حدیث مبارک کی طرف اشارہ ہے ۲ آنحضور کی بعثت بھی انہی عطیات خداوندی میں سے ہے جس کی برکت سے انسان نے بتوں کے آگے جھکنے سے نجات پائی اور حق پرستی اختیار کی ۳ شکر ادا کرنا ہے تو رسول پاک کا ادا کر جس نے پیغام حق پہنچایا اور دین الٰہی کی نعمت حاصل کر کے تمھیں خود پرستی اور بت پرستی سے نجات ملی ۴ دین مبین کی نعمت تمھیں ملی ہے اس کی قدر کر اگرچہ تمھیں یہ نعمت اپنی محنت سے نہیں بلکہ میراث پدر کے طور پر آسانی سے حاصل ہوئی ہے۔

چو بگریا نم بجو شد نعمتم[1]   جب رلاؤں تو ہمہ رحمت ہوں میں
آں خروشندہ نیو شد نعمتم   رونے والے کیلئے ''نعمت ہوں میں''

رحمتم موقوفِ آں خوش گر یہ ہاست   آہ و زاری میری رحمت کا سبب
بعد ازاں از بحرِ رحمت موج خاست   جوشِ رحمت میں ہے شدّت کا سبب

نفس

ہیں سگِ ایں نفس را زندہ مخواہ   نفس کے کُتّے کو ہے کیوں پالتا
کُو عدِوّ جانِ تست از دیر گاہ   مدّتوں سے دشمنِ جاں ہے ترا

سگ بِنہ بر استخواں چوں عاشقی   مثلِ سگ کیوں جسم پر مرتا ہے تو
دیوچہ وار از چہ بَر خوں عاشقی   جونک بن کر خوں طلب کرتا ہے تو

آنچہ حشمت آنکہ بینائیش نیست   آنکھ وہ کیا جس میں بینائی نہ ہو
ز امتحانہا جز کہ رسوائیش نیست   امتحاں میں کیسے رسوائی نہ ہو

سہو باشد ظنّہا را گاہ گاہ   بدظنی ہو گاہے گاہے تو بجا
ایں چہ ظنّ ست اینکہ کور آمد بَراہ   اندھا پن ہے بدظنی گر ہو سدا

1 حق تعالیٰ پہلے گریہ وزاری کی توفیق عطا کرتا ہے اور پھر اپنی رحمتوں کا نزول فرماتا ہے۔ یعنی اس کی بخشش ورحمت اپنے بندے کو نوازنے کیلئے بہانہ ڈھونڈتی ہے۔ چنانچہ دوسرے شعر میں اس نکتہ کی وضاحت کی گئی ہے۔

2 اگر انسان لذت دنیاوی اور اخروی میں فرق نہیں کرسکتا تو یہ غلطی قابل معافی نہیں بلکہ اندھاپن ہے۔

۱

کردہ بر دیگراں نوحہ گری　　تو نے کی اغیار کی نوحہ گری
مدّتے بنشیں و بر خود می گری　　اپنے حالِ زار پر بھی رو کبھی

۲

ز ابرِ گریاں شاخ سبز و تر شود　　ابر جب رویا تو دنیا کھل اٹھی
زانکہ شمع از گریہ روشن تر شود　　شمع جب روئی تو روشن تر ہوئی

۳

ہر کجا نوحہ کنند آنجانشیں　　بیٹھ اُن کے ساتھ جو ہیں اشکبار
زانکہ تو اولیٰ تری اندر حنیں　　اشکباری سے ہی پاؤ گے قرار

۴

زانکہ ایشاں در فراقِ فانی اند　　وہ کہ فانی کیلئے ہیں اشک بر
غافل از لعلِ بقائے کانی اند　　ہیں بقا کی نعمتوں سے بے خبر

عطائے ربی

ہست بر مومن شہادت زندگی　　مرد مومن کی شہادت زندگی
بر منافق مرد ہست ژندگی　　اور منافق کیلئے ناپیدگی

چیست در عالم بگو یک نعمتے　　نعمتیں ہیں یوں تو دنیا میں کئی
کہ نہ محروم اند از وے اُمّتے　　کیا ہر اک انسان کو ملتی ہیں سبھی

گاؤ و خر را فائدہ چہ در شکر　　گاؤ و خر شکر سے ہیں نا آشنا
ہست ہر جاں را یکے قوتے دِگر　　ہر کسی کی ہے جدا گانہ غذا

۱؎ تو نے دوسروں کی خرابیاں دیکھ کر اشک بہائے۔ اک ذرا اپنے کرتوتوں پر غور کر اور اپنی کوتاہیوں پر بھی رو لے ۲؎ جب بھی بادل برستا ہے تو دنیا میں سبزہ و گل کھل اٹھتے ہیں اور جب شمع جلتے ہوئے آنسو ٹپکاتی ہے اس کی روشنی میں اضافہ ہوتا ہے اس لئے کہ موم کے پگھلنے سے اس کی لو زیادہ لمبی ہو جاتی ہے اور یوں روشنی بھی بڑھ جاتی ہے ۳؎ جو لوگ ذاتِ الٰہی کی یاد میں اشکبار ہوتے ہیں ان کی صحبت کے فیض سے اطمینان قلب حاصل ہوگا۔ جس طرح جلتی شمع جب آنسو بہاتی ہے تو اس کی روشنی زیادہ ہو جاتی ہے اور شمع کے آس پاس بیٹھنے والے اس کی روشنی سے مستفید ہوتے ہیں ۴؎ جو حضرات کسی فانی انسان کے عشق میں آنسو بہاتے ہیں وہ اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ اس ذات کی یاد میں آنسو بہانا بہت بہتر ہے جو دائم و قائم ہے لعل بقائے کانی کا مطلب بقا کی کان کا لعل بے بہا یعنی حیات ابدی ہے ۵؎ جس طرح شہادت مومن کیلئے مفید اور منافق کیلئے مضر ہے اسی طرح دنیا کی ہر نعمت کسی کیلئے مفید اور کسی کیلئے مضر ہے۔

[1]

چوں کسے کو از مرض گل داشت دوست ‏ مٹی کھانے کی مرض میں مبتلا
گرچہ پندارد کہ آں گِل قُوت اُوست ‏ سمجھے بیٹھا ہے اسے اپنی غذا

قُوتِ اصلی راہ فرامش کردہ است ‏ بھول کر اصلی غذا وہ بے خبر
روئے در قُوتِ مرض آوردہ است ‏ حیف کیوں مائل ہے مشتِ خاک پر

نوش را بگذاشتہ سم خوردہ است ‏ شہد کے بدلے میں سم کھاتا ہے وہ
قُوتِ علت ہمچو چوبش کردہ است ‏ سوکھ کر لکڑی ہوا جاتا ہے وہ

[2]

قُوتِ اصلی بشر نورِ خداست ‏ نورِ حق انساں کی ہے اصلی غذا
قُوتِ حیوانی مر او را نا سزاست ‏ ہے غذا حرص و ہوس کی ناروا

[3]

لیک از علت دریں افتاد دل ‏ اس مرض سے جب بھٹک جاتا ہے وہ
کہ خورد او روز و شب از آب و گل ‏ آب و گل سے ہی غذا پاتا ہے

[4]

روئے زرد و پائے سست و دل سُبک ‏ زرد رُو کمزور دل اور سُست پا
کو غذائے والسما ذاتِ الحُبُک ‏ کیسے پائے آسمانوں کی غذا

[1] جو انسان مٹی کھانے کی عادت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اسے اپنی غذا سمجھتا ہے وہ اپنی موت کو دعوت دیتا ہے یعنی جو کوئی برائی کو اچھائی سمجھ کر اپنا تا ہے وہ تباہی کو گلے لگاتا ہے۔

[2] انسانی زندگی کی حقیقی قوت نورِ معرفت سے حاصل ہوتی ہے وہ دنیاوی حرص و ہوس سے نہیں۔

[3] جب کوئی انسان حرص و ہوس کے مرض میں مبتلا ہو کر حاصل کرنا چاہتا ہے تو پھر وہ انہی پر بھروسہ کرنے لگتا ہے۔

[4] حرص و ہوس کے مرض میں مبتلا انسان روحانی کمزوری کا شکار ہو کر آسمانی یعنی انعامات خداوندی سے محروم ہو جاتا ہے۔

[1]

آں غذائے خاصگانِ دوست است　　وہ غذا ہے بندہ گانِ ناب کی
خور دنِ آں بےگُلو و آلت است　　جن کو کچھ حاجت نہیں اسباب کی

[2]

شد غذائے آفتاب از نورِ عرش　　عرش کے انوار سورج کی غذا
مرحسود و دیو را از دود فرش　　اور شیاطیں کی غذا دودِ سیاہ

در شہیداں یُرزَقُو فرمود حق　　قولِ حق ہے رزق پاتے ہیں شہید
آں غذا رانے وہاں بُدنے طبق　　بے دَھن بے کاب کھاتے ہیں شہید

[3]

دل زہر یارے غذائے می خورد　　دل کو اہلِ دل سے ملتی ہے غذا
دل زہر علمے صفائے می بُرد　　اہلِ عرفاں سے وہ پاتا ہے جِلا

از لقائے ہر کسے چیزے خوری　　ہر کسی سے مل کے کچھ پاتا ہے تو
وز قِرانِ ہر قریں چیزے بری　　مل کے ہر ساتھی سے کچھ لاتا ہے تو

[4]

چوں ستارہ با ستارہ شد قریں　　اک ستارہ جب بھی دوجے سے ملا
لائق ہر دو اثر زاید یقیں　　مل کے دونوں کا اثر بھی بڑھ گیا

از قِرانِ مرد وزن زاید بشر　　مرد و زن سے ہی بشر پیدا ہوا
وز قِرانِ سنگ و آہن ہم شرر　　سنگ و آہن سے شرر پیدا ہوا

[1] آسمانی غذا اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندوں کی غذا ہے جس کے کھانے کیلئے عالم ناسوت کے وسائل کی ضرورت نہیں۔ آسمانی غذا سے مراد روحانی غذا ہے جو زہد وتقوٰی سے حاصل ہوتی ہے۔ [2] سورج سے مراد نیک بندگان خدا اور شیطان سے مراد بدکار انسان [3] دل کی حقیقی غذا معرفت الٰہی ہے اور یہ غذا اسے اہل دل سے ہی ملتی ہے [4] اب مولانا کچھ اور مثالیں پیش فرماتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر چیز کسی دوسری چیز سے مل کر غذا اور تقویت حاصل کرتی ہے۔

و ز قِرانِ خاک با با رانہا	خاک اور بارش کے ملنے سے سدا
میوہ ہا و سبزہ ہا ریحانہا	پھول مہکے پھل ہوئے سبزہ کھلا
وز قِرانِ سبز ہا با آدمی	اور انسان سبزہ و گل دیکھ کر
دل خوشی و بے غمی و خرمی	بے غم و مسرور آتا ہے نظر
خلق را طاق وطرم عاریت است	ہے یہاں کی شان وشوکت عارضی
اَمر را طاق وطرم ماہیت است	علم و عرفاں کی جلا ہے دائمی
اَز پے طاق وطرم خواری کشند	ذلتیں سہتے ہیں شوکت کے لئے
بَر امیدِ عِزّ در خواری خوشند	خوش ہیں وہ ذلت میں شوکت کے لئے
بر امید عز دہ روزہ خدوک	چند روزہ شان کی امید پر
گردن خود کردہ اندازغم چو دوک	ہیں دو تا تکلے کی صورت بے خبر
چوں نمی آیند ایں جا کر منم	میں جہاں ہوں اِس جگہ آئیں شتاب
کاندریں عز آفتاب روشنم	میں ہوں عزت کا چمکتا آفتاب
مشرقِ خورشید برق قیر گوں	شرق تو سورج کا ہے برج سیاہ
آفتاب ما ز مشرقہا بروں	میرا سورج مشرقوں سے ماورا

۱؎ دنیا کی کشمکش اور عروج وزوال سے نجات پانے کے لئے معرفت خداوندی کے مقام پر جائیں جہاں نورالٰہی کا آفتاب ہمیشہ چمکتا رہتا ہے۔ ۲؎ دنیاوی سورج تو مشرق سے نکل کر مغرب میں غروب ہوجاتا ہے لیکن ذات باری کا سورج شرق وغرب سے ماورا ہے۔اس کی چمک ذروں کو ایسا آفتاب بنادیتی ہے جو طلوع وغروب سے بےنیاز ہوتے ہیں۔

مشرق او نسبتِ ذراتِ او ۱	ذروں سے نسبت ہے اس کی شرق ساز
نے برآمد نے فروشد ذاتِ او	وہ ابھرنے ڈوبنے سے بے نیاز
ما کہ واپس ماندہ ذراتِ ویم	ہم جو اس کے ذروں کے پسماندہ ہیں
در دو عالم آفتاب بے فیم	دونوں عالم میں سدا تابندہ ہیں
۲	
باز گردِ شمس می گردم عجب	پھر بھی اس کے گرد ہی رقصاں ہیں ہم
ہم ز فرِّ شمس باشد ایں سبب	یہ بھی اس سورج کی ہے شان کرم
۳	
شمس باشد بر سببہا مطلع	ہر سبب سے ہے وہ سورج باخبر
ہم از وحبل سببہا منقطع	ہر سبب مٹتا ہے اس کے حکم پر
۴	
صد ہزاروں بار ببریدیم امید	ترک کیں اس سے امیدیں بارہا
از کہ از شمس شما باور کنید	کس سے؟ سورج سے یقیں کیجئے مرا
تو مرا باور مکن کز آفتاب	مان لیجئے زندگی پی کے بغیر
مہر دارم من و یا ماہی زآب	جس طرح مچھلی ہو پانی کے بغیر
۶	
ور شوم نومید نومیدیِ من	میں اگر مایوس ہوتا ہوں کبھی
عین صنعِ آفتاب است اے حسن	مجھ کو مایوسی بھی ہے اس نے ہی دی

۱ اولیاء اللہ جو ذات باری کے جلووں سے کسب نور کرتے ہیں دونوں عالموں میں مثل آفتاب درخشاں ہیں۔ ۲ صاحب دل حامل نور ہونے کے باوجود اس آفتاب کا طواف کرتے ہیں طواف اور تقرب کی یہ قوت بھی اسی آفتاب حق کی عطا کردہ ہے۔ ۳ آفتاب حق کے گرد گردش جو اس کے تقرب کا سبب ہے خود اسی کی عطا کردہ ہے جس طرح نتائج قبضہ قدرت میں ہیں اسی طرح اسباب بھی قبضہ قدرت میں ہیں۔ ۴ ذات باری تک پہنچنے کی راہ میں کئی بار مایوسیاں بھی ہوئیں۔ ۵ لیکن یہ مایوسی ترک سعی کا سبب نہیں تھی مایوس ہوکر صبر کرکے بیٹھ جاؤں یہ بھی ممکن نہیں بھلا مچھلی پانی کے بغیر کیسے زندہ رہ سکتی ہے ۶ میری مایوسی بھی خدائے بزرگ و برتر کی عطا کردہ ہوتی ہے اور چونکہ یہ اس کی داد ہے لہٰذا یہ ذات باری سے تعلق کو مزید استوار کرتی ہے اس لئے کہ انسان مایوسی میں اسی سے ملتجی ہوتا ہے۔

یارِ حقیقی

[۱]

گر ز تنہاء چو ناہیدے شوی　　تم کہ تنہائی میں ہو زہرہ تاب
زیرِ ظلِ یار خورشیدے شوی　　یار کے سائے میں ہو گے آفتاب

[۲]

رو بجُو یارِ خدائے را کہ زُود　　ہاں اُسے ڈھونڈو جو ہے یارِ خدا
چوں چناں کردی خدا یارے تو بود　　یہ کیا تو پھر خدا ہو گا ترا

[۳]

یار آئینہ ست جاں را در حزن　　یار غم میں آئینہ ہے روح کا
در رُخِ آئینہ اے جاں دم مزن　　آئینہ پر پھونکنا ہے ناروا

تانپو شد روئے خود را از دمت　　تو نے دم مارا تو وہ دھندلائے گا
دم فرو بردن بباید کز دمت　　اس لئے اچھا نہیں دم مارنا

کم ز خاکی! چونکہ خاکے یار یافت　　کم ہو کیا مٹی سے؟ جس نے پا لیا
از بہارے صد ہزار انوار یافت　　یار کو اور فصلِ گل حاصل کیا

آئینہ دل چوں شود صافی و پاک　　صاف ہو یہ دل کا آئینہ اگر
نقشہا بینی بُروں از آب و خاک　　نقشِ آفاقی بھی آئیں گے نظر

۱ پیر کامل کی صحبت تنہائی کی عبادت سے زیادہ فیض رساں ہے۔
۲ اہل اللہ کو تلاش کر اور ان کی صحبت سے فیضیاب ہو۔ ان کی صحبت ہی قرب الٰہی کا سبب ہے۔
۳ شیخ کامل روح کا آئینہ ہوتا ہے۔ اس کے سامنے دم مارنا یعنی اپنی بڑائی کرنا اچھا نہیں بلکہ اس کی صحبت سے استفادہ کرنا چاہئے۔
۴ مٹی اپنی عاجزی کی بدولت فصلِ بہار سے فائدہ حاصل کرتی ہے اور طرح طرح کے پھول اگاتی ہے۔ تمہیں بھی شیخ کے حضور عجز و نیاز سے کام لے کر معرفت کے پھول چننا چاہئے۔

ہم بہ بینی نقش و ہم نقاش را — جلوہ گر ہو نقش بھی نقاش بھی
فرش دولت را و ہم فراش را — دیکھ پائیں فرش بھی فراش بھی

۱

چوں خلیل آمد خیالِ یارِ من — ہے خلیل اللہ خیالِ یار بھی
صورتش بت معنیٔ او بت شکن — بت شکن ہے یہ بتِ طنّاز بھی

۲

شکرِ یزداں را کہ چوں اُوشد پدید — شکر ہے جب بھی کیا اُس کا خیال
در خیالِ اُو خیالِ حق رسید — اُس میں پایا جلوہ گر حق کا جمال

شکرِ معطی را کہ چوں او در رسید — شکر حق جب بھی کیا اُس کا خیال
در خیالش جاں خیالِ خود بدید — اُس میں دیکھا جاں نے خود اپنا خیال

خاکِ درگاہت دلم را می فریفت — میں ہوں شیدا تیرے در کی خاک کا
خاک بروئے کوز خاکت می شکیفت — خاک ہو اِس خاک سے جو ہے جدا

چارہ آں باشد کہ خود را بنگریم — آؤ دیکھیں اک نظر اپنے تئیں
در خورِ آینم و یا نادر خوریم — ہم بھلا ہیں اس کے لائق یا نہیں

اُو جمیل است و یُحِبُّ لِلْجَمال — وحسیں ہے حسن ہے اس کی پسند
کے جوانِ نو گزیند پیرہ زال — کب جواں کو پیر زن ہو گی پسند

۱ خیال یار خلیل اللہ کی طرح ہے جنہوں نے ستارہ کو دیکھا تو کہا "ھذا ربی" یہ میرا رب ہے۔ یہ جملہ ایک مدعا تھا جو بظاہر بت پرستی تھی لیکن درأصل اس کا اثبات اس کے ابطال کیلئے تھا جو بت شکنی تھی اس لئے شیخ کا تصور بظاہر بت پرستی ہے لیکن انسان چونکہ اس تصور سے یادِ حق میں محو ہو جاتا ہے اس لئے یہ بت پرستی نہیں بلکہ بت شکنی ہے۔ اس خیال کی وضاحت اگلے شعر میں ہو جاتی ہے۔

۲ پیر کامل کے تصور نے ہمارے دل و دماغ سے دنیاوی تصورات کو محو کر دیا اور ہم یادِ الٰہی میں کھو گئے۔ اس طرح ہمیں نفس کو پہچان کر اور مغلوب کر کے معرفت الٰہی حاصل ہوئی۔ ارشاد ہے "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے خدا کو پہچان لیا۔

۱

خوب خوبی را کند جذب ایں بداں
طیّبات و طیبین بر وے بخواں

خوب خوبی کو ہی چاہے گا سدا
طیبات و طیبین کو پڑھ ذرا

در ہر آں چیزے کہ تو ناظر شوی
می کند با جنس سیر اے معنوی

اس جہاں کو غور سے دیکھے اگر
ہم صفت ہوں گے ہمیشہ ہمسفر

در جہاں ہر چیز چیزے جذب کرد
گرم گرمی را کشید و سرد سرد

یاں ہر اک شے دوسری شے سے ملے
گرم سے گرمی تو سردی سرد سے

۲

قسمِ باطل باطلاں را می کشند
باقیاں از باقیاں ہم سر خوشند

باطلوں کو باطلوں میں ہے کشش
باقیوں کی باقیوں میں ہے کشش

ناریاں مر ناریاں را جاذِب اند
نوریاں مر نوریاں را طلب اند

ناریوں کی ناریوں میں ہے کشش
نوریوں کی نوریوں میں ہے کشش

صاف را ہم صافیاں راغب شوند
دزد را ہم تیر گاں جاذب بوند

صاف دل کو صاف دل سے لگن
تیرہ دل کا گندگی سے ہے ملن

زنگ را ہم زنگیاں باشند یار
روم را با رومیاں افتاد کار

زنگیوں کا زنگیوں سے ہے ملاپ
رومیوں کا رومیوں سے ہے ملاپ

۱ قرآن حکیم میں ہے "الطیبات للطیبین" یعنی پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لئے ہیں۔

۲ اہل دل اور اہل ہدایت اپنے جیسے اہل صفات میں ہی کشش پاتے ہیں۔

او چو می خواند مرا من بنگرم مجھ پہ وہ ہوتا ہے جب بھی مہرباں
لائقِ جذبم و یا بد پیکرم سوچتا ہوں میں کہاں اور وہ کہاں

[۱]

گر لطیفے زشت را در پے کند خوب رو کا زشت رُو کو ڈھونڈنا
تسخرے باشد کہ اُو بر وے کند اور کیا ہو گا تمسخر کے سوا

[۲]

کے ببینم روئے خود را اے عجب کیسے دیکھوں اپنی صورت کو بھلا
تاچہ رنگم ہمچو روزم یا چو شب رنگ ہے پر نور یا شبگوں مرا

[۳]

نقشِ جان خویش می جستم بسے دیکھ لوں خود کو بہت کی جستجو
ہیچ می ننمود نقشم از کسے بر نہ آئی حیف میری آرزو

گفتم آخر آئینہ از بہر چیست کیوں نہ دیکھوں آئینہ، آیا خیال
تا بداند ہر کسے کہ جنس کیست جس میں آتا ہے نظر اپنا جمال

[۴]

آئینہ آہن برائے پوستہاست آئینہ تن کے واسطے
آئینہ سیمائے جاں سنگیں بہاست وہ گراں ہے جو ہے من کے واسطے

آئینہ جاں نیست الا روئے یار من کا آئینہ تو ہے وہ روئے یار
روئے آں یارے کہ باشد زاں دیار نورِ حق رہتا ہے جس میں جلوہ بار

[۱] جب یہ طے ہے کہ ہم جنس ہم جنس کا طالب ہوتا ہے یعنی اچھا اچھے کو پسند کرتا ہے اور برا برے کو تو پھر مقام حیرت ہے کہ کوئی حسین کسی بد صورت کو تلاش کرے۔ یہ بات تو محض مذاق ہوگی لیکن سچ تو یہ ہے کہ رب غفور رحیم کی بخششوں کو ہمیشہ گناہگاروں کی تلاش رہتی ہے۔

[۲] انسان اپنی صورت نہیں دیکھ سکتا تاوقتیکہ کوئی آئینہ نہ ہو جس میں وہ اپنے رنگ اور نقش و نگار کو دیکھ سکے۔

[۳] جب لاکھ کوشش کے باوجود اپنے آپ کو دیکھنا یعنی اپنی اچھائی اور برائی کو پہچاننا ممکن نہ ہوا تو پھر کسی آئینہ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

[۴] یہ مثل کہے ہوئے دنیاوی آئینہ میں انسان اپنی ظاہری صورت دیکھ سکتا ہے لیکن وہ آئینہ جس میں انسان کو اپنی باطنی صورت دکھائی دے بہت قیمتی اور کمیاب ہوتا ہے۔ یعنی اہل صفا کا مقام حاصل کرنے کیلئے بہت زیادہ مجاہدے اور ریاضت کی ضرورت ہوتی ہے۔

گفتم اے دل آئینہ کلّی بجو — ڈھونڈ اے دل اک مکمل آئینہ
رَو بدریا کار برنآید ز جُو — کیا ملے گا نہر سے دریا پہ جا

۲

دیدۂ تو چوں دلم را دیدہ شد — جب ہوا دل نور تیرے نور سے
صد دلِ نا دیدہ غرقِ دیدہ شد — سینکڑوں بے نور دل نوری ہوئے

حرف راز

چوں ندارد کس غمِ تو ممتحن — جب نہیں کوئی بھی تیرا غمگسار
خویش کارِ خویش باید ساختن — بار غم خود ہی اٹھا اے ہوشیار

آدمی خوارند اغلب مرداں — اہل دنیا میں ہیں اکثر خون خوار
از سلام اعلیک شاں کم جو اماں — ان کی باتوں پر نہ کرنا اعتبار

خانۂ دیو ست دلہائے ہمہ — ان کے دل آباد ہیں شیطان سے
کم پذیر از دیو مردم دَمدمہ — دھوکا مت کھانا کہیں شیطان سے

از دمِ دیو آنچہ اُو لاحول خورد — جس کو بھی شیطان دھوکا دے گیا
ہمچو آں خَر در سر آید در نبرد — زندگی میں مثلِ خَر اوندھا گرا

عشوہ ہائے یار بد نیوش ہیں — فتنہ گر یاروں کی باتوں میں نہ آ
دام ہیں ایمن مرد تو بر زمیں — دیکھ کر چل جال ہے پھیلا ہوا

۱ نیم پختہ رہنماؤں کی بجائے کیوں نہ مرشدِ کامل کی جستجو کی جائے اور اس کی صحبت سے فیض حاصل کیا جائے۔ بلاشبہ نہر کے مقابلے میں دریا زیادہ پر آب اور وسیع ہوتا ہے۔

۲ جب میرا دل تیرے نور سے منور ہو گیا تو گویا نورِ معرفت سے محروم سینکڑوں دل پرنور ہو گئے۔

۱

دم دہد گوید ترا اے جانِ دوست
تا چو قصابے کشد از گوشت پوست

گو بظاہر جان جاں کہتے ہیں دوست
ہیں قصائی کھینچ لیں گے تیرا پوست

۲

ہچو شیراں صیدکن را خویش کن
ترک عشوہ اجنبی و خویش کن

شیر بن اپنے لیے خود صید لا
غیر کے یا اپنے دھوکے میں نہ آ

ہچو خادم داں مراعاتِ خساں
بیکسی بہتر ز عشوہ ناکساں

ہیچ ہے کم ظرف کا احسان بھی
اس کی خوشنودی سے بہتر بیکسی

۳

در زمینِ مرداں خانہ مکن
کار خود کن کار بیگانہ مکن

غیر کا احسان لینا چھوڑ دے
کام اپنا کر پرایا چھوڑ دے

۴

کیست بیگانہ تن خاکی تو
کز برائے اوست غمناگی تو

ہے پرایا یہ تن خاکی ترا
بھول جا تو اس کے غم کو بھول جا

۵

تا تو تن را چرب و شیریں می دہی
جوہر جاں را نہ بینی فربہی

تو کرے گا تن کی جتنی دیکھ بھال
ہو گی تیری روح اتنی خستہ حال

۱ فلاح ونجات کیلئے جہد وتقویٰ سے کام لینا ہوگا۔ غیر پر بھروسہ کرنا یا کسی قسم کی خود فریبی میں مبتلا ہونا مناسب نہیں۔

۲ کسی کم ظرف کا احسان لینے سے بہتر ہے کہ انسان بیکسی اور مشکلات برداشت کر لے اس لئے کہ کم ظرف انسان صحیح رہنمائی کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔

۳ کوئی مقام ومرتبہ یا منزل حاصل کرنے کیلئے ذاتی جدوجہد ضروری ہے۔

۴ یہ تن خاکی بھی تیرا اپنا نہیں بالآخر تیرا ساتھ چھوڑ دے گا اور اپنی اصل یعنی خاک سے جا ملیگا۔ اس لئے اس کی خاطر اس کے خالق کی یاد سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔

۵ انسان تن کی پرورش کیلئے جتنی مشقت کرے گا اور خواہشات دنیاوی کیلئے جتنی محنت کرے گا اس کی توجہ روحانی معاملات پر اتنی ہی کم ہوگی۔

۱

گر میانِ مشک تن را جا شود — تن مہک میں غرق تھا سب زندگی روز
روزِ مردن گندِ اُو پیدا شوند — موت آئی تو مہک جاتی رہی

۲

مشک را برتن مزن بردل بمال — چھوڑ تن کو مشک سے دل کو نکھار
مشک چہ بود نامِ پاکِ ذوالجلال — مشک کیا ہے ذکر و یاد کردگار

۳

آں منافق مُشک برتن می نہد — جب منافق مشک کو تن پر لگائے
روح را در قعرِ گلخن می نہد — روح کو دوزخ کا وہ ایندھن بنائے

۴

بَرزباں نامِ حق و درِ جانِ اُو — گو خدا کا نام ہے وردِ زباں
گندہا از کفرِ بے ایمانِ اُو — روح میں ہیں کفر کی ناپاکیاں

طیّبات آمد برائے طیّبیں — پاک چیزیں پاکبازوں کیلئے
لِلخبیثات الخبیثین ست ہیں — اور بری چیزیں بروں کے واسطے

تلخ با تلخاں یقیں ملحق شود — تلخ تلخوں سے بہم ہو جائے ہیں
کے دم باطل قرینِ حق شود — حق و باطل کب بھلا مل پائے ہیں

۱ انسان کا تن جو ساری زندگی آرام و آسائش کا عادی رہا جب موت آئی تو سب کچھ چھوٹ گیا۔ ۲ مولانا فرماتے ہیں کہ تن کی پرورش کو چھوڑ کر یادِ الٰہی کی مہک سے دل کو پُربہار بنا۔ ۳ جب کوئی منافق انسان ریاکاری کیلئے یادِ الٰہی اور ذکرِ خدا میں مشغول ہوتا ہے تو وہ ثواب کی بجائے عذاب حاصل کرتا ہے۔ ۴ اگرچہ منافق کی زبان پر ہمہ وقت ذکرِ خدا رہتا ہے لیکن یہ دکھاوے کیلئے ہے در حقیقت اس کا دل یادِ خدا کی بجائے دنیاوی خیالات سے لبریز ہوتا ہے۔ ۵ برے بروں کے ساتھ مل سکتے ہیں اس لئے کہ ان کی خاصیتیں ایک جیسی ہیں لیکن حق و باطل جو متضاد صفات ہیں ان کا ایک ساتھ رہنا محال ہے۔

اے خدائے ذوالجلال

یَا اِلٰہِی شَکَرتُ اَبصَارُنَا — اے خدا مستی میں غلطاں ہے نظر
فَاعفُ عَنَّا اَثقَلَتْ اَو زَارُنَا — ہم گناہوں میں دبے ہیں معاف کر

یَا خَفِیًّا قَد مَلَاتَ الخَافِقِین — تو نہاں قدرت تری ہر سو عیاں
قَد عَلَوتَ فَوقَ نُورِ المُشرِقَین — نور تیرا سب سے بڑھ کر ضوفشاں

اَنتَ سِرٌّ کَاشِفٌ اَسرَارَنَا — راز بھی تو کاشفِ اسرار بھی
اَنتَ فَجرٌ مُفَجِّرٌ اَنھَارَنَا — تجھ سے روشن صبح، رواں انہار بھی

یَا خَفِیَّ الذَّاتِ مَحسُوسَ العَطَا — تو خفی ظاہر ہیں تیرے التفات
اَنتَ کَالمَاءِ وَ نَحنُ کَالرَّحَا — تو ہے پانی ہم ہیں پن چکی کے پاٹ

اَنتَ کَالرِّیحِ وَ نَحنُ کَالغُبَار — تو ہوا ہے اور ہم گرد و غبار
تَختَفِی الرِّیحُ و نجراہ جِھَار — وہ ہے غائب اور یہ ہے آشکار

[1]
تو بہاری ما چو باغ سبز و خوش — تو بہار جاوداں ہم گلستاں
او نہان و آشکارا بخشش — وہ نہاں اس کی عطا سب پر عیاں

[1] حدیث شریف میں ہے "تفکروا فی الاء اللہ ولا تفکروا فی ذاتہ" یعنی اس کی عطا کردہ نعمتوں پر غور کیا کرو اس کی ذات کے بارے میں غور نہ کرو۔ وہ نہاں ہے اور اس کی نعمتیں عیاں۔

۱

تو چو جانے ما مثالِ دست و پا — تو ہے جاں اور ہم ہیں جیسے دست و پا
قبض و بسطِ دست از جاں شد روا — جاں کے دم سے ہی چلن ہے ہاتھ کا

تو چو عقلی ماں مثالِ ایں زباں — عقل ہے تو اور ہم مثلِ زباں
ایں زبانِ از عقل دارد ایں بیاں — عقل ہی سے ہیں زباں کے سب بیاں

۲

تو مثالِ شادی و ما خندہ ایم — تو خوشی ہے اور ہم اس کا اثر
کہ نتیجہ شادیِ فرخندہ ایم — ہم خوشی کی برکتوں کا ہیں ثمر

جنبشِ ما ہردمے خود شاہد ست — زندگی کے زیر و بم اس کے گواہ
کو گواہ ذوالجلالِ سرمد ست — قائم و دائم کی عظمت کے گواہ

۳

اے بروں از وہم و قال وقیلِ من — تو کہ ہے وہم و گماں سے دور تر
خاک بر فرقِ من و تمثیلِ من — خاک میرے سر پہ اور تمثیل پر

۴

بندہ نشکیبد ز تصویرِ خوشت — وہ تصور سے سکوں پائے کہاں
ہر دمے گوید کہ جانم مفرشت — جو کہے ہو فرشِ راہ یہ میری جاں

۵

ہمچو آں چوپاں کہ می گفت اے خدا — اُس گڈریے کی طرح جس نے کہا
پیش چوپانِ محبّ خود بیا — اس محبت کے سامنے آ اے خدا

۱ روح مخفی ہے لیکن ہاتھ پاؤں جو روح کی بدولت متحرک ہوتے ہیں ظاہر ہیں اسی طرح ذات ایزدی نظر نہیں آتی لیکن ہم جو دکھائی دیتے ہیں اسی کی وجہ سے متحرک ہیں۔ ۲ جس طرح مسکراہٹ خوشی کا نتیجہ ہوتی ہے جو دکھائی دیتی ہے اور خوشی نظر نہیں آتی۔ اسی طرح ہم سب ذات حق کی شان کے مظہر ہیں۔ ۳ ذات باری وہم و گماں سے بالاتر ہے لہٰذا اس کی مثال دینا کارلا حاصل ہے۔ ۴ تاہم انسان محض تصور پر اکتفا نہیں کرتا اور مزید وضاحت چاہتا ہے۔ جس کے تجسس کی تشفی کیلئے عملی زندگی کی مثالیں دینا ایک مجبوری ہے۔ ۵ یہ اشارہ اس گڈریے کی طرف ہے جس نے فرطِ محبت سے ذات باری کے حضور عرض کیا کہ کون ہوگا جو تمہارے سر کے بالوں سے جوئیں نکالتا ہوگا اور کون ہوگا جو تمہارے پھٹے ہوئے کپڑے اور جوتے سیتا ہوگا۔ اس لئے اے خدا میرے پاس آ کہ میں جو تیرا اچھا چاہنے والا ہوں یہ سب کچھ کروں۔

تا شپش جویم من از پیراہنت — تا کہ کپڑوں سے ترے جوئیں چنوں
چارقت دوزم بوسم دامنت — چوم لوں دامن ترا جوتے سیوں

کس نبودش در ہوا و عشق جفت — عاشقی میں کوئی اس جیسا نہ تھا
لیک قاصر بود ار تسبیح و گفت — گو کہ ذکر و فکر میں کوتاہ تھا

عشق او خرگاہ بر گردوں زدہ — عشق اس کا تھا فلک پر برفشاں
جاں سگِ خرگاہ آں چوپاہ شدہ — جان کتے کی طرح تھی پاسباں

اے خدا

زیرِ دستِ تو سرم را راحتے ست — وجہ راحت ہے ترا دست کرم
دست تو در شکر بخشی آیتے ست — خوان نعمت ہے ترا دست کرم

۳

سایۂ خود از سرِ من بر مدار — میرے سر سے اپنا سایہ مت ہٹا
بے قرارم بے قرارم بے قرار — میں ہوں بے حد بے قرار و مبتلا

خوابہا بیزار شد از چشمِ من — نیند سے محروم ہیں آنکھیں مری
در غمت اے رشکِ سرو و یاسمن — رشکِ لالہ دیکھ فرقت میں تری

۱ مولانا فرماتے ہیں کہ گو اس گڈریے کی تعبیر غلط تھی لیکن اس کا عشق بے مثال تھا۔
۲ اس کے عشق کا مقام عالم بالا تھا اور اس کی جان جیسی معزز چیز اس کے مقام عشق کی پاسباں تھی۔
۳ اے خدا میرے سر سے اپنا سایہ نہ ہٹا۔ میں بے قرار ہوں۔ میں اگرچہ نالائق ہوں لیکن ایک نالائق پر کرم کرنے سے تیرے ہاں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

گر نیم لائق چہ باشد گر دے
نا سزائے را پرسی در غمے

گو میں اس لائق نہیں پر کیا ہوا
پوچھ لو گر حال غم نا چیز کا

مرعدم را خود چہ استحقاق بود
کہ بر و لطفت چنیں در ہا کشود

تو نے ہی اپنے کرم سے اے خدا
میں عدم میں تھا مجھے پیدا کیا

۱

خاکِ گر گیں را کرم آسیب کرد
دہ گہر از نورِ حس در جیب کرد

خاک جو ناپاک تھی ارفع ہوئی
جس کے دس پُر نور موتی پا گئی

۲

پنج حسِ ظاہر وپنج نہاں
کہ بشر شد نطفۂ مردہ ازاں

پانچ ظاہر پانچ باطن کے ملے
نطفۂ مردہ سے پھر انسان بنے

توبہ بے توفیقت اے نورِ بلند
چیست جز بر ریشِ توبہ ریشخند

تیری شفقت ہو تو پھر توبہ مری
پر اثر ہے ورنہ ہے شرمندگی

چونکہ بے تو نیست کارم را نظام
بے تو ہرگز کار کے گردو تمام

تم نہ ہو تو زندگی ہے بے نظام
جز ترے کب ہے مکمل کوئی کام

۳

چوں گریز زانکہ بے تو زندہ نیست
بے خدا وندیت بودِ بندہ نیست

کیسے چھوڑوں تجھ کو تجھ سے ہے نمود
تجھ سے اے آقا ہے بندے کا وجود

۱ اللہ تعالیٰ نے خاک کو دس حواس عطا کیے۔
۲ نطفہ جو بے جان چیز تھا اسے پانچ ظاہری پانچ باطنی حواس بخشے اور اس سے انسان پیدا ہوا۔
۳ اے خدا میں تجھے کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ تیرے ہی دم سے کاروبارِ حیات چلتا ہے اور زندگی برقرار ہے۔

جانِ من بستاں تو اے جاں را اصول — تو کہ جانِ جاں ہے میری لے لے جاں
زانکہ بے تو گشتہ ام از جاں ملول — تو نہیں تو پھر بلائے جہاں ہے جاں

عاشقم من بر فنِ دیوانگی — اب مجھے دیوانگی سے پیار ہے
سیرم از فرہنگی و فرزانگی — اب کسے ہوش و خرد درکار ہے

۱
جز کہ تسلیم و رضا کو چارۂ — جز اطاعت اب کوئی چارہ نہیں
در کفِ شیرِ نرے خونخوارۂ — شیر کے پنجے سے چھٹکارا نہیں

۲
اُو ندارد و خور چوں آفتاب — نیند اور کھانے سے وہ ہے بے نیاز
روحہا را می کند بےخورد و خواب — اور روحیں بھی ہیں ان سے بے نیاز

۳
کہ بیا من باش یا ہم خوئے من — مجھ میں کھو جا اور بن جا ہم خصال
تا بہ بینی در تجلی روئے من — دیکھ پائے تا کہ تو میرا جمال

ور ندیدی چوں چنیں شیدا شدی — گر نہ دیکھا تھا تو کیوں عاشق ہوئے
خاک بودی طالب اَحیا شدی — خاک تھے تم زیست کے طلب بنے

۴
گر زبے سویت نداوست اُوخلف — لا مکاں سے گر نہ کچھ پہنچا تو پھر
چشمِ جانت چوں بماندست آں طرف — تیری روح کس چیز کی ہے منتظر

۱ لنگڑے ہرن کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ اپنے آپ کو شیر کے حوالے کر دے۔
۲ وہ یعنی خداوند تعالیٰ خود بے نیاز ہے اس لئے روحوں کو بھی ان سے بے نیاز رہنا ہے۔
۳ حق تعالیٰ انسان سے فرماتا ہے کہ مجھ میں کھو جا یعنی میرے صفات کو اپنا لے تا کہ تو میرا مشاہدہ کر سکے۔
۴ روح کی غذا لامکاں سے حاصل ہوتی ہے اس لئے روح کی نظریں اسی طرف لگی رہتی ہیں یعنی روح کو تسکین دنیا سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دنیا فانی ہے اور روح لامکاں کی طرف لافانی۔

۱

گربہ بر سوراخ زاں شد معتکف — منتظر رہتی ہے بلی اُس جگہ
کہ ازاں سوراخ اُوشد معتلف — جس جگہ سے اُس کو ملتی ہے غذا

۲

گربہؑ دیگر ہمی گردد بہ بام — دوسری جو چھت پہ ہے محوِ خرام
کز شکار مرغ اُو یابد طعام — ہیں پرندے اس کا من بھاتا طعام

۳

آں یکے را قبلہ شد جولاہگی — اک کہیں جولاہے پن میں کھو گیا
واں یکے حارس برائے جاہگی — دوسرا دام و درم کا ہوگیا

۴

واں یکے بیکار و رو در لا مکاں — اور اک ہے لا مکاں کو دیکھتا
کہ ازاں سو دادیش تو قوتِ جاں — جس سے تو نے کی اُسے روزی عطا

۵

دیگراں چوں کودکاں ایں روز چند — دوسرے بچوں کی صورت چند روز
تا شبِ تر حال بازی می کنند — کھیل میں گم آخری دم تک ہنوز

۶

خواب نا کے چوں ز یقظہ می جہد — جاگتا ہے جب بھی کوئی محوِ خواب
دایہؑ وسواس عشوش می دہد — اس کو شیطاں تھپتھپاتا ہے شتاب

رَو بخسپ اے جاں کہ بگذاریم ما — اور کہتا ہے کہ سو جا اب کبھی
کہ کسے از خواب بجہاند ترا — دیکھئے کیسے جگاتا ہے کوئی

۱ مولانا عملی زندگی سے ایک سادہ سی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جس طرح بلی کو جس جگہ سے خوراک ملتی ہے وہ اسی جگہ بیٹھی خوراک کا انتظار کرتی ہے یعنی دور رس بھی اپنی غذا کیلئے لامکاں کی طرف دیکھتی ہے۔ ۲ دوسری بلی جو چھت پر ٹہل رہی ہے اسے وہیں پر خوراک حاصل ہوجاتی ہے یعنی ہر کسی کو اس کی مقرر کردہ جگہ سے خوراک حاصل ہوتی ہے یہی انتظام قدرت ہے۔ ۳ اسی طرح کوئی اپنا رزق جلاہا بن کر کماتا ہے اور کوئی مال و دولت میں گم ہوکر۔ ۴ جسے لامکاں سے روزی حاصل ہوتی ہے اس کی نظریں لامکاں پر لگی رہتی ہیں۔ ۵ جب کہ دنیا داری کے شیدائی حیات چندروزہ کو بچوں کی طرح کھیل کود میں گنوا دیتے ہیں۔ جس طرح بچوں کو کھیل کود میں کسی اور چیز کا خیال نہیں ہوتا اسی طرح ان لوگوں کو بھی دنیاوی مصروفیات میں آخرت کا خیال نہیں رہتا اور یاد خدا کو بھلا دیتے ہیں۔ ۶ لیکن اگر کوئی دنیا کی خواب غفلت سے بیدار ہوکر یاد الٰہی کی طرف متوجہ ہونا چاہتا ہے تو شیطان اسے فوراً بہلا پھسلا کر پھر سلا دیتا ہے یعنی پھر دنیاوی لہو و لعب میں مصروف کر دیتا ہے۔

رسوانہ کر

من دعاہا کردہ ام زیں آرزو　　اس غرض سے کی ہے یا رب ہر دعا
واقعہ ما را نداند غیرِ تو　　تو ہی واقف ہے مرے احوال کا

در دلِ من تو دعا انداختی　　تو نے ہی بخشے ہیں یہ حرف دعا
صد اُمید اندر دلم افراختی　　اور امیدیں بھی کیں دل کو عطا

کور از خلقان طمع دارد زِ جہل　　اندھے ناداں کو ہے انسانوں پہ ناز
من زِ تو کزتست ہر دشوار سہل　　مجھ کو ہے تجھ پر کہ تو ہے کارساز

تو کہ بینائی زِ کورانم مدار　　تم ہو بینا مجھ کو بھی بینا رکھو
دائم برگردِ لطفت اے مدار　　اے کرم والے کرم کرتے رہو

کاے خدا ایں بندہ را رسوا مکن　　تیرا بندہ ہوں مجھے رسوا نہ کر
گر بدم ہم سِرِّ من پیدا مکُن　　گو بُرا ہوں راز تو افشا نہ کر

[1] وہ انسان جو لوگوں کی امداد پر بھروسہ کرتے ہیں اندھے اور نادان ہیں اس لئے کہ اہل دنیا تو خود اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں ان کی مدد پر بھروسہ کرنا نادانی اور حماقت ہے۔

حدیث شریف:

قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذاتقرب الناس الیٰ خالقھم باانواع البر فتقرب الیٰ اللّٰہ بالعقل والسر تسبقھم باالدرجات والذالفیٰ عند الناس فی الدنیا و عند اللّٰہ فی الآخرۃ۔

وصیت کردنِ رسول خدا مر علیؓ را (رسولِ خدا کا حضرت علیؓ کو وصیت کرنا)

گفت پیغمبر علیؓ را کاے علیؓ — شاہ بطحٰی نے کہا سن اے علیؓ
شیر حقی پہلوانی پُر دلی — تو ہے شیر حق بہادر مرد جری

لیک بر شیری مکن ہم اِعتمید — لیک شیری پہ نہ کرنا اعتبار
اندر آ در سایۂ نخلِ اُمید — سایۂ مرشد میں پاؤ گے قرار

ہر کسے گر طاعتے پیش آورند — دوسرے اپنی عبادت سے اگر
بہر قرب حضرتِ بیچون و چند — چاہتے ہوں قربت حق کا ثمر

تو تقرب جو بعقل و سِرّ خویش — عشق و عرفاں ہی سہارا ہو ترا
نے چواپشاں بر کمال و بَرّ خویش — ناز کیوں نیکی پہ ہو ان کی طرح

تو در آ در سایۂ آں عاقلے — رہنمائی ایسے مرد حق سے لے
کِش نتاند بُرد از راہ ناقلے — جس پر کوئی بھی نہ غالب آ سکے

بس تقرب جو بدو سوئے الٰہ — قرب حق کا واسطہ اس کو بنا
سر مپیچ از طاعتے اُو ہیچ گاہ — اس کی طاعت ہو سدا شیوہ ترا

زانکہ اُو ہر خار را گلشن کند — گل بنا دیتا ہے ہر کانٹے کو وہ
دیدۂ ہر کور را روشن کند — بخشتا ہے نور اندھی آنکھ کو

ظلِ اُو اندر زمیں چوں کوہ کاف   وہ زمیں پر مثل کوہ سایہ فگن
روحِ اُو سیمرغ عالی طواف   اس کی روح کی زد میں ہے چرخ کہن

دست گیر و بندۂ خاصِ اللہ   طالبوں پر لطف فرماتا ہے وہ
طالباں را می برد تا پیشگاہ   بار گاہِ حق میں پہنچاتا ہے وہ

گر بگو یم تا قیامت نعتِ اُو   گر کروں میں اس کی مدحت تا قیام[1]
ہیچ آں را غایت و مقطع مجُو   پھر بھی ہوگی میری کوشش ناتمام

در بشر روپوش گشت است آفتاب   ایک بشر میں مہر کامل ہے چھپا
فہم کن واللہ اَعلَم بالصّواب   اس سے واقف ہے فقط ذاتِ خدا

اے علیؓ از جملۂ طاعاتِ راہ   اے علیؓ حق کی اطاعت کے لئے
بر گزیں تو سایۂ خاصِ اِلٰہ   مردِ حق کی رہنمائی چاہیے

[1] قیام کے معنی ہیں اٹھنا یعنی روز قیامت جب تمام انسان دوبارہ زندہ ہوں گے۔

ہر کسے در طاعتے بگریختند   ڈھونڈتے ہیں سب اطاعت کی پناہ
خویشتن را مخلصے انگیختند   اور نجات و آشتی کی بارگاہ

تو برو در سایۂ عاقل گریز   ڈھونڈ تو بھی مردِ عرفاں کی پناہ
تا رہی زاں دُشمنِ پنہاں ستیز   ہے یہی شیطان سے بچنے کی راہ

از ہمہ طاعات اینت لائق ست   ہر اطاعت سے ہے یہ محبوب تر
سبق یابی بر ہر آں کو سابق ست   خوب ہے جو ہو گا اس سے خوب تر

[1]

چوں گرفتی پیر ہیں تسلیم شو   کہہ دیا مرشد جسے پھر اس کا بن
ہمچو موسیٰؑ زیرِ حکم خضرؑ رو   مثل موسیٰؑ سُن خضرؑ کا ہر سخن

صبر کن بر کارِ خضرؑ اے بے نفاق   خضرؑ کی ہر بات پر سر کو جھکا
تا نہ گوید خضرؑ رو ہذا فراق   وہ کہیں تم نے نہ یہ کہہ دے کہ جا

گرچہ کشتی بشکند تو دم مزن   چاہے کشتی کو ڈبو دے چپ رہو
گرچہ طفلے را کُشد تو غم مکُن   چاہے بچہ مار دے غم مت کرو

[2]

دستِ اُو را حق چو دستِ خویش خواند   قولِ حق "ہے ہاتھ اس کا میرا ہاتھ"
تا یَدُ اللہ فَوقَ اَیدِیہِم براند   اور "اس کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ"

[1] ان اشعار میں قرآن حکیم میں بیان کیے گئے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام وعدہ کرنے کے باوجود دوران سفر بار بار حضرت خضرؑ سے جو کام رونما ہوتے ہیں ان کی وجہ دریافت فرماتے ہیں۔ چنانچہ تیسری بار ایسا کرنے پر حضرت خضرؑ ان سے رفاقت ختم کر دیتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ جو واقعات دیکھنے میں آئے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے رونما ہوئے۔ [2] شجرہ رضوان کے نیچے جب آنحضورﷺ صحابہ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیعت لی تھی اس کے بارے میں قرآن کریم میں ہے کہ وہ نبی کا ہاتھ نہ تھا بلکہ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر تھا۔

ا

دستِ حق میراندش زندش کند   دست حق سے مر کے وہ زندہ ہوا
زندہ چہ بود جانِ پائندش کند   زندہ کیا ہے وہ تو پائندہ ہوا

۲

یار باید راہ تنہا مَرَو   یار کو ہمراہ لے تنہا نہ جا
از سرِ خود اندریں صحرا مشو   پُر خطر یہ دشت ہے تنہا نہ جا

ہر کہ تنہا نادر ایں رہ را بُرید   جس نے بھی یہ راہ تنہا طے کیا
ہم بعونِ ہمت مرداں رسید   مرد کامل سے ہی پایا حوصلہ

۳

دستِ پیراز غائباں کوتاہ نیست   غائبوں پر بھی عطا کا ہاتھ ہے
دستِ اُو جز قبضۂ اللہ نیست   ہاتھ مرشد کا خدا کا ہاتھ ہے

غائباں را چوں نوالہ می دہند   غائبوں پر جس کا ہے اتنا کرم
پیش مہماں تا چہ نعمتہا نہند   پائیں گے پھر ہمنشیں کتنا کرم

کو کسے کہ پیش شہ بندد کمر   وہ جو رہتا ہے سدا شہ کے حضور
با کسے کو ہست از بیرونِ در   اُس سے بہتر ہے کہ جو رہتا ہے دور

ا حضرت خضر نے جس بچے کو مارا وہ اس کی موت نہ تھی بلکہ اس کی حیات جاودانی تھی۔

۲ مولانا فرماتے ہیں کہ تلاش حق کے پرخطر سفر میں کسی مرد کامل کو ساتھ لے کر چلیں یعنی کسی شیخ کامل کو رہنما بنا۔

۳ مجاہدہ کی تکالیف اٹھائے بغیر تم آئینہ کی طرح پاک اور روشن نہیں بن سکتے۔ آئینہ بھی صیقل کی سختی کو برداشت کر کے روشن ہوتا ہے۔

فرق بسیار ست ناید در حساب	فرق ان کے درمیاں ہے بے حساب
آں ز اہلِ کشف وایں ز اہلِ حجاب	وہ ہیں اہل کشف یہ اہل حجاب
جہد آں کن تا رہے یابی دروں	اہل دل کی بزم میں ڈھونڈو سکوں
ورنہ مانی حلقہ وار از در بروں	مست رہو انجیر در بند کر بروں

[2]

چوں گزیدی پیر نازک دل مباش	پیر کا لازم ہے دل سے احترام
ست دریزندہ چو آب و گل مباش	مت بنو گارے کی صورت نرم و خام
زم گوید سخت گوید خوش بگیر	سن خوشی سے تلخ و شیریں جو کہے
تا کند بر جملہ میرانت امیر	میر میراں وہ بنا دے گا تجھے

[3]

وَر بہر زخمے تو پر کینہ شوی	گر ہوئے ہر دکھ پہ ناخوش تو بھلا
پس کجا بے صیقل آئینہ شوی	کیسے بن پاؤ گے روشن آئینہ

[1] جو مرشد کامل کے ساتھ رہتا ہو وہ اہل کشف ہے اور جو دور رہتا ہے علوم الٰہی کا کشف حاصل نہیں ہوتا اس لئے وہ اہل حجاب ہے۔

[2] اپنے مرشد سے وابستگی اور نسبت کو ہمیشہ پختہ رکھنا چاہئے اور کیچڑ کی طرح نرم اور گرنے والا نہیں ہونا چاہئے یعنی اپنی وفاداری کو کمزور ہونے سے بچانا چاہئے۔

[3] مجاہدہ کی تکالیف اٹھائے بغیر تم آئینہ کی طرح پاک اور روشن نہیں بن سکتے آئینہ بھی صیقل کی سختی کو برداشت کر کے روشن ہوتا ہے۔

تفسیر حدیث: مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ

(جو شخص اللہ کا ہو گیا، اللہ اس کا ہو گیا)

چوں شُدی من کَانَ لِلہ از وَلَہ　　　"صدق دل سے جب بھی تو میرا ہوا
من ترا باشم کہ کَانَ اللہ لَہٗ　　　"میں ہوا تیرا" ہے فرمان خدا

[1]

کہ تو ئی گویم ترا گاہے منم　　　دور ہوتا ہے من و تو کا حجاب
ہر چہ گویم آفتابے روشنم　　　جو بھی کہہ دوں میں ہوں روشن آفتاب

ہر کجا تابم زمشکات دمے　　　میں جہاں دم بھر کر نور افشاں ہوا
حل شد آنجا مشکلاتے عالمے　　　مٹ گئے غم اور اندھیرا چھٹ گیا

[2]

ہر کجا تاریکی آمد نا سزا　　　بے سبب چھائی جہاں بھی تیرگی
از فروغ ما بود شمس الضحیٰ　　　نور سے میرے فضا روشن ہوئی

ظلمتے را کافتابش برنداشت　　　جن اندھیروں پر تھا سورج بے اثر
از دمے ما گردو آں ظلمت چوچاشت　　　میرے دم سے بن گئے نور سحر

[1] اس حدیث شریف کی مزید تشریح کرتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ اور اللہ بندے کا ہو گیا تو پھر حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایسے بندے کو میں تو کہہ کر پکاروں یا میں کہہ کر پکاروں مقصد میری ذات ہی ہوتی ہے ایسی صورت میں من و تو کا حجاب ختم ہو جاتا ہے اور ذات باری سے قربت پیدا ہو جاتی ہے۔

[2] اس سے پہلے اور اس شعر میں مولانا یاد الٰہی کی افادیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب کسی دل میں ذات خداوندی کی تجلی رچ بس جاتی ہے وہاں سے تمام غم و تفکرات مٹ جاتے ہیں۔ تاریکی چھٹ جاتی ہے اور فضا منور ہو جاتی ہے۔ یعنی شمس الضحیٰ چاشت کے وقت کے سورج کو کہتے ہیں (یعنی ایک پہر کا سورج)۔

۱

آدمے را اُو بخویش اَسما نمود — حق سے آدم کو ملے سرِّ نہاں
دیگراں از آدم اسما می کشود — بن گئی آدم سے دنیا راز داں

۲

آب خواہ از جو بجُو یا از سُبُو — چاہے ندی چاہے پیالے سے پیئے
کیں سُبُو را ہم مدد باشد ز جُو — منبع تو ندی ہے پانی کے لئے

نور خواہ از مہہ طلب خواہی ز خور — روشنی ہو مہر کی یا ماہ کی
نور ماہ ہم زِ آفتاب ست اے پسر — ماہ میں بھی مہر کی ہے روشنی

۳

گفت طوبیٰ مَن رَانی مصطفٰی — طوبیٰ من رانی ہے قول مصطفٰی
وَالّذی یُبْصِرُ لِمَن وَجھی یَرَیٰ — وَالّذی یُبْصِرُ لِمَن وَجھی یَرَیٰ

۴

چوں چراغے نور شمع را کشید — جب دیا شمع سے پُر انوار ہے
ہر کہ دید آں را یقیں آں شمع دید — دید اس کی شمع کا دیدار ہے

۵

ہم چنیں تا صد چراغ از نقل شُد — منتقل جتنے دیوں میں ہو یہ نور
دیدنِ آخر لِقائے اصل بُد — آخری لَو اوّلیں ضَو کا ظہور

۱ حق تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو جو اسما سکھائے ان کے متعلق ہدایت کی کہ یہ دوسروں کو بھی سکھائیں چنانچہ نسل انسانی کو حضرت آدمؑ سے جو اسرار حاصل ہوئے وہ اللہ تعالیٰ کے ہی بتائے ہوئے تھے یعنی ہمیں اللہ تعالیٰ سے ہی بالواسطہ حاصل ہوئے۔ ۲ انسان پانی چاہے ندی سے پیئے یا پیالے سے، پانی کا منبع تو وہی ہے جہاں سے پانی ندی میں آتا ہے۔ ۳ حضورﷺ کی حدیث شریف ہے کہ خوشخبری ہے اس کیلئے جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والوں کو دیکھا۔ ۴ جب دیئے کی روشنی شمع سے حاصل ہوئی ہے تو پھر دیئے کے نور کو دیکھنا شمع کے نور کو دیکھنے کے مترادف ہے۔ ۵ شمع سے حاصل کیا ہوا نور کتنے ہی دیوں میں منتقل کیوں نہ ہو جائے آخری دیئے کی روشنی بھی شمع کے نور کا عکس ہوتا ہے۔

حدیث مبارک

لَیْسَ لِلْمَاضِیْنَ هَمُّ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا لَهُمْ حَسْرَتُ الْفَوْت

(جانے والوں کو موت کا غم نہیں ہے، ان کو فوت کی حسرت ہے)

[1]

راست فرمود آں سپہدارِ بشر — خوب ہے یہ قولِ شاہِ انس و جاں

کہ ہر آنکہ کرد از دنیا گذر — چھوڑ کر جاتا ہے جو بھی یہ جہاں

[2]

نیستش درد و دریغ و غبنِ موت — اُس کو مرنے کا نہیں ہوتا ملال

بلکہ ہستش صد دریغ از بہرِ فوت — بلکہ بے اعمال جینے کا ملال

لَیْسَ لِلْمَاضِیْنَ هَمَّ الْمَوْت گفت — "غم نہیں مرنے کا" فرمایا "ولے"

لیک شاں با حسرتِ فوت اند جفت — "غم ہے اچھے کام کرنے سے رہے"

[3]

کہ چرا قبلہ نکردم مرگ را — کیوں نہ سمجھا موت کو حاجت روا

مخزنِ ہر دولت و ہر برگ را — جو وسیلہ ہے وصالِ یار کا

قبلہ کردم من ہمہ عمر از حَوَل — زندگی بھر گمراہی میں گم رہے

آں خیالاتے کہ گم شد در اجل — ان خیالوں میں جو مرتے ہی مٹے

[1] یہ حدیث قرآن حکیم کی اس آیت کی ترجمان ہے جس میں کہا گیا ہے کہ کفار مرنے پر افسوس کریں گے کیونکہ انہیں معلوم ہوجائیگا کہ جسم فانی کا فوت ہوجانا قابل افسوس نہیں بلکہ لائق افسوس یہ بات ہے کہ انہوں نے بے عمل زندگی گزاری اور آخرت کیلئے کوئی نیکی نہیں کی۔

[2] مرنے والے کو جسم کے بےجان ہوجانے کے افسوس سے زیادہ اس چیز کا غم ہوگا کہ اس نے زندگی میں اچھے اعمال کی طرف توجہ نہیں دی جو سفرِ آخرت میں اس کیلئے زادِ راہ ہوتے۔ [3] مرنے والے کو اس بات کا رنج ہوگا کہ میں نے موت کی تیاری کیوں نہ کی اور اس کو خوش آمدید کہنے کیلئے تیار کیوں نہ ہوا اس لئے کہ موت تو محبوبِ حقیقی سے ملنے کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔

۱

حسرتِ آں مردگاں از مرگ نیست — موت کا ان کو نہیں ہے غم کوئی
زانست کاندر نقشہا کردیم ایست — غم ہے بے مقصد گزاری زندگی

۲

ماندیدیم ایں کہ ایں نقش ست وکف — یہ نہ دیکھا یہ ہے سب دریا کی جھاگ
کف ز دریا جنبد و یا بد علف — جھاگ کو دریا سے ہی لگتے ہیں بھاگ

۳

چونکہ بحر افگند کفہا را بہ بَر — جھاگ خشکی پر گری تو کھو گئی
رَو بگورستاں رواں کفہا نگر — دیکھ قبرستاں میں جا کر سو گئی

۴

پس بگو کو جنبش و جولانِ تاں — پھر تری جولانیاں کس کام کی
بحر افگند ست در بحرانِ تاں — جب سمندر ہے تغیر کا ولی

۵

تا بگو یندت بلب نے بل بحال — جھاگ کہتی ہے زباں حال سے
کہ ز دریا کن نہ از ما ایں سوال — مجھ سے کیوں دریا سے یہ سب پوچھئے

۱ اصل زندگی تو موت کے بعد عالم آخرت ہے۔ دنیاوی چیزیں تو محض بے جان تصاویر ہیں۔ ۲ ہم دنیاوی چیزوں کی سج دھج دیکھ کر یہ بھول گئے کہ ان کی حیثیت دریا پر تیرنے والی جھاگ کی سی ہے جو دریا کی روانی کی وجہ سے رواں دواں رہتی ہے۔ ۳ جھاگ جیسے ہی خشکی پر گرتی ہے وہ بے حرکت ہو کر معدوم ہو جاتی ہے۔ ۴ جب سمندر (ذات حق) ہی تیری موت و حیات پر قادر ہے تو پھر زندگی میں تیری جولانیاں بے کار ہیں۔ ۵ جھاگ کہے گی کہ ہماری ہست و بود تو دریا کی وجہ سے ہے اس لئے ہماری حقیقت حال کے متعلق دریا سے ہی پوچھئے۔ یعنی انسان اپنی زندگی اور اس کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں خود کچھ کہنے کے قابل نہیں۔ اس اسرار و رموز کے متعلق تو پروردگار عالم ہی سب جانتا ہے۔

۱

نقش چوں کف کے بجنبد بے زموج | جھاگ ہے اک نقش رقصاں موج پر
خاک بے بادے کجا آید بہ اوج | خاک اڑتی ہے ہوا سے اوج پر

۲

چوں غبارِ نقش دیدی باد بیں | جب غبارِ نقش دیکھا باد دیکھ
کف چو دیدی قلزمِ ایجاد بیں | جھاگ دیکھی قلزمِ ایجاد دیکھ

۳

ہیں بہ بیں کز تو نظر آید بکار | کر نظر پیدا کہ ہوگا کامراں
باقیت شحمے و لحمے پود و تار | ورنہ تیرا جسم تو ہے رائیگاں

شحمِ تو در شمعہا نفزود تاب | تیری چربی شمع کے قابل نہیں
لحمِ تو مخمور را نامد کباب | گوشت سے بھی تیرے کچھ حاصل نہیں

۴

درگداز ایں جملہ تن را دربصر | تن کو کردے سر بسر محوِ نظر
در نظر رَو در نظر رو در نظر | اے خوشا ہوجائے تو محوِ نظر محوِ نظر

۱ نقش یعنی عالم امکاں بحر وحدت کی موج کے بغیر کب حرکت میں آسکتا ہے۔ عالم امکاں کی حیثیت خاک جیسی ہے جو خداوندی کی ہوا کے بغیر اڑنے کے قابل نہیں یعنی سب کچھ احکام ایزدی کے تابع ہے۔ ۲ عالم امکاں دیکھا اب نظر توحیدی سے اس ہوا کو دیکھ جو اس غبار کو اوپر اڑاتی ہے۔ جھاگ دیکھنے کے بعد اب اس سمندر کو دیکھ جو جھاگ کے وجود کا باعث ہے۔ یعنی ذات پروردگار کو دیکھنے کی صلاحیت پیدا کر۔ ۳ انسان کا جسم گوشت پوست کا مرکب ہے جو روحانی مقامات حاصل کرنے کے قابل نہیں۔ اس مقصد کیلئے چشم بینا کی ضرورت ہے۔ جو نورِ حقیقی کو دیکھنے کی تاب لا سکے اور روحانی مدارج طے کرنے میں مددگار ہو۔

۴ نگاہ رسا حاصل کرنے کیلئے مجاہدہ اور ریاضت سے جسم کو تحلیل کر دے۔ یعنی تمام جسمانی خواہشات پر قابو پا کر اپنے جسم کو پگھلا دے اور نگاہ رسا کیلئے قربان کر دے۔ یہ تیری خوش نصیبی ہوگی اگر تم چشم بینا اور نگاہ رسا کیلئے کھو جاؤ۔

۱

یک نظر دو گز همی بیند ز راہ　　　دیکھتی ہے اک نظر تھوڑی سی راہ
یک نظر دو کون دید و روئے شاہ　　　اک نظر دونوں جہاں اور روئے شاہ

۲

درمیانِ ایں دو فرقِ بیشمار　　　فرق کس درجہ ہے اس کے درمیاں
سرمہ جو واللہ اعلم بالسرار　　　سرمہ ڈھونڈ و ذات حق ہے غیب داں

۳

چوں شنیدی شرحِ بحرِ نیستی　　　سن لی جب بحرِ عدم کی داستاں
کوش دائم تا دریں بحر ایستی　　　جہد پیہم کر کے رہ جاؤ وہاں

چونکہ اصلِ کارگاہ ایں نیستی ست　　　ہے عدم ہی کار گاہِ دائمی
کہ خلا و بےنشان ست و تہی ست　　　جوں خلا ہے بےنشاں ہے اور تہی

۴

جملہ استاداں پئے اظہارِ کار　　　اہل فن اظہارِ فن کے واسطے
نیستی جویند و جائے انکسار　　　جائے عجز و نیستی ہیں ڈھونڈتے

لا جرم استادِ استاداں صَمد　　　ہے مگر استادِ کل و ذات ہی
کار گاہش نیستی و لا بُوَد　　　کارگہ جس کی عدم اور نیستی

ہر کجا ایں نیستی افزوں ترست　　　جس جگہ پر ہے فنا بے انتہا
کارِ حق و کار گاہش آں سرست　　　ہے وہیں استاد کل کی کارگاہ

۱ جس نظر کو کمال حاصل نہ ہو وہ محض سطحی چیزوں کو دیکھ سکتی ہے جبکہ نظر کامل دونوں جہاں اور کون و مکان کے شاہ یعنی ذات باری کے جلوؤں سے باریاب ہوتی ہے۔ ۲ ان دونوں نگاہوں میں بہت فرق ہے۔ اسلئے اپنی نگاہ کو سرمانے کیلئے عبادت و ریاضت کا سرمہ تلاش کرو حق تعالیٰ جو غیب داں ہے اس سرمہ کی تلاش میں تمہاری رہنمائی فرمائے گا۔ ۳ اب مولانا پھر عدم اور فنا کی خوبیوں کا احوال بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عالم فنا کو اپنانے کی کوشش کرو کیونکہ عدم ہی پروردگار عالم کی ابدی کارگاہ ہے جہاں دست قدرت معدوم کو موجودگی کی صورت دیتی ہے جو بالکل بےنشاں اور خالی ہوتا ہے۔ ۴ ہر کاریگر اپنے فن کا کمال دکھانے کیلئے معدوم کو تلاش کرتا ہے تاکہ اسے موجود کی شکل میں ظاہر کر سکے۔ اب اگلے اشعار میں فرماتے ہیں کہ اس فن کا استاد کل ذات پروردگار ہے جو عدم اور فنا کے کارخانے میں ہر لحظہ لاتعداد اور معدوم کو موجود میں تبدیل کرتا ہے۔

[1]

نیستی چوں ہست بالائیں طبق — ہے فنا کا جب بہت بالا مقام
برہمہ بروند درویشاں سبق — کیوں نہ درویشوں کا ہو اعلیٰ مقام

خاصہ درویشے کہ شد بے جسم و مال — کر دیا جس نے فنا سب جسم و مال
کار فقرِ جسم دارد نے سوال — ہے اُسی درویش کو حاصل کمال

[2]

سائل آن باشد کہ مالِ او گداخت — وہ ہے سائل جس کا مال و زر لٹے
قانع آن باشد کہ جسمِ خویش باخت — وہ ہے قانع جس کا جسم و جاں مٹے

[3]

پس ز درد اکنوں شکایت بر مدار — درد پہنچے تو نہ کر آہ و بقا
کوست سوئے نیست اسپ راہوار — اسپ تازی ہے فنا کی راہ کا

[4]

ایں قدر گفتیم و باقی فکر کن — جو کہا کافی ہے اب تو فکر کر
فکر اگر جامد بُود رَو ذکر کن — فکر ساکت ہے تو جا اور ذکر کر

ذکر آرد فکر را در اہتزاز — ذکر سے تحریک میں لا فکر کو
ذکر را خورشیدِ ایں افسردہ ساز — ذکر کی گرمی سے گرما فکر کو

[1] جب فنا کا مقام اس قدر بلند ہے تو پھر ان درویشوں کا مرتبہ کیوں بلند و بالا نہ ہو جو خود کو فنا ہونے سے پہلے سے فنا کر دیتے ہیں۔
[2] سوال کرنے والا بھکاری وہ ہے جس کا حرص و ہوس سے جمع کیا ہوا مال و اسباب لٹ جائے اور وہ اپنے اس حال سے افسردہ ہو جب کہ وہ شخص جس نے اپنے جسم کو یادِ الٰہی میں گھلا دیا اور اس حالت پر صبر و شکر سے کام لیا وہ فقیر نہیں کہلا سکتا۔ [3] اگر تجھے ذاتِ حق کی جستجو میں درد پہنچے تو اس پر آہ و زاری نہ کر کیونکہ یہ درد فنائی اللذات کی منزل تک پہنچنے کیلئے تیز رفتار گھوڑے کی سواری کا درجہ رکھتا ہے۔ [4] فنا کے موضوع پر میں نے جو کچھ کہا ہے اسے سمجھنے اور اس پر غور و فکر کی کوشش کر۔ یاد رہے غور و فکر کو بیدار کرنے کیلئے ذکر حد ضروری ہے جو منجمد فکر کو گرمانے کیلئے وہی کام کرتا ہے جو برف کو پگھلانے کیلئے سورج کرتا ہے۔

۱

اصل خود جذب است لیک اے خواجہ تاش　　ذات حق خود ہے کشش پھر بھی سدا

کارکن موقوفِ آں جذبہ مباش　　ذکر حق کرتے رہو صبح و مسا

۲

زانکہ ترکِ کار چوں نازے بود　　ذکر حق کو چھوڑنا تو ناز ہے

ناز کے در خوردِ جانبازے بود　　ناز کب جانباز کا انداز ہے

۳

نَے قبول اندیش نَے رد اے غلام　　ذکر چاہے رد کرے وہ یا قبول

امر را و نہی را می بیں مدام　　تو بنا امر و نہی کو ہی اصول

۴

مرغ جذبہ ناگہاں پرّد زِ عُش　　نا گہاں آئے گا پیغام کرم

چوں بدیدی صبح شمع آنکہ بکش　　شمع کو بے شک بجھا دو صبحدم

جشمہا چوں شد گزارہ نورِ اوست　　جب میسر آگئی چشم رسا

مغزہا می بیند اُو در عین پوست　　ہوگا ہر سو نور حق جلوہ نما

۵

بیند اندر ذرہ خورشید بقا　　ذرے ذرے میں وہ دیکھے مہرِ حق

بیند اندر قطرۂ کُلِ بحر را　　قطرہ قطرہ میں وہ دیکھے بحرِ حق

۱ صرف عبادت اور ذکر سے ذات پاک کا قرب حاصل نہیں ہوتا جب تک اس ذکر و عبادت کی قبولیت کے بعد ذات خداوندی کی جانب سے کشش پیدا نہ ہو لیکن انسان کو عبادت میں مشغول رہنا چاہیے اور کشش الٰہی کے انتظار میں عبادت اور ذکر کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔

۲ ذکر حق کو ترک کرنا گویا ناز کرنا ہے جو ایک سچے عاشق کو زیب نہیں دیتا۔ ۳ ایک بندے کی حیثیت سے انسان کو ذکر الٰہی میں مصروف رہنا چاہیے اور اس کی فکر نہیں کرنی چاہیے کہ اس کی عبدیت کو بارگاہ ایزدی میں شرف قبولیت حاصل ہوا یا نہیں۔ اس لئے کہ احکام الٰہی پر عمل کرنا ہمارا فرض ہے جو ہمیں ادا کرنا چاہیے۔ ۴ جب تو متواتر ذکر الٰہی کرتا رہے گا تو تجھے قرب الٰہی حاصل ہوجائے گا اس طرح جیسے پرندہ اڑان کر اپنے چاہنے والے کے پاس آجاتا ہے جب قرب الٰہی سے زندگی پر نور ہوجائے تو جس طرح صبحدم شمع کو بجھا دیتے ہیں اسی طرح ذات حق میں فنا ہونے کے بعد مجاہدے کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ عبادت کی صورت مختلف ہوجاتی ہے۔

اِک بیمار کو نصیحت نبویؐ

گفت پیغمبر مر آں بیماررا   یہ کہا احمدؐ نے اِک بیمار سے
ایں بگو کہ سہل کُن دُشوار را   رب سے کہہ مشکل تری آساں کرے

آتِنَا فِی دَارِ دُنْیَا نَا حَسَن   اِس جہاں میں نیک و احسن ہو عطا
آتِنَا فِی دَارِ عُقْبٰی نَا حَسَن   اُس جہاں میں نیک و احسن ہو عطا

۱

راہ را بَر ما چو بُستاں کُن لطیف   پر فضا ہو جائے راہ پُل صراط
منزلِ ما خود تو باشی اے شریف   منزل مقصود ہو تیری ہی ذات

۲

مومناں در حشر گویند اے مَلَک   حشر میں پوچھیں گے مومن اے مَلَک
نے کہ دوزخ بود راہِ مشترک   کیا جہنم کا ہے رستہ مشترک

۳

مؤمن و کافر بَرُو یابد گذار   کافر و مومن ہیں اِس رہ پہ رواں
ما ندیدم اندر ایں رہ دود و نار   پَر نہیں واں نار دوزخ کا دھواں

نک بہشت و بارگاہِ ایمنی   پُر سکوں ہے یہ تو جنت کی طرح
پس کجا بود آں گذرگاہِ دَنی   ہے کہاں وہ امتحاں کا راستہ

۱ پل صراط جس پر سے مومن اور کافر بھی گزر رہا ہوگا۔

۲ آنحضورؐ کی نصیحت کا ذکر کرنے کے بعد اسی حوالے سے مولانا مقام آخرت کا احوال بیان فرماتے ہیں۔

۳ جہنم کے آثار

پس ملک گوید کہ آں روضہ خضر   سن کے بولیں گے فرشتے جو چمن
کاں فلاں جا دیدہ اید اندر گذر   راہ میں دیکھا ہے تم نے وہ چمن

۱

دوزخ آنجاید سیاست گاہِ سخت   تھی وہیں دوزخ سزاؤں کے لئے
برشما شد باغ و بستاں و درخت   بن گئی جنت تمہارے واسطے

۲

چوں شما ایں نفس دوزخ خوئے را   تھا تمہارا نفس دوزخ خو مگر
آتشی و گبر فتنہ جوئے را   تھا وہ کافر اور فتنہ جو مگر

جھد ہا کردید تا شد پُر صفا   زہد سے تو نے مصفا کر دیا
نار را کشتید از بہر خدا   آگ کو ٹھنڈا کیا بہر خدا

۳

آتشِ شہوت کہ شُعلہ می زدے   آتش حرص و ہوس بھی بن گئی
سبزۂ تقویٰ شد و نورِ ہدے   سبزہ تقویٰ ہدا کی روشنی

آتشِ خشم از شما ہم حلم شد   آگ غصے کی حلیمی میں ڈھلی
ظلمتِ جہل از شما ہم علم شد   اور جہالت علم کی شمع بنی

آتشِ حرص از شما ایثار شد   حرص کہ ایثار کی صورت ملی
واں حسد چوں خار بُد گلزار شد   اور حسد کو گلشن و گلزار کی

۱ آنحضورؐ کی تعلیم کردہ دعا کے اثر سے مومن جب پل صراط پر سے گزریں گے تو دوزخ کا منظر ان کیلئے سبز باغ بن جائیگا۔

۲ جب مومن نفس کی جہنمی صفات کو مجاہدات سے زائل کردے گا تو آخرت میں جہنم کے صفات بھی اس کیلئے تبدیل ہوجائینگے۔

۳ زہد وعبادت اور مجاہدہ کے ذریعہ نفس کی برائیاں بھلائیوں میں تبدیل ہوگئیں۔ اس کے بعد کے اشعار میں اسی نوعیت کی دوسری تبدیلیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جو یاد و ذکر خداوندی سے حاصل ہوتی ہیں۔

[1]

چوں شما ایں جملہ آتش ہائے خویش	اپنی ہر اک آگ کو ٹھنڈا کیا
بہر حق کشتید جملہ پیش پیش	اور یہ سب کچھ کیا بہر خدا
نفسِ ناری را چو باغے ساختید	نفس ناری کو بنایا گلستاں
اندر او تخمِ وفا انداختید	اور وفا کے تخم بھی بوئے وہاں
بلبلانِ ذکر و تسبیح اندرو	کر رہی ہیں بلبلیں ذکر خدا
خوش سرایاں در چمن برطرفِ جو	گلستاں میں نہر پر وہ خوشنوا

[2]

دوزخِ ما نیز در حقِ شما	تیری خاطر بے گماں دوزخ مری
سبزہ گشت و گلشن و برگ و نوا	سبزہ و گلزار و جنت بن گئی
چیست احساں را مکافات اے پسر	جانتے ہو کیا ہے احساں کا صلہ
لطف و احسان و ثواب معتبر	لطف و احساں اور ثوابِ بے بہا

[3]

نے شما گفتید ما قربانیم	ہوں ترا شیدا کہا تھا آپ نے
پیشِ اوصافِ شما ما فانیم	میں ہوں فانی تو ہے ذاتِ پُر صفا

[4]

ما اگر قلاش و گر دیوانہ ایم	چاہے مفلس ہیں کہ دیوانے ہیں ہم
مستِ آں ساقی و آں پیمانہ ایم	بس اسی ساقی کے متانے ہیں ہم

[1] جب انسان اللہ کے لئے نفس کی برائیوں کو مٹا دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ آخرت کی برائیوں سے محفوظ فرما دیتا ہے۔
[2] حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب تو نے میری عبادت کو جزو حیات بنا لیا تو میں نے تیرے لئے دوزخ کو جنت بنا دیا جیسا کہ حضرت ابراہیم آگ میں اللہ کا نام لے کر کودے تو وہ گل وگلزار بن گئی۔ [3] گزشتہ اشعار میں عام مومنین سے خطاب تھا اب یہ خطاب عشاق الٰہی سے ہے۔ آئندہ اشعار میں انہی عشاق کے احساسات کا اظہار ہے۔ [4] ذات الٰہی

بہ خطِ فرمان او سری می نہیم	ہم کہ ہیں اس ذات کے فرمانگذار
جانِ شیریں را گرو گاں می دہیم	اس کے ہر ارشاد پہ ہے جاں نثار

۱؎

تا خیالِ دوست در اسرارِ ماست	ہے ہمارے دل میں جب تک یادِ یار
چاکریٔ و جاں سپاری کارِ ماست	ہم ہیں اس کے چاکر و خدمت گذار
ہر کجا شمعِ بلا افروختند	اس نے شمعِ عشق کی روشن جہاں
صد ہزاراں جانِ عاشق سوختند	جل کے خاکستر ہوئے لاکھوں وہاں

۱؎

اے دل آنجا رو کہ باتو روشن اند	چل وہاں اے دل ہیں اہل دل جہاں
و ز بلاہا مرترا چوں جوشن اند	دیں گے مشکل میں پناہ وہ بے گماں
درمیانِ جاں ترا جا می کنند	جان و دل میں وہ جگہ دیں گے تجھے
تا ترا پُر بادہ چوں جامے کنند	بادۂ عرفاں سے بھر دیں گے تجھے

۲؎

درمیان جانِ ایشاں خانہ گیر	ان کے جان و دل میں ہو کر جانشیں
در فلک خانہ کن اے بدرِ منیر	ہو فلک پہ جا گزیں ماہ مبیں

۳؎

پیشِ خویشاں باش چوں آوارۂ	ساتھ اپنوں کے رہو گمرہ نہ ہو
بَر مہِ کامل زن ار مہ پارۂ	چاند کا حصہ ہو گل سے ہی ملو

۴؎

جزو را از کل خود پرہیز چیست	جزو کو ہے کُل سے کیوں یہ اجتناب
با مخالف ایں ہمہ آمیز چیست	اور کیوں اغیار سے ہے بے حجاب

۱؎ اب مولانا اہلِ عشق سے مخاطب ہوتے ہیں۔ جب تک ہمارے دلوں میں یادِ خداوندی ہے ہم اس کے تابع فرماں ہیں۔ ۲؎ مولانا فرماتے ہیں کہ جا اور اہلِ دل کی قربت حاصل کر لے تو آسمانِ معرفت پر ماہِ مبیں بن کر درخشاں ہوگا۔ ۳؎ عشاقِ الٰہی کا منتخب بنو۔ ہم چاند کا ٹکڑا ہو ماہِ کامل کا حصہ بنو۔ اہلِ دل کی قربت حاصل کرو تاکہ ان میں جذب ہو کر معرفت کی بلندیوں کو چھو سکو۔ ۴؎ اغیار یعنی جو مقام معرفت حاصل نہیں کر سکے ان سے قربت کی بجائے ان کی قربت کیلئے کوشش کرو جو مقام معرفت پر فائز ہیں۔

صلح حدیبیہ، فتح مبیں

وقت بَر گشتِ حدیبیہ رسولؐ — جب حدیبیہ سے لوٹے تھے رسولؐ
در تفکر بود غمگین و ملول — فکر مند و غمزدہ تھے اور ملول

۱

ناگہاں اندر حقِ شمعِ رُسل — تب ملا شمعِ رسل کو ناگہاں
دولتِ اِنَّا فَتَحْنَا زد دُہل — عرش سے اِنَّا فَتَحْنَا کا بیاں

آمدش پیغام از دولت کہ رو — حق نے فرمایا کہ اٹھو اور چلو
تو ز منع ایں ظفر غمگیں مشو — اپنی ناکامی پہ یوں غمگیں نہ ہو

کاندریں خواری بنقدت فتحہاست — تیری ناکامی میں ہے فتح مبیں
نک فلاں قلعہ فلاں بُقعہ تراست — ہیں تمہارے ہی یہ قلعے اور زمیں

۲

بنگر آخر چونکہ وا گردید تَفت — لوٹ کر دونوں قریظہ اور نضیر
بر قریظہ بر نضیر از وے چہ رفت — دیکھ تو کیسے ہوئے دکھ میں اسیر

قلعہا ہم گردِ آں دو بُقعہا — کر لئے تسخیر ان کے سب حصار
شد مسلّم وَز غنائمَ نفعہا — اور ملا مالِ غنیمت بے شمار

۱ حدیبیہ میں مسلمانوں کی ظاہر ناکامی چونکہ حقیقتاً ان کی مزید تقویت کا باعث تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اسے فتح مبین قرار دیا ہے۔ اس واقعہ کا پس منظر یہ ہے کہ آنحضورؐ اپنے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ مدینہ منورہ سے عمرہ کی نیت سے مکہ مکرمہ کیلئے روانہ ہوئے جب مکہ مکرمہ سے پہلے حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ کیا تو کفار مکہ نے انہیں مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی تو آنحضورؐ کفار سے صلح کر کے بغیر عمرہ کئے مدینہ منورہ لوٹ آئے۔ یہ صلح مسلمانوں کیلئے بظاہر شکست تھی لیکن حقیقتاً فتح تھی جیسے کہ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا تھا۔

۲ بنی قریظہ اور بنی النضیر دو یہودی قبیلے تھے مدینہ منورہ کے اطراف میں آباد تھے لیکن مسلمانوں سے معاہدہ شکنی کے باعث آنحضورؐ انہیں بالترتیب ۴ ھ اور ۵ ھ میں جلا وطن کر چکے تھے جن میں سے کچھ خیبر میں جا کر آباد ہوئے اور ۶ ھ میں فتح خندق میں جب خیبر فتح ہوا تو انہیں ذلت آمیز مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ مولانا نے اس شعر میں اسی واقعہ کا حوالہ دیا ہے۔

[1]

وَر نباشد آں تو بنگر کایں فریق
بر غم و رنج اند مفتون و عشیق

کچھ نہ ملتا پھر بھی یہ اہلِ رضا
ہیں سمجھتے درد کو بھی جانفزا

زہر خواری را چوں شکر می خورند
خار غمہا را چوں اُشتر می چرند

زہر ذلت ہے شکر ان کیلئے
خارِ غم ہیں بے اثر ان کے لئے

بہر عینِ غم نہ از بہر فرج
ایںا تسافل پیشِ ایشاں چوں درج

ہے خوشی سے غم انہیں بڑھ کر پسند
یہ تنزل ہے ترقی سے بلند

آنچناں شاد اند اندر قعرِ چاہ
کہ ہمی ترسند از تخت و کلاہ

ہیں وہ چاہِ غم میں اتنے شادماں
اب نہیں مطلوب شاہی تزک و شاں

در فقیری ہر یکے صد شہر بار
در خزانِ فاقہ ہمچو صد بہار

ہے فقیری میں ہر اک شاہِ شہاں
صد بہار افزا ہے فاقوں کی خزاں

ہر کجا دلبر بُود خود ہمنشیں
فوقِ گردون ست نے زیرِ زمیں

ہو جہاں محبوب اپنا ہمنشیں
عرش سے خوشتر ہے وہ فرشِ زمیں

[1] اللہ کے نیک بندے حق تعالیٰ کی طرف سے بھیجی ہوئی شکست اور تکالیف میں بھی فتح اور راحت کے آثار دیکھتے ہیں۔

طالب و مطلوب

۱

متصل نبود سفالِ دو چراغ　　دو دیئے چاہے نہ ہوں یکجا مگر
نور شاں ممزوج باشد در مَساغ　　روشنی ہوتی ہے یکجا پھیل کر

ہیچ عاشق خود نباشد وصل جو　　وصل جُو خود کب ہوا عاشق کبھی
کہ نہ معشوقش بُود جویائے او　　جب تلک طالب نہ ہو معشوق بھی

در دل تو مہر حق چوں شد دو تو　　عشق حق ہو جب ترے دل میں سوا
ہست حق را بے گماں مہرے بتو　　بے گماں تو بھی ہے مطلوب خدا

ہیچ بانگِ کف زدن آید بدر　　اک ہتھیلی سے نہیں آتی صدا
از یکے دست تو بے دست دگر　　جب ملے دو ہاتھ تو آئی صدا

۲

تشنہ می نالد کہ اے آبِ گوار　　پیاس میں پیاسے کو پانی کی تلاش
آب ہم نالد کہ کو آں آبخوار　　اور پانی کو ہے پیاسے کی تلاش

۳

جذبِ آب ست ایں عطش درجان ما　　پیاس ہے پانی کے دل کی آرزو
ما از آن او و او ہم زانِ ما　　ہم ہیں اس کی وہ ہماری آرزو

۱ جسموں کی جدائی اور دلوں کے اتصال کی مثال کو واضح کرنے کیلئے مولانا فرماتے ہیں کہ دیئے الگ الگ جلتے ہیں لیکن ماحول میں ان کی روشنی ایک ہوتی ہے۔ ۲ پیاسے کی پیاس پانی کے اس جذبے کا اثر ہے جو پانی میں پیاس بجھانے کیلئے بیقرار ہوتی ہے اسی لئے وہ مختلف صورتوں میں پیاسے کی تلاش میں رواں دواں رہتا ہے۔ ۳ پانی بھی اسی لئے رواں دواں رہتا ہے کہ اس کی دلی آرزو ہوتی ہے کہ وہ پیاس کو بجھائے۔ پیاس بھی بے چینی کا شکار ہوتی ہے اور پانی کی گردش بھی بے چینی کی علامت۔ دونوں کو ایک دوسرے کی تلاش ہوتی ہے۔

۱

حق بحکمت در قضا و در قدر — قادر مطلق کا ہے یہ معجزہ
کردہ ما را عاشقاں ہمدگر — ایک دوجے کا ہمیں شیدا کیا

جملہ اجزائے جہاں زاں حکم پیش — یاں سبھی اجزا بحکم کرد گار
جفت جفت و عاشقان جفتِ خویش — ساتھ ہیں،سبکو ہے اک دوجے سے پیار

۲

ہست ہر جزوے بعالم جفت خواہ — چاہتے ہیں میل سب ہم جنس کا
راست ہمچوں کہربا و برگِ کاہ — جیسے تنکا گھاس کا اور کربا

آسماں گوید زمیں را مرحبا — آسماں کا ہے زمیں سے رابطہ
باتو ام چوں آہن و آہن ربا — جیسے لوہے اور مقناطیس کا

۳

آسماں مرد و زمیں زن در خرد — آسماں شوہر ہے اور زن ہے زمیں
ہرچہ او انداخت ایں می پرورد — آسماں جو کچھ بھی دے پالے زمیں

چوں نماند گرمیش بفرستد اُو — گر نہ ہو گرمی تو گرمی دے اسے
چوں نماند تری و نم بد ہد اُو — ہو نمی کم تو نمی بھی دے اسے

برجِ خاکی خاکِ ارضی را مدد — برجِ خاکی خاک کو امداد دے
برج آبی تَریش اندر دہد — برجِ آبی پانی پہنچائے اسے

۱ جس طرح خالق و مخلوق میں باہمی محبت کا رشتہ ہے اسی طرح کائنات کے مختلف اجزا بھی ایک دوسرے کے لئے کشش رکھتے ہیں۔

۲ کربا ایک پتھر ہے جو گھاس کے تنکے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ ۳ آسمان اور زمین میں زن و شوہر کی سی محبت ہے۔آسمان جو کچھ زمین کے سپرد کرتا ہے زمین اس کی پرورش کرتی ہے۔آسمان ہی زمین کو گرمی سردی اور نمی پہنچاتا ہے۔

۱

برجِ بادی اَبر سوئے او برد   برج بادی بھیج کر اَبر و ہوا
تا بخاراتِ و غم را بَر کشد   ہے بخارات مخالف کھینچتا

برجِ آتش گرمی خورشید ازو   برج آتش سے تپاں ہے آفتاب
ہمچو تا بہ سرخ زآتش پشت و رو   سرخ ہے وہ پشت و رد سے بے حساب

ہست سرگرداں فلک اندر زمن   آسماں گردش میں کچھ ایسے رہے
ہمچو مرداں گرد مکسب بہرِ زن   جیسے شوہر بہرِ زن محنت کرے

ویں زمیں کد با نویہا می کند   اور زمیں بیگم کی صورت ہر گھڑی
بَر ولاداتِ و رضاعش می تند   بچے جننے پالنے میں ہے لگی

۲

پس زمیں و چرخ را داں ہوشمند   پس زمین و آسماں ہیں ہوشیار
چونکہ کارِ ہوشمنداں می کند   ہوشمندوں کی طرح مصروف کار

۳

گر نہ از ہم ایں دو دلبر می مزند   باہمی الفت نہیں تو پھر مدام
پس چراچوں جفت درہم می خزند   کس لئے ہوتے ہیں مدغم صبح و شام

۴

بے زمیں کے گل بروید ارغواں   پھول پتے بے زمیں کھلتے کہاں
پس چہ زاید ز آب و تابِ آسماں   کیا اُگاتی آب و تابِ آسماں

۱ ناموافق بخارات۔ ۲ چونکہ زمین اور آسمان بھی ذی حس چیزوں کی طرح عمل کرتے ہیں اس لئے انہیں بھی حساس سمجھنا چاہئے ان دونوں کا عمل اور ردِ عمل قدرت کی کرشمہ سازی ہے۔ ۳ صبح و شام کا نظارہ زمین و آسمان کی باہمی محبت کا عکاس ہے۔

۴ جس طرح عورت کے بغیر مرد بے اولاد رہتا ہے اسی طرح اگر زمین نہ ہوتی تو آسمان کی آب و تاب پیداوار سے محروم ہوتی۔

بہر آں مَیل است در مادہ زنر　　اس لئے مادہ کو نر سے ہے پیار
تا بود تکمیلِ کار ہمدگر　　میل سے دونوں کے ہو تکمیلِ کار

۱

شب چنیں با روز اندر اعتناق　　اور لگاتی ہے گلے سے دن کو رات
مختلف در صورت امّا اتفاق　　مختلف لیکن ہمیشہ ساتھ ساتھ

۲

روز و شب ظاہر دو ضد و دشمن اند　　گو بظاہر رات اور دن ہیں جدا
لیک ہر دو یک حقیقت می تنند　　اک حقیقت پر ہے دونوں کی بقا

ہر یکے خواہاں دگر را ہمچو خویش　　ان کو آپس میں ہے جان و دل سے پیار
از پئے تکمیلِ فعل و کارِ خویش　　آرزو دونوں کی ہے تکمیلِ کار

زانکہ بے شب دخل بنود طبع را　　رات آتی ہے تو ملتا ہے قرار
پس چہ اندر خرج آرد روزہا　　اور ہو سکتا ہے دن میں کار و بار

۱ نر اور مادہ میں ایک دوسرے کیلئے کشش اس لئے ہے کہ ہر ایک کے کام کی تکمیل دوسرے کے بغیر ممکن نہیں۔
دن اور رات بظاہر مختلف اور متضاد چیزیں ہیں لیکن ان دونوں کی بقا اور شناخت ایک دوسرے کے وجود سے ہی ممکن ہے۔
۲ رات اور دن کا آپس میں رابطہ ہے۔ وہ تکمیل کار کیلئے ایک دوسرے کے محتاج ہیں اور ہمارا نظام حیات اسی ربط و ضبط سے وابستہ ہے۔

نکوکار

[1]

نیکواں راہست میراث از خوشاب
آنچہ میراث ست اَو رَثنا الکِتاب

ہے نکو کاروں کا ورثہ آبِ ناب
قولِ حق ہے ثُم اَو رَثنا الکتاب

شد نیازِ طالباں اَر بنگری
شعلہا از گوہرِ پیغمبری

آرزو ہے طالبِ حق کی یہی
ہو میسر جلوۂ پیغمبری

[2]

شعلہ ہا با گوہراں گرداں بُوَد
شعلہ آں جانب رود ہم کاں بُوَد

اولیاء پہ ضَو فشاں نورِ نبیؐ
وہ جہاں ہوں ہے وہاں نورِ نبیؐ

[3]

نورِ روزن گردِ خانہ می دَوَد
زانکہ خوَر برجے بہ برجے می رَوَد

گھر میں روزن ہو تو ہر سو روشنی
برکتیں ہیں مہرِ عالمتاب کی

[4]

ہر کرا با اخترے پیوِستگیست
مَر ورا با اخترے خود ہم تگی ست

گر کسی انجم سے ہو وابستگی
ہے اسی کی ہمرہی میں بہتری

طالعش گر زہرہ باشد درطرب
میلِ کلّی دارد و عشق و طلب

ہو اگر زہرہ سے وابستہ کوئی
عیش و عشرت میں کٹے گی زندگی

ور بود مرّیخی خوں ریز خُو
جنگ و بہتان و خصومت جوید اُو

ہو اگر مریخ کے زیرِ اثر
جنگ و خوں ریزی میں ہوں گے دن بسر

[1] قرآن پاک میں مذکور ہے ثم اورثنا الکتب الذین اصطفینا من عبادنا (پھر ہم نے اپنے بندوں میں سے ان لوگوں کو اس کتاب کا وارث ٹھہرایا جن کو ہم نے منتخب کیا) یعنی اعمال صالحہ رکھنے والے اس کتاب کے وارث ہیں۔ [2] انوارِ نبوت وہیں ہوں گے جہاں اولیاء اللہ ہوں گے۔ شعلہ ہائے مراد انوارِ نبوت اور گوہراں سے مراد اولیاء۔ [3] ازل سے آفتابِ نبوت مختلف انبیاء پر ضوفشاں رہا لہٰذا انبیاء کو روشنی ایک ہی جگہ سے حاصل ہوئی۔ اس لئے اصول دین میں سب ایک ہیں۔ [4] یعنی جو اہلِ خدا اور نکوکاروں سے وابستہ ہوگا وہی آگے بڑھ کر کسی مقام کو حاصل کر سکے گا۔

۱

اختر انند از ورائے اختراں　　ان کے پیچھے ہیں ستارے اور بھی
کاحتراق و نحس نبود انداراں　　جو نہیں رنج و نحوست کے ولی

سائراں در آسمانہائے دگر　　وہ رواں ہیں دوسرے افلاک پر
غیر ایں ہفت آسمانِ مشتہر　　ہیں جو ہفت افلاک سے بھی بالاتر

۲

راسخاں در تابِ انوارِ خدا　　اہل حق ہیں پر تو نور خدا
نے بہم پیوستہ نے از ہم جدا　　ہیں نہ پیوستہ نہ ہیں باہم جدا

ہر کہ باشد طالعِ اُو زاں نجوم　　ان ستاروں سے ہوا وابستہ جو
نفسِ او کفار سوزد در رجوم　　بھسم کر دے پھونک سے کفار کو

۳

خشم مریخی نہ باشد خشمِ اُو　　تند خو ہو گا نہ وہ مریخ سا
منقلب رَو غالب و مغلوب خو　　بلکہ ہو گا عاجز و حاجت روا

نور غالب ایمن از کسف و غَسَق　　تیرگی سے اور گہن سے ماورا
در میان اصبعینِ نورِ حق　　جیسے روشن ہر زماں نور خدا

حق فشاند آں نور را بر جانہا　　حق سے جب انوار کے چھینٹے پڑے
مقبلاں برداشتند دامانہا　　اہل حق نے دامن دل بھر لئے

۱ یعنی اولیاء اللہ ایسے ستارے ہیں جن سے فیض و برکت حاصل ہوتی ہے ان سے دوسرے ستاروں کی طرح برے اثرات مرتب نہیں ہوتے۔ ۲ ستاروں کے آپس میں ملنے سے جو نقائص رونما ہوتے ہیں اولیاء اللہ ان سے بالاتر ہیں اس لئے کہ وہ سراپا خیر و برکت ہیں۔ وہ جدا ہوتے ہوئے بھی ایک ہیں اس لئے کہ ان کے فیض کا سرچشمہ ایک ہے۔

۳ اولیاء اللہ کی مدد سے غالب ہیں لیکن عجز و انکسار کی وجہ سے بظاہر مغلوب نظر آتے ہیں۔

واں نثارِ نور ہر کو یافتہ	نور حق کا جس نے صدقہ پا لیا
روئے از غیرِ خدا بر تافتہ	غیر حق سے اس کا رشتہ کٹ گیا
	[1]
ہر کرا دامانِ عشقے نابدہ	عشق کی دولت سے جو محروم ہے
زاں نثارِ نور بے بہرہ شدہ	نور کے صدقہ سے وہ محروم ہے
جودہا را رویہا سوئے کل است	بستگی اجزا کی اپنے کُل سے ہے
بلبلاں را عشق با روئے گل است	بلبلوں کو عشق روئے گل سے ہے
گاوٗ را رنگ از بروں و مرد را	بیل کی پہچان رنگ ظاہری
از دروں جو رنگ سرخ و زرد را	اور ہے انساں کی رنگ باطنی
	[3]
رنگھائے نیک از خُمِّ صفا ست	نیک پر آبِ صفا کا ہے اثر
رنگِ زشتاں از سیاہ آبہ جفاست	زشت پر آبِ سیاہ کا ہے اثر
صِبْغَةَ اللہ نام آں رنگِ لطیف	رنگ ہے اللہ کا رنگ لطیف
لَعْنَةُ اللہ بوئے ایں رنگِ کثیف	اس کی لعنت کا اثر رنگ کثیف
	[4]
آنچہ از دریا بہ دریا می رود	ایک دریا دوجے دریا سے ملے
از ہماں جا کاید آنجا می رود	پھر وہیں پہنچیں جہاں سے تھے چلے
از سرِ کُہ سیلہائے تیز رو	کوہ سے اُٹھتی ہے سیل تند و تیز
وز تنِ ماجانِ عشق آمیز رو	اور ہمارے تن سے جان عشق ریز

[1] جس دل میں عشقِ حقیقی نہ ہو وہ اللہ کی ہدایت سے محروم رہتا ہے۔ [2] جانوروں کو ان کی ظاہری صورت سے پہچانا جاتا ہے جب کہ انسان اپنی خصلتوں سے۔ [3] نیک انسانوں کے کردار میں اُجلا پن ہوتا ہے جبکہ برے انسانوں کے اعمال سیاہ کاری سے متاثر ہوتے ہیں۔ [4] دریا کا پانی سمندر میں جاتا ہے پھر بخارات بن کر اٹھتا ہے اور بادل بن کر برستا ہے اور پھر دریا بن کر سمندر سے جاملتا ہے۔ روح انسانی بھی عالم بالا سے آتی ہے اور کچھ وقت دنیا میں رہ کر پھر اصل خویش سے جاملتی ہے۔ جس طرح پہاڑوں سے تند و تیز سیلاب بالآخر سمندر سے جاملتا ہے اسی طرح روح بھی ہمارے جسم سے آزاد ہو کر عشقِ حقیقی میں عالم بالا جا کر اپنے اصل سے مل جاتی ہے۔

ظُلم

چاہِ مظلم گشت ظلمِ ظالماں
ایں چنیں گفتند جملہ عالماں

ظالموں کا ظلم ہے اندھا کنواں
ہے یہی سب اہل دانش کا بیاں

ہر کہ ظالم تر چہش باہول تر
عدل فرمود ست بد تر را بتر

چاہ ظالم تر کا ہے تاریک تر
حق نے فرمایا ہے بدتر کو بتر

ایکہ تو از ظلم چاہے می کنی
از برائے خویش دامے می تنی

تم کہ کھودے ہو کنواں بیداد سے
بُن رہے ہو جال اپنے واسطے

بر ضعیفاں گر تو ظلمے می کنی
داں کہ اندر قعرِ چاہِ بے بُنی

ظلم کمزوروں پہ گر تو نے کیا
تیری پستی کی نہ ہو گی انتہا

مَع ضعیفاں را تو بے خصمے مداں
از بُنِ اِذَا جَاءَ نصرُ اللہ بخواں

مت سمجھ کمزور کو بے آسرا
غیب سے امداد بھیجے گا خدا

[1]

گر ضعیفے در زمیں خواہد اماں
غُلغُل اُفتد در سپاہ آسماں

جب زمیں پر ناتواں مانگے اماں
مضطرب ہوتے ہیں اہل آسماں

[1] جب زمین پر کوئی مظلوم ظالم کے ظلم سے تنگ آ کر فریاد کرتا ہے اور پناہ مانگتا ہے تو اہل فلک اس کی آہ و بکا سے بے چین ہو جاتے ہیں۔

گر بدندانش گزی پُر خوں کنی — تو اُسے دانتوں سے گر زخمی کرے
دردِ دندانت بگیرد چوں کُنی — دردِ دانداں سے بچے گا کس طرح

ل

اے بسا ظلمے کہ بینی در کساں — ظلم جو اوروں میں آتا ہے نظر
خوئے تو باشد در ایشاں اے فلاں — تیری ہی خوئے جفا کا ہے اثر

اندر ایشاں تافتہ ہستیِ تو — اُن میں ہے تیری ہر اک خصلت عیاں
از نفاق و ظلم و بد مستیِ تو — یہ نفاق و ظلم اور بد مستیاں

ع

آں توئی واں زخم بر خود می زنی — خود ہی عالم خود ہی تو اپنا شکار
بر خود آں دم تارِ لعنت می تنی — ہو گیا ہے اپنی لعنت کا شکار

سے

در خود ایں بد را نمی بینی عیاں — اپنی خامی پر نہیں تیری نظر
ورنہ دشمن بودۂ خود را بجاں — خود ہے اپنا دشمنِ جاں اے پسر

چوں بقعرِ خوئے خود اندر رسی — اپنی خصلت سے ہوئے جب زار و خوار
پس بدانی کز تو بود آں ناکسی — تجھ پہ ہو گی تیری خامی آشکار

ل دوسروں میں تجھے جو ظالمانہ روش کا عکس نظر آتا ہے وہ تیری ظالمانہ خو کا عکس العمل ہے۔

ع ظالم ہمیشہ اپنے ظلم کا خمیازہ اٹھاتا ہے۔

سے انسان طاقت اور دولت کے نشے میں اپنی برائی کو جاننے سے قاصر رہتا ہے جس کا انجام برا ہوتا ہے لیکن جب وہ ذلیل و خوار ہوتا ہے تو پھر اسے اپنی برائی نظر آتی ہے۔

قولِ حکیمِ سنائی

ناز را روئے بباید ہمچو وَرد — پھول سے چہرے پہ اترانا بجا
چوں نداری گرد بدخوئی مگرد — زشتِ رُو کو ناز ہو کس بات کا

[1]
بشنو ایں پند از حکیمِ غزنوی — سن حکیمِ غزنوی کا مشورہ
تا بیابی در تنِ کہنہ نوی — جسمِ کہنہ میں نیا پن آئے گا

ایں رباعی را شنو از جان و دل — اس رباعی کو دل و جاں سے سنو
تا بکل بیروں شوی از آب و گِل — تاکہ مشکل سے رہائی پا سکو

پندِ اُو را از دل و جاں گوش کُن — غور سے اس کی نصیحت سن مگر
ہوش را جاں ساز و جاں را ہوش کُن — ہوش کو جاں اور جاں کو ہوش کر

آں حکیمِ غزنوی شیخِ کبیر — وہ حکیمِ غزنوی مردِ صفا
گفتہ است ایں پند نیکو یاد گیر — کہہ گیا جو یاد رکھ اس کو سدا

[1] اگر تم نے حکیم سنائی کے قول پر عمل کیا تو تیرے پرانے جسم میں روحانی تازگی پیدا ہوگی حکیم سنائی کا قول اگلے اشعار میں ہے۔

پیشِ یوسف نازش و خوبی مکن　　رو برو یوسف کے تم نازاں نہ ہو
جز نیاز و آہِ یعقوبی مکن　　عجز سے فریاد یعقوبی کرو

۲

در بہاراں کَے شود سرسبز سنگ　　پتھروں پر ہے کہاں سبزہ اُگا
خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ　　خاک ہو جا گل کھلیں گے خوشنما

۳

سالہا تُو سنگ بودی دلخراش　　سالہا تو دل شکن پتھر رہا
آزموں را یک زمانہ خاک باش　　اک ذرا اب خاک بن کر آزما

۱ یعنی اپنے مطلوب کے سامنے غرور و ناز سے کام نہ لو بلکہ عجز و نیاز دکھاؤ۔
۲ پتھروں پر کہیں بھی سبزہ اور گل بوٹے نہیں اگتے اس لئے یہی مناسب ہے کہ خاک بن جاؤ تا کہ تمہارے اندر سے پھول پیدا ہوں۔
۳ اے انسان تو سالہا سال دل توڑنے والا سخت پتھر بنا رہا اب ذرا خاک بن اور پھر دیکھ تیرے اندر سے کیسے کیسے خوشنما بوٹے رونما ہوتے ہیں اور تیری زندگی کتنی راحت بخش ثابت ہوتی ہے۔

جودوسخا

جود محتاج است و خواہد طالبے　　ہے سخاوت کو طلب محتاج کی
ہمچناں کہ توبہ خواہد تائبے　　جیسے تائب کو ہے توبہ ڈھونڈتی

جود می جوید گدایان و ضعاف　　ہے سخا کو بیکسوں کی جستجو
ہمچو خوباں کائینہ جوید صاف　　آئینہ ڈھونڈے ہے جیسے خُو بُرو

[1]

روئے خوباں ز آئینہ زیبا شود　　آئینہ میں روئے زیبا خوب تر
روئے احساں از گدا پیدا شود　　جیسے بخشش ہے گدا سے باثمر

[2]

چوں گدا آئینہ جود ست ہاں　　ہے گدا جود و سخا کا آئینہ
دَم بود بر روئے آئینہ زیاں　　آئینہ پر پھونکنا ہے ناروا

[3]

پس ازیں فرمود حق در والضحیٰ　　والضحیٰ میں ہے یہ حکم ایزدی
بانگ کم زن اے محمدؐ بر گدا　　اہل حاجت کو نہ جھڑکو اے نبیؐ

[4]

آں یکے جودش گدا آرد پدید　　اہل حاجت ہیں کہیں وجہ سخا
ویں دگر بخشد گردایاں را مزید　　اور کہیں ہیں بخششیں بے انتہا

[1] جس طرح حسیں چہرہ آئینہ میں من وعن نظر آتا ہے اسی طرح سخاوت اور احسان کا آئینہ گدا ہے۔ گداسے سخی کو حسن عمل کا ثمر حاصل ہوتا ہے۔ [2] گداسخی کے اعمال کا آئینہ ہے جس طرح پھونک مارنے سے آئینہ دھندلا ہوجاتا ہے اسی طرح گدا بھی جھڑکنے سے رنجیدہ ہوتا ہے لہٰذا مانگنے والے کو جھڑکنا مناسب نہیں۔ اگلے شعر میں اسی سلسلے میں سورۃ والضحیٰ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ [3] سورۃ والضحیٰ میں اللہ تعالیٰ آنحضورؐ سے فرماتے ہیں "سائل کو مت جھڑکو"۔ [4] ایک سخی وہ جس کی سخاوت بھکاری سے نمایاں ہوتی ہے اور دوسرا سخی وہ جو بھکاری کو بن مانگے دوگنا عطا کرتا ہے۔

۵

پس گدایاں آئینہ جودِ حق اند	ہیں گدا مظہر خدا کے لطف کا
وانکہ باحق اند جود مطلق اند	حق رسیدہ خود ہیں سر تا پا سخا

۶

وانکہ جز ایں دو بُود خود مردہ است	جو بھی اِن اوصاف کا حامل نہیں
او بریں در نیست نقشِ پردہ است	بار گاہِ حق کے وہ قابل نہیں

۵ فقیر اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کا آئینہ دار ہے اس لئے کہ اس کی وجہ سے انسان سخاوت کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ ایک فقیر وہ ہے جو دست سوال دراز نہیں کرتا، وہ اللہ کی صفت سخا کا مظہر ہے اور ایک فقیر وہ ہے جس کے دل کو اللہ نے غنی کر دیا وہ جود مطلق ہے اور اللہ کی صفت جود اختیار کر چکا ہے۔

۶ جو کوئی جود و سخا کی ان دو اوصاف سے خالی ہے وہ بارگاہِ حق کے لائق نہیں اس لئے کہ اس کا دست سوال غیر اللہ کے آگے دراز ہوتا ہے۔

مرد مومن

مومناں آئینہ یک دیگر اند   ایک مومن دوسرے کا آئینہ
ایں خبر را از پیمبر آوَرند   ہے یہ ارشاد رسولِ مجتبیٰ

۲

پیشِ حشمت داشتی شیشہ کبود   جب سیاہ پردہ ہو آنکھوں پر پڑا
زاں سبب عالم کبودت می نمود   کیوں نہ سب دنیا نظر آئے سیاہ

گر نہ کوری ایں کبودی داں ز خویش   تو نے پیدا کی ہے خود یہ تیرگی
خویش را بد گو مہ گو کس راتو پیش   پھر کسی سے کیوں گلہ کیجئے کبھی

۳

مومن اَز یَنظُر بنُورِ اللہ نبود   نور حق ہے دیدۂ مومن کا نور
عیب مومن را برہنہ چوں نمود   نیک و بد کو دیکھ لیتا ہے ضرور

۴

چونکہ تو یَنظُر بنَارِ اللہ بُدی   تو کہ نار اللہ میں تھا مبتلا
نیکوئی را تو ندیدی از بدی   نیک و بد کو کس طرح پہنچانتا

اندک اندک آب بر آتش بزن   آگ کو نیکی کے پانی سے بجھا
تا شود نارِ تو نور اے بوالحزن   آگ بن جائے گی شعلہ نور کا

تو بزن یا ربّنا آبِ طہور   اے خدا آب کرم برسا کہ یاں
تا شود ایں نارِ عالم جملہ نور   ہو سراسر نور یہ نارِ جہاں

۱ حدیث شریف ہے "ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے" یعنی جس طرح ایک شخص آئینہ میں دیکھ کر اپنی اصلاح کرتا ہے اسی طرح ایک مومن دوسرے مومن کو دیکھ کر اپنے افعال واعمال کی اصلاح کرتا ہے۔ ۲ جب تمہاری آنکھوں پر غفلت اور جہالت کی پٹی بندھی ہے تو پھر تمہیں دوسرے شخص کی خوبیاں کب نظر آئیں گی اور تم دوسرے مومن کی خامیوں سے کس طرح سبق حاصل کر کے اپنی اصلاح کر سکو گے۔ ۳ حدیث شریف ہے "اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ" مومن کی فراست سے ڈرتے رہو وہ اللہ کے نور سے تمہارے سارے عیب دیکھتا ہے۔ ۴ جب کوئی شخص نور خدا کی بجائے نار خدا یعنی صفات نفسانیہ کے ذریعے دوسرے کو دیکھتا ہے تو اسے برائی ہی نظر آتی ہے اور وہ نیک و بد میں تمیز نہیں کر سکتا۔

نماز

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِی اَوْ قَدْ تُمُو   خود لگائی آگ سے دامن بچا
اِنَّکُم فِی الْمَعْصِیَه اِز دَوْ تُمُو   تو گناہوں میں ہے بڑھتا جا رہا

۱

گفت پیمبرؐ بیک صاحب ریا   اک ریا خو سے پیمبرؐ نے کہا
صَلِّ اِنَّکَ لَم تُصَلِّ یا فَتیٰ   جا نماز مخلصانہ کر ادا

۲

از برائے چارۂ ایں خوفہا   ہے مداوا گمرہی کے خوف کا
آمد اندر ہر نمازے اِھدِنَا   ہر رکعت میں اِھدِنَا کی التجا

کیں نمازم را میامیز اے خدا   اے خدا میری نمازوں کو سدا
با نماز ضالّین اہلِ ریا   گمرہی سے ظاہری پن سے بچا

۱ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رکوع و سجود صحیح طرح ادا کیے بغیر نماز ادا کی اور حضورؐ کی خدمت میں آ کر سلام عرض کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ جاؤ دوبارہ نماز ادا کرو۔ اس طرح اسے تین بار یہ عمل دہرانا پڑا۔ پھر آنحضورؐ نے اسے نماز ادا کرنے کا صحیح طریقہ بتایا۔ ارکان نماز کو صحیح طریقے سے ادا نہ کرنا ریاکاری تو نہیں لیکن چونکہ اس شخص نے ادائیگی نماز میں آدابِ نماز کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا لہٰذا مولانا نے اس کی نماز کے عمل کو دکھاوے سے تعبیر کیا۔

۲ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھی جاتی ہے جس میں "اھدنا الصراط المستقیم" کے الفاظ دہرائے جاتے ہیں یعنی "اے خدا ہمیں سیدھا رستہ دکھا" یہ دعا ہمارے دل میں گمرہی کے خوف کی غماز اور ہماری مغفرت کا وسیلہ ہے۔

ادب و بے ادبی

از خدا جوئیم توفیقِ ادب   حق سے توفیق ادب کی ہے دعا
بے ادب محروم ماند از فضلِ رب   بے ادب پر کب ہوا فضل خدا

بے اَدب تنہا نہیں خود را داشت بد   بے ادب خود بھی تباہ ہوتا ہے اور
بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد   ہر طرف لاتا ہے بربادی کا دور

ہر چہ آید بر تو از ظلماتِ غم   جب بھی چھائی رنج و غم کی تیرگی
آں ز بے باکی و گستاخی ست ہم   اس کا باعث بے ادب کی سرکشی

از ادب پر نور گشت ست ایں فلک   ہے ادب سے ہی فلک بھی تابناک
وز ادب معصوم و پاک آمد ملک   اور ادب سے ہی ملک معصوم و پاک

ہر کہ گستاخی کند اندر طریق   بے ادب راہ طریقت کا سدا
گردد اندر وادیٔ حیرت غریق   حیرت و غم میں رہے گا مبتلا

تعلیمات اسلامی میں بچوں سے پیار اور بڑوں سے ادب کے ساتھ پیش کے کی تاکید کی گئی ہے۔
ادب انسان کی طبیعت میں شائستگی اور حسن اخلاق کی عکاسی کرتا ہے۔ بلاشعبہ با ادب بانصیب اور بے ادب بے نصیب ہوتا ہے۔
با ادب کے طور طریقوں کی عموی پسندیدگی حاصل ہوئی اور بے ادب کو ہر کوئی ناپسند کرتا ہے۔

۱

ایں جَسد خانہ حَسد آمد بداں — جسم انساں ہے حسد کی کار گاہ
کز حَسد آلودہ گردد خانداں — گھر کا گھر ہوتا ہے اس میں مبتلا

۲

خانمانہا از حَسد گردد خراب — کیسے کیسے گھر کئے اس نے تباہ
بازِ شاہی از حَسد گردد غُراب — بن گیا شہباز بھی مرغ سیاہ

وَر حَسد گیرد ترا در راہ گلو — جب حسد سے ہو ترا جینا محال
در حَسد ابلیس را باشد غُلو — بے گماں شیطان ہی کا ہے کمال

چوں کُنی با بے حَسد مکر و حَسد — بے حسد سے کر گیا مکرو حسد
زاں حَسد دل را سیاہیہا رسد — دل ترا تیرہ رہے گا تا ابد

خاکِ شو مردانِ حق را زیر پا — بندگان حق کی خاک پا بنو
خاک بر سرکن حَسد را ہمچو ما — اور حسد کو زیرِ خاک پا کرو

۱ مولانا فرماتے ہیں کہ حسد ایک باطنی مرض ہے جو انسان کے اندر پیدا ہوتا ہے اور جب یہ مرض دل میں پیدا ہوجائے تو اس کے مضر اثرات سے انسان کے حواس متاثر ہوتے ہیں۔ اس کے اعمال و اقوال حسد کے منفی اثرات سے زہر آلود ہوتے ہیں اور وہ مثبت و متوازن سوچ سے محروم ہوجاتا ہے۔ ۲ حسد انسان کے باطنی خصائل کو تباہ و برباد کردیتا ہے۔ اسی لئے حضورؐ نے فرمایا کہ "ایاکم والحسد فان الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب" یعنی حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح تباہ کردیتا ہے جس طرح آگ ایندھن کو تباہ کردیتی ہے۔

جب ہوئے بیمار

۱

زاریِ ما شد دلیلِ اضطرار　　عاجزی اپنی دلیل اضطرار
خجلتِ ما شد دلیلِ اختیار　　شرمساری ہے دلیل اختیار

حسرت و زاری کہ در بیماری است　　وقت بیماری سراپا عاجزی
وقتِ بیماری ہمہ بیداری است　　وقت بیماری سراپا بندگی

آں زماں کہ میشوی بیمار تو　　جب کبھی ہو جائے ہے بیمار تو
می کنی از جزم استغفار تو　　روز و شب کرتا ہے استغفار تو

می نماید بر تو زشتیِ گناہ　　جب ملی تجھ کو گناہوں کی سزا
می کنی نیت کہ باز آیم بَرہ　　قول و پیماں نیک رہنے کا کیا

۲

پس یقین گشت آنکہ بیماری ترا　　پس ہوا ثابت کہ بیماری تری
می بی بخشد ہوش و بیداری ترا　　ہوش و بیداری ہے تجھ کو بخشی

عہد و پیماں می کنی کہ بعد از ایں　　عہد کرتا ہے خدا سے صبح و شام
جز کہ طاعت کے کنم کارے چنیں　　جز عبادت کے نہ ہوگا کوئی کام

۱ عاجزی ہماری مجبوری کی دلیل اور گناہوں پر شرمندگی ہمارے اختیار کی علامت ہے۔ ۲ بیماری کی حالت میں انسان اللہ تعالیٰ سے معافی کا خواستگار ہوتا ہے اور انتہائی عجز و انکسار سے وعدہ کرتا ہے کہ شفایاب ہو کر نیک زندگی بسر کریگا لیکن صحت مند ہونے کے بعد وہ پھر دنیاوی خرابیوں کا شکار ہوجاتا ہے۔ لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ بیماری اور مشکلات انسان کو پاکیزہ بنانے کا وسیلہ ہیں۔

لے

پس بداں ایں اصل را اے اصل جو   یہ حقیقت جان لے اے راز جو
ہر کرا دردست اور بر دست بُو   جو ہے اہل درد وہ ہے سرخرو

۲ے

اے خدا بنما تو جاں را آں مقام   اے خدا مجھ کر عطا کر وہ مقام
کاندرو بے حرفی می روید کلام   ہو جہاں آزاد لفظوں سے کلام

لے زندگی کی حقیقت کی جستجو کرنیوالے کو یہ جان لینا چاہیے کہ اس دنیا میں اسی کو عزت و مرتبہ حاصل ہوگا جو صاحب درد ہوگا۔ جس کے دل میں مخلوق خدا کا درد اور جستجوئے حق کی تڑپ ہوگی۔

۲ے اے خدا مجھے وہ مقام عطا فرما جہاں زبان سے الفاظ ادا کرنے کی بجائے دل سے آواز نکلے اور تیرے حضور پہنچے۔ یہ مقام ان اشرف السالکین کا ہے جو فنائی اللہ ہوتے ہیں اور جن کی ایک نگاہ چور کو ولی اور پتھر کو گہر بنا دیتی ہے۔

بندۂ ناچیز

پس کجا زارد کجا نالد لئیم   یہ برے روئیں کہاں تڑپیں کہاں
گر تو نپذیری بجز نیک اے کریم   ہو اگر اچھوں پہ ہی تو مہرباں

سر کجا بہد ظلومِ شرمسار   سر جھکائیں کس جگہ یہ شرمسار
جز بدرگاہِ تو اے آمرزگار   اک ترے در کے سوا اے کردگار

لطفِ شہ جاں را جنایت جُو کند   کی خطا شہ کے کرم کی آس پر
زانکہ شہ ہر زشت رانیکو کند   وہ کہ جو کرتا ہے بد کو نیک تر

رُو مکن زشتی کی نیکیہائے ما   [1] کیوں گناہ کیجئے کہ اپنی نیکیاں
زشت آید پیشِ آں زیبائے ما   اسکے آگے بے حقیقت بے نشاں

خدمتِ خود را سزا پنداشتی   تجھ کو اپنی نیکیوں پر ناز تھا
تو لوائے جرم ازاں افراشتی   اس لئے جرم و خطا کرنے لگا

چوں ترا ذکر و دعا دستور شد   تو کہ کرتا ہے سدا ذکر و دعا
زاں دعا کر دن دلت مغرور شد   ہو گیا ہے اس پر نازاں دل ترا

ہم سخن دیدی تو خود را با خدا   [2] تجھ کو ہے قرب الٰہی کا گماں
اے بسا کو زیں گماں افتد جدا   حق سے کر دے گا جدا تیراں گماں

[1] خدا کی رحمت کے بھروسے پر گناہ کرنا مناسب نہیں ۔ ہماری نیکیاں بھی اس کے شایان شان نہیں ۔

[2] جسے اپنی نیکیوں پر اتنا ناز ہو کہ اسے قرب الٰہی کا گمان ہونے لگے تو یہ گمان اللہ سے دوری کا سبب بن جاتا ہے۔

۱

گر چہ با تو شہ نشیند بر زمیں   گر زمیں پر شہ ہو تیرا ہمنشیں
خویشتن بشناس و نیکو تر نشیں   تم ہو کیا یہ بھول مت جانا کہیں

مردِ حق سے نسبت

چوں شدی دور از حضورِ اولیا   جب ہوئے تم اولیا سے دور دور
در حقیقت گشتۂ دور از خدا   ہوگئے ذات خدا سے دور دور

۲

چوں نتیجہ ہجرِ ہمراہاں غم ست   گر تمہیں ہے فرقت یاراں کا غم
کے فراقِ روئے شاہاں زاں کم ست   کم نہیں کچھ دوری پاکاں کا غم

سایۂ شاہاں طلب ہر دم شتاب   سایۂ شہ کی ہو ہر دم آرزو
تا شوی زاں سایہ بہتر ز آفتاب   تا کہ سورج سے بھی روشن تر ہو تو

رو بجُسپ اندر پنا ہے مُقبلے   جا کسی مرد صفا کی لے پناہ
بو کہ آزادت کند صاحبدلے   تا کہ پائے حرص دنیا سے پناہ

گر سفر داری بدیں نیت برو   گر سفر کرنا ہے اس نیت سے کر
در خضر باشد ازیں غافل مشو   ہر جگہ پر وہ رہے پیش نظر

۱ اپنی نیکوکاری کے باعث خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ اگر تمہارا شیخ زہد و تقویٰ کے باوجود عجز و انکسار سے کام لیتا ہے تو تمہیں بھی ایسا ہی کرنا چاہیے۔

۲ اگر دنیاوی احباب کی جدائی کا غم ہے تو پھر اللہ والوں سے دوری کا غم اس سے کم نہیں ہونا چاہیے۔

در بدر می گرد و می رد گو بگو [1]	در بدر جا اور جا تو کو بکو
جستجو کن جستجو کن جستجو	جستجو کر جستجو کر جستجو
تا توانی ز اولیاء رُو بَر متاب	کچھ بھی ہو تو اولیاء سے منہ نہ موڑ
جہد کن واللہُ اَعلم بالصواب	کم کر اس کا صلہ اللہ پہ چھوڑ

نیت وارادہ

سوئے مکہ شیخِ اُمّت با یزید	بایزیدِ شیخ امت جب ملے
از برائے حج و عمرہ می دوید	سوئے مکہ حج و عمرہ کے لئے
اُو بہر شہرے کہ رفتے از نُخست	وہ سفر میں جس جگہ جاتے وہاں
مَر عزیزانِ خدا را باز جُست	اہل حق کی جستجو کرتے وہاں
گِرد می گشتے کہ اندر شہر کیست	ڈھونڈتے پھرتے کہ مل جائے کہیں
کُو بَر اَرکانِ بصیرت متکی ست	ہو جسے اہلِ طریقت پہ یقیں
گفت حق اندر سفر ہر جا روی	حکمِ رب ہے تم سفر میں ہر جگہ
باید اوّل طالبِ مردے شوی	سب سے پہلے اہل حق کو ڈھونڈنا

[1] اللہ تعالیٰ کی تلاش میں سختیاں بھی برداشت کرنی پڑیں تو برداشت کرو لیکن اس کی جستجو کرتے رہو اسلئے کہ جب ملک دو جہاں مل گیا تو گویا سب کچھ مل گیا۔

[1]

قصد گنجے کن کہ ایں سود و زیاں
در تبع آید تو آں را فرع داں

جب خزانہ ہو سفر کا مدعا
اور بھی ملتا ہے اس کے ماسوا

ہر کہ کارد قصدِ گندم باشدش
کاہ خود اندر تبع می آیدش

جو بھی گندم کاشت کرتا ہے اسے
ساتھ کچھ بھوسا بھی ملتا ہے اسے

گر بکاری جو نیاید گندمے
مردَ مے جُو مردَمے جُو مردَمے

جو سے ہو گندم کی کیونکر آرزو
جستجو کر مرد حق کی جستجو

قصدِ کعبہ کن چو وقتِ حج بُود
چونکہ رفتی مکہ ہم دیدہ شَوَد

وقت حج تو قصد کعبہ کر وہاں
شہر مکہ دیکھ لے گا بے گماں

قصد در معراج دید دوست بُود
در تبع عرش و ملائک ہم نمود

دید جاناں کو گئے معراج پر
آگئے عرش و ملائک بھی نظر

[2]

سید الاعمالُ بالنیات گفت
نیت خیرت بسے گلہا شگفت

ہر عمل نیت سے ہے قولِ نبیؐ
کھل اٹھے گُل نیک تھی نیت تری

[3]

نیت مومن بود بہ از عمل
ایں چنیں فرمود سلطانِ دُوَل

نیت مومن عمل سے خوبتر
ہے یہی ارشادِ شاہِ بحر و بر

---

[1] اگر سفر کا مقصد خزانہ یعنی ولی اللہ کی تلاش ہو تو دوران سفر دوسرے فائدے بھی حاصل ہو گئے۔ یعنی سفر کی سختیوں سے صبر و رضا کی خو پیدا ہوگی۔
[2] آنحضورؐ نے فرمایا ہے انما الاعمال بالنیات یعنی اعمال کا دارومدار نیت پر ہوگا۔ جیسی نیت ہوگی ویسا ہی اس عمل کا نتیجہ ہوگا۔
[3] حدیث نبویؐ ہے کہ نیۃ المومن خیر من عملہ و عمل المنافق خیر من نیتہ یعنی مومن کی نیت عمل سے بھی بہتر ہوتی ہے اور منافق کا عمل نیت سے بہتر ہوتا ہے۔ یعنی منافق جو عمل کرتا ہے اسکی نیت فاسد ہوتی ہے۔

نیک و بد کی پہچان

چوں محمدؐ را ابوبکرِ نکو — دیکھتے ہی مصطفیٰؐ کی نیک خو
دید صدقش گفت ھذا صادق — کہہ اٹھے ابوبکرؓ یہ ہے راست گو

لے

چوں نہ بد بوجہل از اصحابِ درد — بو جہل جو صاحب ایماں نہ تھا
دید صد شق القمر باور نہ کرو — دیکھ کر سو معجزے بے دیں رہا

درد مندے کش زبام افتاد طشت — طالب حق رہ نہیں سکتا نہاں
زُو نہاں کردیم حق پنہاں نگشت — اس پہ ہیں اسرارِ حق سارے عیاں

وانکہ اُو جاہل بُد از دردش بعید — رہ گیا جاہل ہی حق نا آشنا
چند بنمودیم و اُو آں را ندید — دیکھ کر سب کچھ بھی حق نا آشنا

آئینہ دل صاف باید تا دَرُو — صاف ہو گر تیرے دل کا آئینہ
وا شناس صورت زشت از نِکو — سہل ہوگا نیک و بد کا جانچنا

لے ابوجہل جس کا دل ایمان کی روشنی سے منور نہ تھا، شق القمر کا معجزہ دیکھ کر بھی آنحضورؐ کی رسالت کا قائل نہ ہوا۔

نیک و بد

۱

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر   تو نہیں ہے پاکبازوں کی نظیر
گرچہ باشد در نوشتن شیر شِیر   گو کہ لکھنے میں ہیں یکساں شیر و شِیر

شِیر آں باشد کہ مرد اور را خُورد   شِیر جو پیتا ہے انساں صاف و پاک
شیر آں باشد کہ مردم را دَرَد   شیر جو کرتا ہے انسانوں کو چاک

۲

جملہ عالم زیں سبب گمراہ شدہ   ہاں اسی باعث جہاں گمراہ ہوا
کم کسے زِبدالِ حق آگاہ شدہ   کم ہی پہنچانے کسی نے اولیاء

۳

اشقیاء را دیدۂ بینا نہ بود   وہ شقی تھے چشم بینا کے بغیر
نیک و بد در دیدہ شاں یکساں نمود   ایک تھے ان کی نظر میں شر و خیر

۴

ہمسری با انبیاء برداشتند   کی انہوں نے انبیاء سے ہمسری
اولیاء را ہمچو خود پنداشتند   خود کو سمجھا اولیاء جیسا کوئی

۱ اگرچہ بظاہر شیر اور شِیر یکساں لکھے جاتے ہیں لیکن انکی خصائل میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اسی طرح مرشد حقیقی اور مرشد ظاہری میں بھی بہت فرق ہوتا ہے چاہے ان کی ظاہری شکل وصورت یکساں ہوں۔ ۲ ظاہری اولیاء کو دیکھ کر اکثر لوگ گمراہ ہوجاتے ہیں اس لئے کہ وہ انہیں پہچان نہیں سکتے اور ان پر حقیقی اولیاء کا گمان کر بیٹھتے ہیں۔ ۳ ایسے لوگ اچھے اور برے میں تمیز نہیں کرسکتے۔ اسلئے کہ وہ نیکی اور بدی کو پرکھنے کی قوت نہیں رکھتے۔ ۴ ظاہری اولیاء نے حقیقی اولیاء کی برابری کا دعویٰ کیا اور کہا کہ جس طرح وہ کھاتے پیتے ہیں اسی طرح ہم بھی کھاتے پیتے اور سوتے جاگتے ہیں۔ لیکن وہ اپنے اور حقیقی اولیاء کے درمیان واضح فرق کو پہچاننے سے قاصر تھے۔ اب اس نکتہ کی وضاحت کیلئے مولانا آئندہ شعروں میں مختلف مثالیں پیش کرتے ہیں۔

۱

گفتہ اینک ما بشر ایشاں بشر — اور کہاں وہ بھی ہیں انسان ہم بھی ہیں
ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خُور — وہ بھی خواب وخور کے خواہاں ہم بھی ہیں

ایں نہ دانستند ایشاں از عمیٰ — دل کے اندھے تھے سمجھتے کیا بھلا
ہست فرقے درمیاں بے انتہا — فرق ان دونوں میں ہے بے انتہا

۲

ہر دوگوں زنبور خورد از یک محل — اک جگہ سے دو بھڑوں نے رس لیا
لیک زیں شد نیش وزاں دیگر عَسَل — اک ہوا پر زہر اک وجہِ شفا

۳

ہر دو نے خوردند از یک آبخور — نرسلوں نے ایک سا پانی پیا
آں یکے خالی و آں پُر از شکر — ایک ہے بے جاں تو اک شیریں نوا

۱ مصرع اول اس آیت کریمہ سے ماخذ "قالوا آنتم الا بشر مثلنا" کفار نے حضورؐ سے کہا تم بھی ہماری طرح بشر ہو۔ دوسرے مصرع میں اس آیت کا حوالہ ہے وقالو مالھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق لولا انزل الیہ ملک فیکون معہ نذیرا یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا اور بازاروں میں پھرتا ہے۔ اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیج دیا گیا کہ اس کے ساتھ ہوتا اور ڈراتا۔

۲ دو بھڑوں نے ایک جیسا پانی پیا لیکن ایک زہریلا بن گیا اور ایک کے پیٹ سے شہد نکلا جو قرآن حکیم کے مطابق انسانوں کی شفا کا باعث ہے۔

۳ ایک ہی کھیت میں دو نرسلوں نے پانی پیا اور پروان چڑھے لیکن ان میں سے ایک نرسل سے بانسری بنی جس نے سننے والوں کا دل موہ لیا اور دوسرا نرسل یہ کمال حاصل نہ کر سکا تو کسی نے اس کی قدر نہ کی۔

۱

این خورد زاید ہمہ بخل و حسد — ایک کھائے تو حسد ہو جلوہ گر
واں خورد زائد ہمہ نورِ اَحد — ایک سے نور احد ہو جلوہ گر

این زمینِ پاک واں شورست وبد — یہ زمیں سرسبز ہے اور وہ سراب
این فرشتہ پاک و آں دیوست ودَد — ایک انسان نیک ہے اور اک خراب

ہر دو صورت گر بہم ماند رواست — دونوں آتے ہیں ہمیں یکساں نظر
آبِ تلخ و آبِ شیریں را صفاست — چاہے پانی تلخ ہو یا خوش اثر

۲

جز کہ صاحب ذوق کشناسد بیاب — تلخ و شریں ذائقہ کے فرق کو
اوشناسد آبِ خوش از شورہ آب — پاسکے گا وہ جو اہلِ ذوق ہو

۱ دو انسان ایک طرح کی خوراک استعمال کرتے ہیں لیکن ایک کے دل میں حسد پیدا ہوتا ہے جبکہ دوسرے کے دل میں عشقِ الٰہی۔
۲ زندگی کی ان متضاد حقیقتوں کو صرف وہی انسان پہچان سکتا ہے جو اہلِ دل اور صاحبِ نظر ہو۔

قلب مومن

۱

گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است   قول نبویؐ ہے کہ ہے ارشادِ رب
من نگنجم ہیچ درِ بالا وپست   پست و بالا میں سما سکتا ہوں کب

در زمین و آسمان و عرش نیز   یہ زمین و آسماں عرش بریں
من نہ گنجم ایں یقیں داں اے عزیز   بے گماں ان میں سما سکتا نہیں

۲

در دلِ مومن بگنجم اے عجب   کیا عجب مومن کے دل میں بس گیا
گر مرا جوئی دراں دلہا طلب   ڈھونڈنا چاہو تو اس میں ڈھونڈنا

۳

گفت فادخل فی عِبادِی تَلتَقِی   جا مرے بندوں کے دل میں اے فقیہہ
جنۃ مَن رُؤیتی یا مُتَّقِی   پاؤ گے جنت میرے دیدار کی

۴

عرش با آں نور و پہنائِ خویش   بیکراں پر نور عرش با صفا
چوں بدید اُورا برفت از جائے خویش   اس کا جلوہ دیکھ کر بیخود ہوا

۱ حدیث قدسی ہے "لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولا کن یسعنی قلب عبدی المومن" حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مجھے نہ میری زمیں سما سکتی ہے نہ میرا آسمان، ہاں میرے مومن بندے کا دل سما سکتا ہے۔

۲ حق تعالیٰ کا فرمانا ہے کہ اگر مجھے ڈھونڈنا چاہو تو قلب مومن میں ڈھونڈو۔ ۳ قرآن کریم میں ارشادِ ربانی ہے کہ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی یعنی پس داخل ہوجاؤ ہمارے بندوں میں اور داخل ہوجاؤ ہماری جنت میں" مولانا نے اس آیت کریمہ سے یہ مطلب اخذ کیا ہے کہ مومن کے دل میں سما کر دیدار خداوندی کی جنت میں پہنچا جا سکتا ہے۔ یعنی قلب مومن میں اللہ تعالیٰ کا دیدار میسر آسکتا ہے۔ ۴ جب عرش معلی نے اپنی سعت اور پرنور ہونے کے باوجود مردِ مومن کا جلوہ دیکھا تو فرط حیرت سے بےقرار ہوگیا۔

راز

تا توانی پیشِ کس مکشائے راز
بر کسے ایں در مکن زنہار باز

حتی الامکاں راز کو افشا نہ کر
غیر پر اس درکو ہر گز وا نہ کر

چونکہ اسرارت نہاں در دل شود
آں مرادت زود تر حاصل شود

راز گر رکھے گا تو دل میں نہاں
ہو گا اپنے مدعا میں کامراں

[1]

گفت پیغمبر ہر آں کو سرِ نہفت
زود گردد مراد خویش جُفت

راز ہو پنہاں تو ہے قولِ رسول
جلد ممکن ہے مرادوں کا حصول

[2]

دانہ چوں اندر زمیں پنہاں شود
بعد ازاں سرسبزیِ بستاں شود

دانہ جب زیرِ زمیں پنہاں ہوا
کھل اٹھا اور حاصل بستاں ہوا

[1] شرح بحر العلوم میں لکھا ہے کہ اس شعر میں آنحضرت ﷺ کی اس حدیث مبارک کی طرف اشارہ ہے من کتم سرہ حصل مرادہ" یعنی جس نے اپنا راز مخفی رکھا اس کی مراد بر آئی۔"

[2] جو دانہ زمین کے نیچے چھپا رہتا ہے وہی کھل کر خوشنما پھول اور پھل بنتا ہے۔

جذب ہر عنصر جنس خود را کہ در ترکیب آدمی محبس شدہ بغیر جنس

(ہر عنصر کا اپنی اس جنس کو کھینچنا جو دوسری جنس کے ساتھ آدمی کے بناؤ میں رچی بسی ہے)

[1]

خاک گوید خاکِ تن را باز گرد	خاک بولی خاک تن سے لوٹ آ
ترکِ جاں گو سوئے ما آہچو گرد	جان کو اب چھوڑ بھی دے لوٹ آ
جنسِ مائی پیش ما اَولیٰ تری	ہم سے ہو، اچھا ہے گر ہم میں رہو
بہ کہ زاں تن وارہی زیں سو پَری	جسم و جاں کو چھوڑ کر ہم میں رہو
گوید آرے لیک من پابستہ اَم	خاک بولی ہاں مگر پابستہ ہوں
گرچہ ہمچوں تو ز ہجراں خستہ اَم	ہجر سے تیری طرح دل خستہ ہوں
تری تن را بجویند آبہا	جسم کے پانی سے پانی نے کہا
کائے تری باز آ ز غربت سوئے ما	ہم سے کیوں ہے دور ہم میں لوٹ آ
گرمیِ تن را ہمی خواند اثیر	جسم کی گرمی سے بولی آگ بھی
کہ ز ناری راہِ اصل خویش گیر	مجھ سے مل مجھ سے ہے تو پیدا ہوئی
ہست ہفتاد و دو علت در بَدَن	ہیں بہتّر جسم کی بیماریاں
از کششہائے عناصر بے رَسَن	سب عناصر کی کشاکش سے عیاں

[1] ان اشعار میں مولانا جسم انسانی کے اجزائے ترکیبی کی تفصیل بیان کرکے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ان سب کا باہمی ارتباط اس وقت تک قائم ہے جب تک دستِ قدرت کو یہ منظور ہے۔ اگلے اشعار میں وہ روحِ انسانی کا تذکرہ کرتے ہیں جس کا تعلق لامکاں سے ہے جب کہ جسم کا تعلق فرش سے ہے اور روح کا تعلق فرش سے ہے اور روح کی پرواز کے بعد یہ جسم اپنی اصل یعنی زمین میں دفن ہوجاتا ہے۔

علت آید تا بدن را بلسلا　　جسم بیماری میں ہو جب منتشر
تا عناصر یک دگر را واہلا　　سب عناصر کیوں نہ ہوں تب منتشر

چار مرغ اند ایں عناصر بستہ پا　　چاروں عنصر جیسے مرغ بستہ پا
مرگ و رنجوری و علّت پاکشا　　موت و بیماری ہی کرتی ہے رہا

جذبہٗ ایں اصلہا و فرعہا　　اصل و عنصر کی کشش سے ہی سدا
ہر دمے رنجے نہد در جسمِ ما　　ہر مرض ہوتا ہے تن میں رونما

تا کہ ایں ترکیبہا را بر دَرد　　تا کہ وہ سب بندھنوں کو توڑ دے
مرغِ ہر جزوے باصل خود پَرد　　اصل سے ہر ایک عنصر جا ملے

حکمتِ حق مانِع آید زیں عمل　　روکتا ہے یہ عمل دست قضا
جمع شاں دارد بصحت تا اجل　　موت تک رکھتا ہے ان کو ایک جا

گوید اے اجزا اجل مشہود نیست　　موت کب آئے یہ ہے کس کو خبر
پَر زدن پیش از اجل تاں سود نیست　　موت سے پہلے تڑپنا بے اثر

چونکہ ہر جزوے بجوید اِرتفاق　　جب ہر اک جزو وصل چاہے اصل سے
چوں بود جانِ غریب اندر فراق　　روح کا کیا حال ہو گا فصل سے

ل جب جسم کے تمام اجزا اپنے اپنے عنصر سے ملنے کیلئے بےقرار ہیں تو پھر روح جو حساس بھی ہے اصل سے ملنے کیلئے کس قدر بےچین ہوگی۔

متجذب شدن جاں نیز بعالم ارواح

(جان کا بھی عالم ارواح کی طرف کھنچنا)

۱

گوید اے اجزائے پست فرشیم	روح کہتی ہے کہ اے اجزائے فرش
غربتِ من تلخ تر من عرشیم	غم سے نالاں ہوں میری منزل ہے عرش
میلِ تن در سبزہ و آبِ رواں	آب و گل سے شادماں ہے یہ وجود
زاں بود کہ اصلِ اُو آمد ازاں	کیوں نہ ہو ان سے ہوئی اس کی نمود
میلِ جاں اندر حیات و درحی ست	روح کا میلان سوئے آسماں
زانکہ جانِ لامکاں اصلِ وے ست	اصل ہے اس کی وہ روح الامکاں
میلِ جاں در حکمت ست و درعلوم	روح مائل علم و عرفاں کی طرف
میلِ تن در باغ و راغ ست و کروم	جسم مسائل باغ و بستاں کی طرف
میلِ جاں اندر ترقی و شرف	روح مائل عز و ذیشاں کی طرف
میلِ تن در کسبِ اسبابِ علف	جسم مائل سازو ساماں کی طرف

۲

میل عشق آں شرف ہم سوئے جاں	ہے شرف بھی کو بھی تمنا روح کی
زیں یُحب را و یحبوں را بداں	دونوں جانب ہے محبت ایک سی

۱ ان اشعار میں مولانا روح اور جسم کی ترجیحات کا ذکر کرتے ہیں۔ روح کا جھکاؤ عرفانی عناصر کی طرف ہوتا ہے جب کہ جسم کا میلان دنیاوی اشیاء کی طرف۔ ۲ قرآن پاک میں مومنوں کے بارے میں ارشاد ہے کہ "یحبھم و یحبونہ" یعنی خدا ان سے محبت کرتا ہے اور وہ خدا سے محبت کرتے ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ جس طرح روح روحِ اعظم کی طرف مائل ہے اسی طرح روحِ اعظم بھی روح کی طرف مائل ہے۔ شرف (روحِ اعظم)

[1]

گر بگویم شرح ایں بیحد شود — گر کروں تفسیر اس کی میں بیاں
مثنوی ہشتاد من کاغذ شود — مثنوی کی انتہا ہو گی کہاں

حاصل آنکہ ہر کہ او طالب بُود — مختصر یہ جو کوئی طالب ہوا
جانِ مطلوبش بہ و راغب بُود — اس کا خود مطلوب بھی طالب ہوا

[2]

آدمی حیواں نباتی و جماد — آدمی شیدا ہے سب مخلوق کا
ہر مرادے عاشقِ ہر بے مراد — ہے یہ عاشق عاشق و معشوق کا

[3]

بے مراداں بر مرادے می تنند — عشق قرباں حسن پر پروانہ وار
واں مراداں جذبِ ایشاں می کنند — حسن بھی ہے اس کی خاطر جلوہ بار

[1] مولانا فرماتے ہیں کہ اگر یہاں میں روح اور روح اعظم کے اتصال کی بات کروں تو مثنوی بیحد طویل ہوجائے گی لہٰذا مختصر اًیہ کافی ہے کہ جب محبت اپنے محبوب کا صدق سے طالب ہوتو محبوب بھی اس کا طالب ہوتا ہے۔

[2] جب انسان مخلوق خدا سے محبت کرتا ہےتو وہ خالق ومخلوق دونوں کا محبت ہوتا ہے۔

[3] جب عاشق معشوق پر دل وجاں سے فنا رہوتا ہےتو معشوق بھی اس کے خلوص اور صدق وصفا کے باعث اسے اپنے جلوہ سے سیراب کرتا ہے۔

فراق

از فراق ایں خاکہا شورہ شود ۱ کھیتیاں ویراں ہیں پانی کے بغیر
آب زرد و گندہ و تیرہ شود بد مزہ پانی روانی کے بغیر

بادِ جاں افزا وَخَم گردد وبا ہے ہوائے جاں فزا باد فنا
آتشے خاکسترے گردد ہَبا آگ ہے اک ڈھیر اڑتی راکھ کا

۲

باغ چوں جنت شود دارالمرض خلد جیسا باغ بیماری کا گھر
زرد و ریاں برگِ اُو اندر حرض پھول بوٹے زرد و خشک بے ثمر

۳

عقلِ دَرّاک از فراقِ دوستاں ہجر میں عقل رسا اے جانِ من
ہمچو تیر اندازِ اِشکستہ کماں جیسے ٹوٹے تیر والا تیر زن

۴

دوزخ از فرقت چناں سوزاں شدہ است ہجر میں دوزخ بھی ہے شعلہ دہن
بید از فرقت چناں لرزاں شدہ است ہجر میں ہے بید بھی لرزاں بدن

۱ ان اشعار میں مولانا جدائی کے اثرات کا تذکرہ کرتے ہوئے زندگی کے کچھ عام مشاہدات وتجربات بیان فرماتے ہیں۔ مثلاً پانی کے بغیر کھیت ویران ہوتے ہیں اور روانی کے بغیر پانی گدلا اور بدبودار ہوجاتا ہے۔ ہوا صفائی کے بغیر ناموافق اور وبا بن جاتی ہے جبکہ آگ ایندھن کی جدائی سے راکھ ہوجاتی ہے۔ ۲ موسم بہار کی جدائی میں باغ اجڑ کر بیماری کا گھر بن جاتا ہے اور اس کے پتے بیماری سے زرد ہوجاتے ہیں۔ ۳ دوست کی جدائی میں عقل اس طرح مبہوت ہوجاتی ہے جس طرح تیر انداز کمان ٹوٹ جانے سے گم ہوجاتا ہے۔
۴ رحمت خداوندی سے دوری کے باعث دوزخ سراپا آگ ہے اور بید کا درخت طاقت کے بغیر لرزاں ہے۔ ۵ اگر آتش جدائی کا احوال بیان کرنے کی کوشش کروں تو یہ قیامت تک ختم نہ ہوگا۔ اس لئے اسے بیان کرنے کی بجائے بہتر ہے کہ اللہ سے دعا کی جائے کہ وہ جدائی کے عذاب سے بچائے۔

۱

گر بگویم از فراقِ چوں شرار — ہجر سوزاں کا کہوں گر ماجرا
تا قیامت یک بود از صد ہزار — تا قیامت کر نہ پاؤں گا ادا

پس ز شرح سوزِ او کم زن نفس — اس کی گرمی کے بیاں کو چھوڑ دو
رَبِّ سلّم رَبِّ سلّم گوئی و بس — ربِ سلم ربِ سلم ہی پڑھو

ہر چہ از وے شاد گردی در جہاں — آج جس شے سے خوشی پاتا ہے تو
از فراقِ او بیندیش آں زماں — سوچ کل اس سے بچھڑ سکتا ہے تو

۲

زانچہ گشتی شاد بس کس شاد شد — کو ہوئے تیری طرح خوش اور بھی
آخر از وے جست وہمچوں باد شد — کھو گئی وہ شے ہوا بن کر اڑی

۳

از تو ہم بجہد تو دل بروئے مَنِہ — تجھ کو بھی چھوڑے گی اس سے دل نہ جوڑ
پیش ازاں کو بجہد از تُو تو بجہ — پیش ازاں وہ تجھ کو چھوڑے اس کو چھوڑ

۱ دنیا کی ہر خوشی دینے والی چیز آخر جدا کا غم دیتی ہے۔
۲ دنیا میں خوشی پہنچانے والی چیزوں نے بہت سوں کو فراق کے غم میں مبتلا کیا ہے۔
۳ پیش ازاں کہ وہ تجھے چھوڑ دیں بہتر ہے کہ تو ان سے قطع تعلق کر لے۔ اس طرح تم فراق کی تکلیف سے محفوظ رہو گے۔

نفی و اثبات

[1]

نفیِ آں یک چیز و اثباتش رواست   ہیں بجا اک شے کے اثبات و نفی
چوں جہت شد مختلف نسبت دوتاست   رخ جو بدلا منقسم نسبت ہوئی

[2]

مَا رَمَیۡتَ اِذۡ رَمَیۡتَ از نسبت است   تو نہ پھینکے تو ہی پھینکے ہے درست
نفی و اثبات ہر دو مثبت است   معجزہ نسبت کا ہے پس ہے درست

آں تو افگندی جو بر دستِ تو بود   تو نے ہی پھینکا کہ تیرا ہاتھ تھا
تو نیفگندی کہ قوت حق نہ بود   ہاں مگر قوت تو تھی دادِ خدا

زورِ آدم زادہ را حدّے بُوَد   زورِ انسان کی بھی حد ہے پھر بھلا
مشتِ خاک اشکستِ لشکر کے شود   کیسے مشتِ خاک سے لشکر مٹا

مشت مشت تست و افگندن زماست   تیری مٹھی تھی پہ پھینکا ہم نے تھا
زیں دو نسبت نفی و اثباتش رواست   پس نفی اثبات دونوں ہیں بجا

[1] ایک ہی چیز کی نفی اور اثبات درست ہے۔ لہٰذا جب جہت بدل گئی تو نسبتیں دو ہو گئیں۔

[2] جنگِ بدر میں آنحضورؐ نے ایک مٹھی بھر مٹی دشمنوں کی طرف پھینکی جس سے وہ اندھے ہوئے اور شکست یاب ہوئے۔ چونکہ آنحضورؐ نے اپنے ہاتھ سے وہ مٹی پھینکی تھی تو پھینکنے کی نسبت آنحضورؐ کی طرف کی گئی اور چونکہ پھینکنے سے وہ کام ہوا جو آنحضورؐ کا ذاتی نہیں تھا اس لئے پھینکنے کی آنحضورؐ سے نفی کر دی گئی کیونکہ پھینکنے کی قوت ذاتِ حق نے عطا کی تھی۔

یعرفون الانبیاء اضدادھم — جانتے ہیں انبیاء کو مشرکیں
مثل ما لا یشتبہ اولادھم — جیسے ہو اولاد پر اپنی یقیں

ہمچو فرزندان خود دانند شاں — ان کو وہ پہچانتے ہیں بے گماں
منکراں باصد دلیل و صد نشاں — دیکھ کر واضح دلیلیں اور نشاں

لیک از رشک و حسد پنہاں کنند — پر حسد سے کچھ بیاں کرتے نہیں
خویشتن را بر ندانم می زنند — بے خبر بنتے ہیں گو ہوتے نہیں

تدبیر کار

۱

آں یکے یارے پیمبرؐ را بگفت   اک صحابیؓ نے پیمبرؐ سے کہا
کہ منم در بیعہا با غبن جفت   باعثِ نقصاں ہے ہر اک معاملہ

فکر ہر کس کو فروشد یا خرد   جس سے بھی سودا کیا میں نے کبھی
ہمچو سحر ست و ز راہم می بُرد   لوٹتا ہے جیسے جادوگر کوئی

گفت در بیعے کہ ترسی از غرار   کی ہدایت خوف گر دھوکے کا ہو
شرط کن سہ روز خود را اختیار   تین دن تک فیصلہ کا وقت لو

۲

کہ تأنّی ہست از رحمٰں یقیں   ست گامی حکم ہے رحمٰن کا
ہست تعجیلت ز شیطانِ لعیں   جلد بازی کام ہے شیطان کا

پیشِ سگ چوں لقمۂ ناں افگنی   پھینک کر کتے کو لقمہ دیکھ لو
بُو کند آنگہ خورد اے معتنی   سونگھتا ہے پہلے پھر کھاتا ہے وہ

۱ حدیث شریف میں ہے کہ حبد بن عباسؓ نے آنحضورؐ سے عرض کیا کہ میں کاروباری ہوں اور جب معاملہ کرتا ہوں تو دھوکہ کھا جاتا ہوں۔ آنحضورؐ نے فرمایا کہ معاملہ کرتے وقت یہ کہہ دیا کرو لا خلابۃ ولی الخیار ثلاثۃ ایام یعنی دھوکہ نہ ہو مجھے تین دن تک کا اختیار ہے۔

۲ حدیث شریف میں ہے کہ التانی من الرحمٰن والعجلۃ من الشیطان یعنی توقف کرنا اللہ کی جانب سے اور جلدبازی کرنا شیطان کی جانب سے ہے۔

اُو بہ بینی بُو کند ما با خرد
رَو بُبولیش خوش بعقلِ منتقد

ناک سے سونگھے ہے وہ ہم عقل سے
جا پر کھ لے اس کہ پہیم عقل سے

باتَانی گشت موجود از خدا
تا بشش روز ایں زمین و چرخہا

حق نے کی پیدا زمین و آسماں
چھ دنوں میں رفتہ رفتہ بے گماں

ورنہ قادر بود کز کُن فیکوُن
صد زمین و چرخ آوردے بروں

ورنہ قادر تھا کہ کن فیکون سے
سو زمین و آسماں پیدا کرے

آدمی را اندک اندک آں ہمام
تاچہل سالش کند مردِ تمام

رفتہ رفتہ آدمی کو بھی وہ رب
پختہ کرتا ہے چہل سالہ ہو جب

گرچہ قادر بود کا ندر یک نفس
از عدم پراں کند پنجاہ کس

ورنہ قادر ہے کہ اک لمحہ میں ہی
بخش دے پچاس تن کو زندگی

بود عیسیٰ را دمے کز یک دعا
بے توقف زندہ کر دے مردہ ہا

تھا دم عیسیٰ کہ حاصل یہ کمال
زندگی دم بھر میں کر دیتا بحال

خالقِ عیسیٰ نہ بتواند کہ اُو
بے توقف مردم آرد تو بتو

خالق عیسیٰ کو پھر مشکل ہے کیا
انگنت انساں کرے پیدا سدا

ایں تانی از پئے تعلیم تُست
کہ طلب آہستہ باید بے شکست

سیکھ لے تو رب سے آہستہ روی
ہو طلب کم کم مگر پہیم تری

حکایت آں واعظ کہ در آغاز ہر وعظ دعائے خیر برائے مفسدین و ظالمین کردے (قصہ اس واعظ کا جو ہر وعظ کے شروع میں مفسدوں اور ظالموں کیلئے دعائے خیر کرتا)

[۱]

آں یکے واعظ چو بر تخت آمدے — ایک واعظ بر سر منبر سدا
قاطعانِ راہ را داعی شدے — ڈاکوؤں کے واسطے کرتا دعا

دست بر می داشت یا رب رحم داں — ہاتھ پھیلا کر وہ کرتا التجا
بر بدان و مفسدان و طاغیاں — رحم کر ان مفسدوں پر یا خدا

بر ہمہ تسخر کناں و اہل خیر — ان بروں ایذا رسانوں پر سدا
بر ہمہ کافر دلان و اہل دیر — کافروں پر بت پرستوں پر سدا

[۲]

می نکردے او دعا بر اصفیا — وہ نہ دیتا نیک لوگوں کو دعا
می نکردے جز خبیثاں را دعا — مستحق ہوتے فقط اہل خطا

مرو را گفتند کایں معہود نیست — یہ غلط ہے اس سے لوگوں نے کہا
دعوتِ اہل ضلالت جود نیست — لائق احساں نہیں گم کردہ راہ

[۱] بیان کیا جاتا ہے کہ یہ واعظ ایک تاجر تھا۔ ڈاکوؤں نے اس کا مال لوٹا تو اُس نے خدا سے گریہ وزاری شروع کر دی۔ اس پر اُس کو یا قت تیمی نے کہا کہ مال کے لٹ جانے پر اس قدر گریہ وزاری کرتا ہے اور عمر کے برباد ہونے کا کوئی خیال نہیں۔ اس تنبیہ سے یہ تاجر اللہ کی طرف متوجہ ہو گیا اور یوں ڈاکوؤں کی لوٹ مار نے اس کی اصلاح کر دی۔

[۲] چونکہ وہ ڈاکو اللہ کو یاد کرنے کا سبب بنے اس لئے اس کے محبوب اور دعا کے مستحق ٹھہرے۔

گفت نیکوئی ازیںہا دیدہ ام	وہ ہیں نیکی کا سبب اس نے کہا
من دعا شاں زیں سبب بگزیدہ ام	اس لئے دیتا ہوں میں ان کو دعا
خبث و ظلم و جور چنداں ساختند	مجھ پہ توڑے وہ ستم، کی وہ جفا
کہ مرا از شر بخیر انداختند	میں برے کاموں سے تائب ہو گیا
ہر دمے کہ رو بہ دنیا کردمے	جب کبھی کی میں نے دنیا کی طلب
من ز ایشاں زخم و ضربت خوردمے	مجھ پہ وہ کرتے بہت غیض و غضب
کردمے از زخم آں جانب پناہ	کج روی سے مجھ کو مل جاتی پناہ
باز آوردندمے گرگاں براہ	بھیڑیوں کا ظلم دکھلاتا تھا راہ
چوں سبب ساز صلاح من شدند	وہ ہیں جب میری نکو کاری کا راز
پس دعا شاں بر من است اے ہوشمند	کیوں نہ دوں ان کو دعا بندہ نواز

لے

بندہ می نالد بحق از درد و نیش	حق سے جب فریاد کرتا ہے کوئی
صد شکایت می کند از درد خویش	شکوہ بیداد کرتا ہے کوئی
حق ہمی گوید کہ آخر رنج و درد	حق یہ فرماتے ہیں تم اس درد سے
مر ترا لابہ کناں و راست کرد	خوش خصال و نیک و منت کش ہوئے

لے اس حکایت کے بعد اب مولانا فرماتے ہیں کہ جب انسان کسی رنج و مصیبت کا اللہ سے شکوہ کرتا ہے تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہارا شکوہ بے جا ہے۔ یہ مصیبت تو تجھے میری طرف متوجہ کرنے کا باعث بنی ہے۔

۱

این گلہ زاں نعمتے کن کت زند   ایسی نعمت کا کرو شکوہ ضرور
از درما دور و مطرودت کند   جو تمہیں لے جائے میرے در سے دور

۲

درحقیقت ہر عدو داروئے تست   تیرا دشمن ہی ترے غم کی دوا
کیمیائے نافع و دلجوئے تست   نفع بخش و دلپذیر و کیمیا

کہ ازو اندر گریزی در خلا   وہ بناتا ہے تجھے خلوت گذار
استعانت جوئی از لطفِ خدا   تو طلب کرتا ہے لطفِ کردگار

در حقیقت دوستانت دُشمنند   درحقیقت دوست ہیں دشمن ترے
کہ ز حضرت دور و مشغولت کنند   ذات حق سے دور کرتے ہیں تجھے

۳

ہست حیوانے کہ نامش اُسغر ست   ہاں وہ اک حیواں ہے اسغر نام کا
کو بزخمِ چوب زفت ولمتر ست   مار سے لاٹھی کے ہوتا ہے سوا

تا کہ چوبش میزنی بہ می شود   مار سے لاٹھی کی ہے وہ پھیلتا
اُو زِ زخمِ چوب فربہ می شود   چوٹ سے لاٹھی کی ہوتا ہے سوا

۱ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم شکوہ اس نعمت کا کرو جو تمہیں میری یاد سے غافل کردے۔

۲ چونکہ تیرا دشمن تجھے دکھ پہنچا کر تجھے اللہ کی طرف متوجہ کرنے کا سبب بنتا ہے اس لئے درحقیقت وہ تیرا دوست اور تیرے لئے کیمیا ہے۔

۳ اسغر کو اردو میں "سی" کہتے ہیں۔ اسے اگر لاٹھی ماری جائے تو وہ بدن کو زیادہ مضبوط اور موٹا کر لیتا ہے۔

نفس مومن اُسفرے آمد یقیں　　نفس مومن بھی ہے اسفر کی طرح
کو بزخم و رنج زفت ست وسمیں　　رنج و غم سہ کر توانا ہو سدا

زیں سبب بر انبیا رنج و شکست　　اس لئے ہے انبیاء پر رنج و غم
از ہمہ خلقِ جہاں افزوں ترست　　اہل دنیا سے فزوں تر لا جرم

تا زِ جانہا جانِ شاں زفت تر　　ان کی جاں سب سے قوی تر ہو گئی
کہ ندیدند آں بلا قومے دگر　　ان سے بڑھ کر کب ہوا کوئی دکھی

٢

آدمی را پوستِ نا مدبوغ داں　　آدمی اک بے دباغت کھال ہے
از رطوبت ہا شدہ زشت وگراں　　جو نمی سے بد نما بد حال ہے

تلخ و تیز و مالشِ بسیار دہ　　اس کو مالش اور دوا سے صاف کر
تا شود پاک و لطیف و با مزہ　　تا کہ ہو وہ خوب سے بھی خوب تر

٣

ور نمی تانی رضا دہ اے عیار　　یہ نہ کر پائے تو خوش ہو کر اٹھا
کہ خدا رنجت دہد بے اختیار　　بارگاہ حق سے ہو جو غم عطا

١ مومن کا نفس بھی سختیاں برداشت کرکے قوی ہو جاتا ہے۔

٢ آدمی ایک کچے چمڑہ کی طرح ہے جو فاسد رطوبتوں سے بدنما اور بدبو دار رہتا ہے۔ جسے پاک و صاف کرنے کے لیے صبر آزما مجاہدے کی ضرورت ہوتی ہے۔

٣ اگر انسان اپنے اختیار سے مجاہدے کی سختی برداشت نہیں کر سکتا تو اُسے آسمانی مشکلات پر صبر کرنا چاہیے۔ یہ مصائب اس کے مجاہدے کا بدل ہوں گے۔

که بلائے دوست تطهیر شماست — ہو گا تُو پاکیزہ دردِ یار سے
علم اُو بالائے تدبیر شماست — علمِ حق بہتر ترے افکار سے

[1]

چوں بلا بیند بلا شیریں شود — جاں ہو جس سے پاک وہ غم ہے خوشی
خوش شود دارد چو صحت بیں شود — جو شفا دے وہ دوا ہے زندگی

قربِ حق

[2]

تو توہم می کنی از قربِ حق — تو ہے کیوں قربِ خدا سے بے یقیں
که طبق گر دور نبود از طبق — دور برتن ساز برتن سے نہیں

ایں نمی بینی که قربِ اولیاء — اولیاء کو قربِ حق سے ہی ملی
صد کرامت دارد و کارد کیا — شان بھی شوکت بھی اور اعجاز بھی

[3]

آہن از داؤدؑ موے می شود — دی وہ قدرت ہاتھ میں داؤدؑ کو
موم در دستت چو آہن می بُود — موم ہو لوہا تو لوہا موم ہو

[1] جب آسمانی مصائب سے انسان اپنی باطنی صفائی محسوس کرتا ہے تو یہی مصیبت اس کیلئے راحت بن جاتی ہے۔

[2] تو قربِ الٰہی کے بارے میں کیوں بے یقینی میں مبتلا ہے اللہ تعالیٰ تو تیری شہ رگ سے بھی قریب ہے اگر باطن صاف ہو تو انسان اس قرب کو محسوس کر سکتا ہے کیا کوئی برتن بنانے والا اپنے برتن سے دور ہو سکتا ہے برتن کا وجود اس کے کمال اور برتن سے اس کی محبت کا مظہر ہے

[3] حضرت داؤدؑ کو جو قربِ الٰہی حاصل تھا اس کے باعث ان کے ہاتھ میں لوہا موم بن جاتا تھا اور موم لوہا یہ بات محض خاصیت اور خلقیت سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ قربِ الٰہی سے پیدا ہوتی ہے

۱

قرب حق و رزق بر جملہ ست عام　　قرب حق اور رزق حق سب کیلئے
قربِ وحیِ عشق دارند ایں کرام　　اولیاء کی سر بلندی عشق سے

قرب بر انواع باشد اے پدر　　قرب حق کی منزلیں ہیں بے شمار
میزند خورشید ہر کہسار و زر　　سنگ و زر سورج سے یکساں تابدار

۲

لیک قربے ہست با ز رشید را　　ہاں مگر حاصل ہے زر کو قرب خاص
کہ ازاں نبود خبر مر بید را　　بید کو حاصل نہیں جو قرب خاص

۳

شاخِ خشک و تر قریبِ آفتاب　　خشک وتر شاخیں ہیں یکساں فیضیاب
آفتاب از ہر دو کے دارد حجاب　　ان سے کب منہ موڑتا ہے آفتاب

۴

لیک کو آں قربتِ شاخ تری　　شاخ تر کا قرب ہے لیکن جدا
کہ ثمار پختہ ازوے می خوری　　جس سے تو کھاتا ہے میوے خوش مزا

۵

شاخِ خشک از قربتِ آں آفتاب　　خشک ڈالی قرب سورج سے مگر
غیر زُو تر خشک گشتن گو بیاب　　ہو گئی ہے خشک سے بھی خشک تر

بنگراں کاں شاخِ خشک از قربِ خور　　قرب سے سورج کے شاخ خشک کی
غیرِ خشکی می برد چیزے دگر　　دیکھنا خشکی فزوں تر ہو گئی

۱ اللہ تعالیٰ ہر انسان کے قریب ہوتا ہے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اور سبھی اس کی رزاقیت سے بھی مستفید ہوتے ہیں لیکن انبیاء کرام کو عشق الٰہی کی بدولت جو قرب حق حاصل ہوتا ہے عام آدمی اس سے محروم ہوتا ہے تاوقتیکہ وہ بھی یا بعد ازاں فنا ہوجائے۔ ۲ بید کے درخت پر بھی دوسرے درختوں کی طرح سورج کی روشنی پڑتی ہے مگر وہ ان کی طرح پھلدار نہیں ہوتا۔ ۳ سورج کی گرمی درخت کی تمام شاخوں پر پڑتی ہے لیکن بعض شاخیں خشک ہوجاتی ہیں اور بعض میں نمی برقرار رہتی ہے یعنی قرب حق کا موقع سب کو ملتا ہے لیکن بعض اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور بعض بے بہرہ رہتے ہیں۔ ۴ جو شاخ اپنی نمی برقرار رکھتی ہے اس سے دوسرے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یعنی جو قرب حق سے فیضیاب ہوجاتے ہیں وہ دوسروں کو بھی اس فیض سے فائدہ پہنچاتے ہیں۔ ۵ حق تعالیٰ کے رگ جاں سے قریب تر ہونے کے باوجود جو دور رہا اس کا نقصان دن بدن بڑھتا ہی گیا۔

۱

آنچناں مستے مباش اے بے خرد اس قدر مستی ہے اے ناداں بری
کہ بعقل آید پشیمانی خورد ہوش جب آئے تو ہو شرمندگی

۲

بلکہ زاں مستاں کہ چوں مے میخورند میکشوں کی ایسی مستی کے نثار
عقلہائے پختہ حسرت می برند ہوشمندی بھی ہو جس سے شرمسار

شکرِ نعمت

شکرِ نعمت خوشتر از نعمت بُود شکر نعمت خوب تر نعمت سے ہے
شکر بارہ کے سوئے نعمت رَوَد شکر کو آزاد ہر زحمت سے ہے

شکر جانِ نعمت و نعمت چو پوست شکر نعمت کی جاں نعمت ہے پوست
زانکہ شکر آرد ترا تا کوئے دوست شکر سے ہی مل سکے گا کوئے دوست

۳

نعمتِ شکرت کند پُر چشم و میر شکر نعمت سرفرازی کی دلیل
تا کنی صد نعمت ایثارِ فقیر مال و زر سے بے نیازی کی دلیل

۴

سیر نوشی از طعام و نُقلِ حق نعمت حق اس قدر پائے گا تو
تا رود از تو شکم خواری و دَق پھر نہ پھیلائے گا دست آرزو

۱ اللہ تعالیٰ کی قربت سے اس قدر بےخبری اچھی نہیں تاکہ روزِ قیامت بارگاہِ ایزدی میں حاضری کے وقت شرمندگی نہ ہو۔ ۲ ایک بے خبری وہ جو اللہ سے دور رکھتی ہے اور ایک بےخبری وہ جو عشقِ خدا سے طاری ہوتی ہے۔ اس بےخودی پر دنیا جہان کی ہوشمندی قربان۔ ۳ اللہ تعالیٰ جس کو شکر کی نعمت عطا کرتا ہے وہ بلند مرتبہ اور بے نیاز بن جاتا ہے۔ وہ دولت کی حاجتمندوں میں تقسیم کرتا ہے اور اسے ایسی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں کہ وہ کسی کا محتاج نہیں رہتا۔ ۴ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لئن شکرتم لازیدنکم یعنی اگر تم شکر کرو گے تو ہم نعمتوں میں اضافہ کر دیں گے۔

نعمتِ وہاب را شکرے کنید　　شکر کر ہر نعمت حق کا ادا
تا سرِ منحوسِ خود را نشکنید　　تا کہ تجھ سے دور ہوں رنج و بلا

شکر جذبِ نعمتِ اُو فر کند　　شکر نعمت لائے سو سو نعمتیں
کفرِ نعمت شخص را کافر کند　　کفر نعمت لائے سو سو لعنتیں

جان عاشق

۱

عاشقاں را ہر زمانے مُرد نیست　　عاشقوں کو ہر گھڑی آتی ہے موت
مُردنِ عشاق خود یک نوع نیست　　نت نئی صورت میں ڈھلی جاتی ہے موت

اُو دو صد جاں دارد از جانِ ہدیٰ　　حق نے بخشی ہیں اسے جانیں کئی
واں دو صد را می کند ہر دم فدا　　وہ انہیں کرتا ہے قرباں ہر گھڑی

۲

ہر یکے جاں را ستاند وہ بہا　　ایک جاں دینے پہ دس جانیں ملیں
از نُبے بر خواں تو عشر امثالہا　　اس بشارت کو پڑھو قرآن میں

گر بریزد خونِ من آں دوست رُو　　گر بہانا چاہے دلبر میرا خوں
پائے کو باں جاں بر افشانم برو　　ناچ کر سو بار جاں قربان کروں

۱ سچے عشاق کو طرح طرح کی موت کا سامنا ہوتا ہے کبھی دیدار یار سے محرومی کی موت اور کبھی محبوب کے دیئے ہوئے رنج و غم جو باعث راحت ہوتے ہیں ان میں کمی کی موت۔ ۲ قرآن حکیم میں ہے "من جاء باالحسنه فله عشر امثالها" یعنی جس نے ایک نیکی کی اس کو اس جیسی دس حاصل ہوتی ہیں۔

۱

آزمودم مرگِ من در زندگی ست	در حقیقت موت ہے یہ زندگی
چوں رہم زیں زندگی پائندگی ست	زندگی کے بعد ہے پائندگی

۲

اُقتُلُونی اُقتُلُونی یا ثِقات	ہاں خدارا قتل کر ڈالو مجھے
اِنَّ فِی قَتْلِی حَیَاتاً فِی حَیَات	زندگی ہی زندگی مرنے میں ہے

۳

یَا مُنِیرَ الخَدِ یَا رُوحَ البَقَا	اے رخ روشن کہ ہے جان بقا
اِجْتَذِبْ رُوحِی وَجُدْ لِی بِا لِلّقَا	جان لے لے اک ذرا جلوہ دکھا

۴

لِی حَبِیبٌ حُبُّہٗ یَشْوِی الْحَشَا	حب جاناں میں ہے باطن شعلہ زن
لَو یَشَاءُ یَمْشِی عَلٰے عَیْنِی مَشَا	شوق سے آنکھوں پہ ہو وہ گامزن

۵

پارسی گو گرچہ تازی خوشتر ست	فارسی کہہ گو ہے عربی شاندار
عشق را خود صد زبانے دیگر ست	عشق رکھتا ہے زبانیں بے شمار

۶

بوئے آں دلبر چو پراں می شود	جب مہک اس یار کی پھیلی کہیں
ایں زبانہا جملہ حیراں می شود	بے زباں ساری زبانیں ہو گئیں

بس کنم دلبر در آمد در خطاب	بس کروں اب یار کرتا ہے خطاب
گوش شو وَاللہ عَالَم بِالصَّواب	غور کر وَاللہ عَالَم بِالصَّواب

۱ زندگی موت کی طرف جانے کا راستہ ہے اور انسان ہر لمحہ موت کے سائے میں سانس لیتا ہے لہٰذا یہ زندگی موت ہے جب کہ موت بقا کا دروازہ ہے۔ ۲ عاشق کہتا ہے کہ خدارا مجھے قتل کر دو اس لئے کہ اصل زندگی تو موت کے بعد ہے۔

۳ اے محبوب تیرے چہرے کے دیدار سے بقا حاصل ہوتی ہے اس لئے اسے دیکھ کر جان جاتی رہے گی اور حیات ابدی حاصل ہوگی۔

۴ اس کی محبت سے میرا باطن جل رہا ہے وہ بے شک میری آنکھوں پر قدم رکھے تا کہ اسے میرے اندر کی تپش کا اندازہ ہو۔

۵ مولانا فرماتے ہیں اگر چہ عربی بہت فصیح ہے لیکن اب باقی باتیں فارسی میں بیان کر۔ اس لئے کہ اہل وطن فارسی داں ہیں۔ بلاشبہ اظہار عشق کیلئے سینکڑوں زبانیں ہیں لیکن انہیں سمجھنے والے کم ہیں۔ ۶ محبوب کی صفات کا بیان کسی زبان میں بھی مکمل نہیں ہو سکتا۔

۱

چونکہ عاشق توبہ کرد اکنوں بترس	خوف سے عاشق ہوا تائب اگر
کو عیاراں می کند بر دار ترس	دے گا درسِ عاشقی وہ دار پر

۲

گرچہ ایں عاشق بخارا می رود	گو یہ عاشق ہے بخارا کو رواں
نے بدرس و نے بہ اُستا می رود	جستجو درس و مدارس کی کہاں

عاشقاں راشد مدرّس حسنِ دوست	ہے مدرس عاشقوں کا روئے دوست
دفتر و درس و سبق شاں روئے اوست	ہے کتاب و درس و انشا روئے دوست

۳

خامش اند و نعرۂ تکرارِ شاں	گرچہ ہیں خاموش پر ان کی صدا
میرَود تا عرش و تختِ یارِ شاں	ہے فلک پر یار تک پہنچی سدا

۴

درسِ شاں آشوب و چرخ و زلزلہ	درس ان کا رقص و شور و زلزلہ
نے زیادات ست و باب و سلسلہ	وہ کہاں پڑھتے ہیں باب و سلسلہ

۵

سلسلہ ایں قوم جَعدِ مشکبار	سلسلہ ان کا ہے زلفِ مشکبار
مسئلہ دور ست لیکن دورِ یار	مسئلہ بھی خود ہے حل بھی خود ہے یار

ذکرِ ہر چیزے دہد خاصیتے	ہر بیاں کی ہیں جدا کیفیتیں
زانکہ دارد ہر صفت ماہیتے	ہیں الگ ہر صفت کی ماہتیں

۱ عاشق کسی مجبوری کے باعث اگر اپنی داستان غم بیان کرنے سے باز رہا تو کیا ہوا وہ سولی پر سوار ہو کر اپنی داستان عشق بیان کرے گا۔
۲ اگرچہ عاشق بخارا جا رہا ہے جو علوم کا مرکز ہے لیکن اس کا سفر کسی استاد یعنی حصول دانش کیلئے نہیں اس کا درس اور مدرس تو صرف روئے دوست ہے اسے سب کچھ دیدار دوست سے ہی حاصل ہو سکتا ہے جہاں روئے کہ تفسیر رموز ازلی ہست لاریب دریں دہر کتابے بہ ازیں نیست (وفا) ۳ اہل دل خاموشی سے یادالٰہی میں مصروف رہتے ہیں تاہم ان کا ذکر بارگاہ خداوندی تک پہنچتا ہے۔ ۴ اہل دل دنیوی کتابوں کی بجائے ذات باری کی عبادت سے اہل اللہ بنتے ہیں باب و رسلسلہ دینی کتب کا نام ہیں۔ ۵ عشاق کا سلسلہ یار کے گیسوئے مشکبار ہیں۔ ۶ ہر چیز کا بیان عاشق کے دل میں جداگانہ کیفیت پیدا کرتا ہے۔ بہت سے اولیائے کرام کے واقعات مشہور ہیں کہ معمولی الفاظ سے ان پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

۱

با جمال جاں چو شد ہم کاسہٖ — حسن جاں کا جو بھی ہم پیالہ ہوا
باشدش ز اخبار ودانش تاسہٖ — اس کو علم و آگہی سے کام کیا

جاذب مجذوب

۱

مُستمع چوں نیست خاموشی بہ است — چپ رہو گر ہو نہ کوئی نکتہ داں
نکتہ از نا اہل گر پوشی بہ است — مت کہو نا اہل سے سر نہاں

۲

جنبشِ ہر کس بسوئے جاذب ست — ہیں کشش والے کی جانب سب رواں
جذبِ صادق نے چو جذبِ کاذب ست — ہے کشش سچی کی جھوٹی میں کہاں

۳

می روی گہ گمرہ و گہ دَر رَشد — ہو کبھی گمرہ کبھی رہ پر رواں
رشتہ پیدا نے وآں رکت می کشد — ڈور ہے ظاہر نہ وہ جو ہے کشاں

۴

اُشترے کوری مہارِ تو رہیں — تو ہے اندھا اونٹ ڈھونڈاے زہ نہار
تو کشش می بیں مہاوت رامبیں — اس مہاوت کو جو کھینچے ہے مہار

۵

گر شدے محسوس جذابِ مہار — گر نظر آجائے وہ اہل مہار
بس نماندے ایں جہاں دارالقرار — ہوں جہاں والے نہ دھوکے کے شکار

۱؎ جس کو جمال یار سے روشنی حاصل ہوجاتی ہے اس کیلئے ظاہری علوم کو حاصل کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ۱ اگر سننے والوں میں اہل دل اور اہل درد نہیں تو اسرار و رموز کی بات سنانا مناسب نہیں اس لئے کہ انہیں اس سے کوئی دلچسپی نہ ہوگی۔ ۲ یوں تو سبھی کشش والے یعنی ذات پاک کی طرف متوجہ ہوتے ہیں لیکن جو کشش جذبِ صادق رکھنے والوں میں ہوتی ہے وہ دوسروں میں کہاں۔ ۳ انسان کی زندگی میں تمام زیروبم دست قضا کے محتاج ہیں لیکن وہ ہاتھ جو اس ڈور کو کھینچتا ہے ہمیں نظر نہیں آتا۔ ۴ انسان اندھے اونٹ کی طرح جس کی مہار اس کے مہاوت کے ہاتھ میں ہے اسلئے مناسب ترین عمل یہ ہے کہ ہم اس مہاوت سے تعلق پیدا کریں تاکہ راہِ راست پر چلتے رہیں۔ ۵ اگر مہاوت نظر آجائے اور اس سے تعلق استوار ہوجائے تو پھر انسان ظاہری شان و شوکت اور دنیاوی حرص و ہوس کا شکار نہ ہو۔

۱

پس ستون ایں جہاں خود غفلت است　　یہ جہاں غفلت پہ قائم ہے مگر
چیست دولت کایں دواد و بالت است　　مال کیا ہے کشمکش جھگڑا ضر

۲

اولش دَو دَو بآخر لت بخُور　　ابتدا ہے کشمکش آخر فنا
جز دریں ویرانہ نبود مرگِ خَر　　کچھ نہیں یاں مرگ خر کے ماسوا

۳

تو بجدّ کارے کہ بگرفتی بدست　　تو نے کی ہے ابتداء جس کام کی
عیبش ایں دم بَر تو پوشیدہ شدست　　بے خبر ہے اس کی خامی سے ابھی

زاں ہمی تانی بدادن تن بکار　　شوق سے ہے محو اس میں بے گماں
کہ بپوشید از تو عیبش کردگار　　حق نے اس کے عیب رکھے ہیں نہاں

بَر تو گر پیدا شدے زاں عیب وشین　　عیب ہوں اس کے اگر تم پر عیاں
زو رمیدے جانت بعد المشرقین　　دور بھاگو اس سے مانگو تم اماں

۴

حال کاخر زُو پشیماں می شوی　　گر خبر ہوتی تجھے انجام کی
گرشود ایں حالت اوّل گے دَوی　　ابتدا کرتے نہ تم اس کام کی

۱ اہل جہاں حقیقت سے بے خبر غفلت میں مبتلا ہیں اس دنیا کا مال واسباب جھگڑے اور فساد کا باعث ہیں۔
۲ زندگی مسلسل بھاگ دوڑ کے سوا کچھ نہیں اور اس کشمکش کا انجام موت ہے جس طرح زندگی بھر محنت کے بعد گدھا صحرا میں ہلاک ہو جاتا ہے اور کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔
۳ انسان زندگی میں جس کام کی ابتدا کرتا ہے وہ اس کے انجام سے بے خبر ہوتا ہے۔
۴ انسان زندگی کے انجام کار سے بے خبر محنت کرتا ہے لیکن اگر وہ اس کام کے انجام سے آگاہ ہوتا تو کبھی اس کا آغاز نہ کرتا اور اگلے شعر میں مولانا فرماتے ہیں کہ اس پردہ داری کی وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ ہر کام کو اپنے دست قدرت میں رکھنا چاہتا ہے۔

پس بپوشید اوّل آں بر جانِ ما　　راز تھا اس میں یہی اللہ کا
تا کنیم آن کار بر وفقِ قضا　　ہو ترا ہر کام پابند قضا

[1]

چوں قضا آورد حکمِ خود پدید　　جب قضا کے حکم سے آگہ ہوئے
چشم وا گشت و پشیمانی رسید　　تم پشیماں اور شرمندہ ہوئے

ایں پشیمانی قضائے دیگر ست　　یہ تری شرمندگی بھی ہے قضا
ایں پشیمانی بہل حق را پرست　　بندگی کر اور سب کچھ بھول جا

[2]

در کنی عادت پشیماں خود شوی　　گر رہے شرمندگی میں مبتلا
زیں پشیمانی پشیماں تر شوی　　ہوگی یہ شرمندگی بے انتہا

نیم عمرت در پریشانی شود　　عمر کچھ ہوگی پریشانی کی نذر
نیمِ دیگر در پشیمانی رَوَد　　اور کچھ ہوگی پشیمانی کی نذر

ترکِ ایں فکر و پشیمانی بگو　　بھول جا سب فکر اور شرمندگی
حال و یار و کارِ نیکو تر بجُو　　کر مزیں نیکیوں سے زندگی

در نداری کارِ نیکو تر بدست　　زندگی میں گر نہ ہو حسنِ عمل
پس پشیمانیت بر فوتِ چہ است　　کیوں نہ ہو تو ایسے جینے سے خجل

[1] جب انسان محسوس کرتا ہے کہ اس کی زندگی کا ہر لمحہ دستِ قدرت میں ہے تو اسے اس بات پر شرمندگی ہوتی ہے کہ اس نے شروع سے ہی قادرِ مطلق کی طرف رجوع کیوں نہیں کیا اور دنیاوی سہاروں پر بھروسہ کیا۔ شرمندگی کا یہ احساس بھی دستِ قدرت کا عطا کردہ ہوتا ہے۔

[2] اب مولانا فرماتے ہیں کہ صرف شرمندگی ہی کافی نہیں بلکہ اپنی زندگی کو نیک اعمال سے آراستہ کرنا چاہیے ورنہ آخرت میں جب اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا گیا تو بے حد خجالت اور ندامت ہوگی۔ اس کے بعد آخر میں مولانا اللہ تعالیٰ سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ اعمال صالح کی توفیق عطا فرمائے اور دل اس کی یاد سے غافل نہ ہو۔

اے

اے خدا اے راز دان خوش سخن   اے خدا اے راز دان و کردگار
عیب کار بد زما پنہاں مکن   ہر خطا کی ہو برائے آشکار

عیب کار نیک را متما بما   نیکیوں کی راہ میں کچھ حائل نہ ہو
تا نگردیم از روش سرد و ہبا   دل تساہل کی طرف مائل نہ ہو

حرفِ عقیدت

[1]

اے لقائے تو جواب ہر سوال — تجھ کو دیکھا مل گئیں سب منزلیں
مشکل از تو حل شود بے قیل و قال — بے کہے حل ہو گئیں سب مشکلیں

ترجمان ہرچہ مارا در دلِ است — تو کہ ہے اسرار دل کا ترجماں
دستگیر ہرچہ پائیش در گِل است — غم کی دلدل میں ہمارا پاسباں

مرحبا یا مجتبےٰ یا مرتضےٰ — مرحبا اے مجتبےٰ اے مرتضےٰ
اِنْ تَغِبْ جَاءَ الْقَضَا ضَاقَ الْقَضَا — چھوڑ کر مت کر ہمیں بے آسرا

[2]

اَنْتَ مَوْلَی الْقَوْمِ مَنْ لَا یَشْتَھِی — تو ہے آقا جو نہیں شیدا ترا
قَدْ رَدٰی کَلَّا لَئِنْ لَّمْ یَنْتَھِی — بے گماں وہ ہوگا بالآخر تباہ

[1] آپ کا دیدار ایک ایسی روشنی ہے کہ آپ کو ایک نظر دیکھتے ہی دل سے تمام وسوسے دور ہوجاتے ہیں اور ہمیں بغیر مانگے ہماری منزل مرا نظر آنے لگتی ہے۔

[2] اس شعر میں قرآن پاک کی اس آیت کا اقتباس ہے کہ کلا لئن لم ینتہ لنسفعاً بالناصیۃ اللہ تعالیٰ ابوجہل سے مخاطب ہیں کہ اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت سے باز نہیں آئیگا تو ہم اس کے بال پکڑ کر (جہنم کی طرف) گھسیٹیں گے۔ محبوب خدا سے محبت نہ رکھنا اگر محض بے علمی سے ہے تو ہلاک اور تباہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کے فیوض و برکات سے محرومی بلا کت سے کم نہیں۔ اگر عدم رغبت بغض و عناد کے باعث ہے تو پھر حدیث شریف میں ہے من عادی لی ولیا فقد اذنتہ بالحرب اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو دشمن میرے کسی دوست سے عداوت رکھے تو میں اسے جنگ کی دعوت دیتا ہوں۔

حلقۂ دَربَن

[1]

آزمودی تو بسے آفاتِ خویش   بار ہا تجھ پر پڑیں جب مشکلات
یافتی صحت ازیں شاہانِ کیش   سرورانِ دیں نے دلوائی نجات

چند آں لنگیِ تو رہوار شد   تو اپاہج تھا بنایا خوش خرام
چند جانت بے غم و آزاد شد   اور مٹائے درد و سوزِ نا تمام

اے مغفل رشتۂ برپائے بند   خود پہ قابو رکھ کہیں اے خود نگر
تا ز خود ہم گم نہ گردی اے لوند   ہو نہ جائے خود سے بھی تو بے خبر

ناسپاسی و فراموشیِ تو   یوں ہوئے احساس فراموشی میں گم
یاد ناورد آں عسل نوشیِ تو   بھول بیٹھے شہد نوشی کو بھی تم

لا جرم آں راہ بر تو بستہ شد   ہوگئے ہیں بند سب راہِ عطا
چوں دلِ اہلِ دل از تو خستہ شد   تجھ سے دل آزردہ ہیں اہلِ صفا

زود شاں دریاب و استغفار کن   ان کے در پہ جا کے استغفار کر
ہمچو ابرے گریہ ہائے زار کن   اشک برسا عجز کا اظہار کر

[1] مولانا فرماتے ہیں کہ جب انسان کو مشکلات کا سامنا ہوتا ہے تو وہ خدا کو پکارتا ہے اور اہل خدا کی طرف رجوع کرتا ہے لیکن مصائب دور ہونے پر وہ خدا اور اہل خدا کو بھول جاتا ہے اور ان کی عنایات کو فراموش کر دیتا ہے۔

تا گلستاں شاں سوئے تو بشگفد   تاکہ ہو باغ کرم سے بہرہ ور
میوہ ہائے پختہ بر خود وا کفد   جا بجا پھوٹیں عطاؤں کے ثمر

[1]

ہم براں در گرد و کم از سگ مباش   مثل سگ اس در کا ہر دم کر طواف
باسگِ کہف ارشد ستی خواجہ تاش   چاہے تو ہو کہف کے سگ سے بھی صاف

چوں سگاں ہم مر سگاں را ناصح اند   کتے بھی کتوں کو دکھلاتے ہیں راہ
کہ دل اندر خانۂ اوّل بہ بند   اولیں گھر سے ہی اپنا دل لگا

[2]

آں در اوّل کہ خوردی استخواں   اولیں در جس سے پائی استخواں
سخت گیر و حق گذاری را مماں   اس کا ہو کے رہ نہ بن نا مہرباں

می گزندش کز ادب آنجا رود   کاٹتے ہیں تاکہ جائے با ادب
وز مقامِ اولیں مفلح شود   اولیں در سے ہی پائے فیض سب

می گزندش اے سگ طاغی برو   کاٹتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جا
با ولیِّ نعمت ار باغی مشو   اپنے محسن سے ہے کیوں باغی ہوا

بر هماں در ہمچو حلقہ بستہ باش   حلقہ در بن کے اس در پہ رہو
پاسباں و چابک و برجستہ باش   ذوق دل سے خادم و چاکر بنو

[1] جس در سے تجھے فیض ملا ہے اسے مت چھوڑ۔ اصحاب کہف کے کتے کی طرح وفاداری کی خو پیدا کر۔

[2] جس در سے تجھے رزق روزی ملی ہے اس سے منہ نہ موڑ، جب کتا کسی دوسرے در پر جاتا ہے تو وہاں موجود کتے اسے کاٹنے کو دوڑتے ہیں تا کہ وہ اپنے در پر جائے اور اس کی وجہ سے کتوں پر بے وفائی کا الزام نہ لگے۔ وفاداری کتوں کی پہچان ہے وہ کہتے ہیں اپنے مالک سے بے وفائی کر کے ہم سب کی رسوائی کا سبب نہ بن۔

صورتِ نقصِ وفائے ما مباش   ہم نہیں ہیں بے وفا رسوا نہ کر
بیوفائی را مکن بیہودہ فاش   بیوفائی کا عبث چرچا نہ کر

مرسگاں را چوں وفا آمد شعار   ہے ہمیں اپنی وفاداری پہ ناز
رو سگاں رانگ و بدنامی میار   مت مٹا کتوں کی وجہ امتیاز

بے وفا چوں سگاں را عار بود   بے وفائی کو سمجھتے ہیں برا
بے وفائی چون رواداری نمود   تم سمجھ بیٹھے ہو اس کو کیوں روا

حق تعالیٰ فخر آورد از وفا [1]   سن وفا پر فخر ہے اللہ کو بھی
گفت مَن اَوْفٰی بِعَھْدٍ غَیْرُنَا   "ہے وفائے عہد میں بہت کوئی

بے وفائی داں وفا با رِدِّ حق   حق سے رد ہو کر وفا بھی ہے جفا
بر حقوقِ حق ندارد کس سبق   حق پہ سبقت کس کو حاصل ہے بھلا

اے خدا وندائے قدیم احسانِ تو   مجھ پہ ہے تیرا یہ احسان قدیم
آنکہ دانم وانکہ نے ہم آنِ تو   علم بخشا جس قدر بھی اے علیم

تو بفرمودی کہ حق را یاد کن   تو نے فرمایا کہ میرا ذکر کر
زانکہ حق من نمی گردد کہن   میرا یہ حق دائمی ہے سربسر

[1] سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے وفاداری پر فخر فرمایا ہے اور ارشاد کیا ہے کہ اللہ سے زیادہ اپنا عہد پورا کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ لہٰذا مولانا فرماتے ہیں کہ وفاداری بشرطِ استواری پر قائم رہنے والے انسان اللہ تعالیٰ کے قریب اور محبوب ہوتے ہیں۔

[۱]

یاد کن لطفے کہ کردم آن صبوح — یاد کر میرا کرم جب صبحگاہ
با شما از حفظ در کشتیِ نوح — نوح کی کشتی میں دی تم کو پناہ

اصل و اجدادِ شما را آں زماں — تیری سب نسلوں کو میں نے اس گھڑی
دادم از طوفان و از موجش اماں — موج طوفان سے کر رکھا محفوظ بھی

آبِ آتش خو زمیں بگرفتہ بود — کر رہا تھا تند پانی کا جنوں
موجِ اُو ہر اوجِ کوہ رامی ربود — اونچی اونچی چوٹیوں کو سرنگوں

حفظ کردم من نہ کردم رد تاں — دی ہلاکت سے تجھے میں نے اماں
در وجودِ جِدّ جِدّ جِدّ تاں — اور بچائی انگنت نسلوں کی جاں

[۲]

چوں شدی سر پُشت پایت چوں زنم — کیسے کرتا سب سے اشرف کو تباہ
کارگاہِ خویش ضائع چوں کنم — کیسے کرتا ختم اپنی کارگاہ

[۳]

چوں فدائے بیوفایاں می شوی — بیوفاؤں کو تم اپناتے ہو کیوں
از گمانِ بد بدان سو می روی — بدگمانی میں ادھر جاتے ہو کیوں

من ز سہو و بیوفائیہا بری — پاک ہوں میں بے وفائی سے سدا
سوئے من آئی گمانِ بد بری — بدگماں ہو کر میری جانب نہ آ

[۱] یہ اشارہ طوفان نوح کی طرف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نوح کی کشتی میں انسانوں اور دوسرے جانداروں کو پناہ دی تاکہ ان کی نسلیں بالکل تباہ نہ ہو جائیں۔ [۲] جب انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیا تو پھر اس کی آمدہ نسل کو کیسے تباہ کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بچا کر اپنی قدرت ظاہر کی اور بتایا کہ نافرمانی کی سزا کس قدر سنگین ہو سکتی ہے۔ [۳] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے اس قدر احسانات کے باوجود تو پھر بھی نافرمانی کرتا ہے اور گمراہوں کا ساتھ دیتا ہے۔ بیوفائی کی توقع انسان سے ہو سکتی ہے اللہ تعالیٰ سے نہیں۔ اس لئے اس کی طرف رجوع کرتے وقت دل سے اس قسم کی بدگمانی کو نکال دینا چاہئے۔

ایں گمانِ بد بر آنجا بر کہ تو   یہ خیال خام کر ان سے بیاں
میشوی در پیش و ہمچو خود دو تو   جو تری صورت ہیں بدظن بدگماں

بس گرفتی یار و ہمراہانِ زفت   [1] کیسے کیسے تھے قوی ساتھی ترے
گر ترا پرسم کہ گو کوئی کہ رفت   کیا ہوئے پوچھوں کہو گے چل دیئے

یارِ نیکت رفت بر چرخِ بریں   نیک تھے جو عرش پر ہیں جاگزیں
یارِ فسقت رفت در قعرِ زمیں   اور بد کردار ہیں زیرِ زمیں

تو بماندی درمیانہ آنچناں   تم ہو تنہا ہمرہاں جانے کے بعد
بے مدد چوں آتشے از کارواں   آگ جیسے کارواں جانے کے بعد

دامن او گیر اے یارِ دلیر   اے بہادر اس کا دامن تھام لو
گو منزہ باشد از بالا و زیر   جو بلند و پست سے آزاد ہو

نَے چوں عیسیٰ سوئے گردوں بَرشود   مثلِ عیسیٰ جو نہ جائے سوئے عرش
نَے چوں قاروں در زمیں اندر رَوَد   مثلِ قاروں جو نہ جائے زیرِ فرش

با تو باشد در مکان و لا مکاں   جو مکان و لا مکاں میں ساتھ ہو
چوں بمانی از سرا و از دکاں   جو ترے گھر اور دکاں میں ساتھ ہو

1 اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہارے کیسے کیسے دوست تھے جو خود کو بہت قوی سمجھتے تھے لیکن وہ کہاں گئے۔ اگر پوچھا جائے تو کہو گے مر گئے فنا ہو گئے۔ ان کے جانے کے بعد تم اس طرح تنہا رہ گئے جس طرح کارواں کے جانے کے بعد پڑاؤ کا الاؤ رہ جاتا ہے۔

اُو برآرد از کدورتہا صفا　　جو کدورت کو بناتا ہے صفا
مَر جفاہائے ترا گیرد وفا　　بے وفائی کو سمجھتا ہے وفا

لے

چوں جفا آری فرستد گوشمال　　وہ جفا کرنے پہ دیتا ہے سزا
تاز نقصاں وا روی سوئے کمال　　تا کہ نقصاں سے بچو پاؤ عطا

لے

چوں تو دروے ترک کردی درروش　　جب بھی اس کی یاد سے غافل ہوئے
بَر تو قبضے آید و رنج و تپش　　تجھ پہ درد و رنج وغم نازل ہوئے

لے

آں ادب کردن بود یعنی مکن　　اس سے تیری تربیت مقصود ہے
ہیچ تحویلے ازاں عہد کہن　　تا کہ وہ عہدِ کہن تازہ رہے

لے جب انسان سے کوئی غلط کام سرزد ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ تنبیہ کے طور پر اسے سزا دے کر بھلائی کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

لے جب بھی انسان اپنی معمول کی عبادت میں غفلت برتتا ہے تو ایک اضطراری کیفیت پیدا ہوتی ہے جس سے انسان آئندہ اپنی عبادات کو فوت ہونے نہیں دیتا۔

لے روزِ الست جب ذاتِ باری نے پوچھا" کیا میں تمہارا رب نہیں" تو سب نے کہا "بلیٰ" ہاں تم ہمارے رب ہو۔ مولانا اسی عہد و قرار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی طرف سے سزا ملنے پر جب انسان دوبارہ اس کی طرف رجوع کرتا ہے تو یہ عمل اس عہد کو تازہ کرنے کے مترادف ہوتا ہے جب اس نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب تسلیم کیا تھا۔

وصلِ یار

[1]

پنج وقت آمد نماز اے رہنمون — فرض ہیں سب پر نمازیں پانچ بار
عاشقاں را فی صلوٰۃٍ دائمون — ہیں مگر عاشق سدا سجدہ گذار

نے بہ پنج آرام گیرد آں خمار — پنجگانہ سے قرار آتا ہے کب
کاندراں سرہاست نے پانصد ہزار — چاہتے ہیں ہمکلامی روز و شب

نیست زُرِ غبًا نشانِ عاشقاں — گاہے گاہے دید کی قائل ہے کب
سخت مستسقی ست جانِ عاشقاں — جان عاشق ہے بہت ہی تشنہ لب

[2]

نیست زُرِ غبًا وظیفہ ماہیاں — مچھلیوں سے کیسے ممکن ہے کہیں
زانکہ بے دریا ندارند اُنسِ جاں — گاہے گاہے جا کے دریا سے ملیں

آب ایں دریا کہ ہائل بقعہ ایست — گو کہ ہے دریا کا پانی پُر خطر
با خمار ماہیاں خود جرعہ ایست — مچھلیوں کے واسطے ہے خوش اثر

یک دمِ ہجراں بَرِ عاشق چو سال — ہجر کا ایک لمحہ بھی ہے سال غم
وصل سالِ متصل پیشش خیال — وصل اک سال بھی لمحے سے کم

[1] ان اشعار میں مولانا اس مردِ باصفا اور عاشقِ الٰہی کی کیفیت اور احساسات بیان فرماتے ہیں جو ہمہ وقت یادِ خدا میں محو و گم رہنا چاہتا ہے اور صرف پانچ وقت کی نماز کیلئے پروردگارِ عالم کے حضور سر بسجود ہونے سے اس کی تسلیم نہیں ہوتی۔ [2] مچھلی کی مثال دیتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں کہ مچھلی کو صرف چند لمحوں کیلئے بھی پانی سے نکالا جائے تو وہ مردہ ہو جاتی ہے اسی طرح عاشق ذاتِ پاک کیلئے کیسے ممکن ہے کہ وہ وقفے وقفے سے اللہ کے حضور سر جھکائے اس سے ہمکلام ہو وہ تو مچھلی کی طرح ہمہ وقت ذاتِ الٰہی کی یاد میں محو رہنا چاہتا ہے۔

۱

روز بر شب عاشق ست و مضطرست — دن ہے عاشق رات کا اور بے قرار
چوں بہ بینی شب برو عاشق ترست — رات کو لیکن ہے اس سے بڑھ کے پیار

نیست شاں از جستجو یک لحظہ ایست — جستجو میں ایک دوجے کے کہیں
از پئے ہم شاں یکے دم ایست نیست — ایک لمحے کو بھی وہ رکتے نہیں

ایں گرفتہ پائے آں آں گوشِ ایں — دونوں اک دوجے کا دامن تھام کے
ایں برآں مدہوش واں بیہوشِ ایں — ہیں غمار عشق میں کھوئے ہوئے

در دلِ معشوق جملہ عاشق ست — ہے دل معشوق میں عاشق مکیں
در دلِ عذرا ہمیشہ وامق ست — اور دل عذرا میں وامق جاگزیں

در دلِ عاشق بجز معشوق نیست — ہے دل عاشق میں بھی معشوق ہی
درمیاں شاں فارق و مفروق نیست — کوئی فارق ہے نہ ہے مفروق ہی

۲

بَر یکے اُشتر بود ایں دو درا — اونٹ کی گردن میں یہ دو گھنٹیاں
پس چہ زُرغبا بگنجد ایں دو را — وقفے وقفے سے ملیں ممکن کہاں

۱ جس طرح دن رات کی جستجو میں مسلسل رواں دواں رہتا ہے۔ اسی طرح عاشق بھی اپنے محبوب کی تلاش میں شب و روز مصروف رہتا ہے اور اسے اسی عمل سے دلی سکون حاصل ہوتا ہے۔

۲ اونٹ کے گلے میں پڑی ہوئی گھنٹیاں مسلسل ایک دوسرے سے ملتی ہیں، ان کے لئے زرغبا یعنی ایک دن چھوڑ کر ملنا ہے کیسے ممکن ہے۔

ہیچ کس با خویش زُرغبا نمود	خود سے کب ملتا ہے کوئی گاہ گاہ
ہیچ کس با خود بنوبت یار بود	اپنا دم بھرتا ہے کوئی گاہ گاہ

[1]

آں یکیِ نے کہ عقلش فہم کرد	عقل سے بالا ہے یہ راز وصال
فہم ایں موقوف شد بر مرگ مرد	موت سے کھلتا ہے یہ راز وصال
جز مگر مردے کہ پیش از مرگ مُرد	جو فنا ہونے سے پہلے ہو فنا
رحتِ ہستی را بسوئے یار برد	اس نے راز وصل جاناں پا لیا

[2]

ور بعقل ادراکِ ایں ممکن بُدے	عقل سے ممکن اگر ہوتا یہ کام
قہرِ نفس از بہرِ چہ واجب شدے	بے ضرورت تھا یہ زہد صبح و شام

[3]

با چناں رحمت کہ دارد شاہِ ہُش	صاحب رحمت ہے وہ رب عقیل
بے ضرورت چوں بگوید نفس کُش	دے گا کیوں حکم ریاضت بے دلیل

1. محبوب حقیقی اور محبت کا ملاپ عقل سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ وصل فنا ہو کر ملتا ہے۔
2. اگر وصل یار عقل سے حاصل ہو سکتا تو پھر زہد وعبادت اور تقویٰ کی کیا ضرورت تھی۔
3. عشق حقیقی کا مقام حاصل کرنے کیلئے عقل کی نہیں بلکہ زہد وتقویٰ اور ریاضت وعبادت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ قرب الٰہی حاصل ہو۔

آئینۂ دل

۱

گر تنِ خاکی غلیظ و تیرہ است   ہے اگر تیرا تن خاکی سیاہ
صیقلش کن زانکہ صیقل گیرہ است   اس کو صیقل کر ہے صیقل آشنا

تا دروں اشکالِ غیبی رُو دہد   تا کہ غیبی صورتیں آئیں نظر
عکس حورے و مَلک در وے جہد   اور ہوں حور و ملک بھی جلوہ گر

۲

صیقلی عقلت بداں داد ست حق   عقل کا صیقل کہ ہے داد خدا
کہ بدو روشن شود دل را ورق   دل کے آئینے کو دے اس سے جلا

صیقلی را بستۂ اے بے نیاز   تو نے صیقل کو بنایا ہے غلام
واں ہوا را کردۂ دو دست باز   اور ہوس کو کر دیا ہے بے لگام

گر ہوا را بند بنہادہ شود   گر ہوس پر تو نے قابو پا لیا
صیقلے را دست بکشادہ شود   ہوگی صیقل کامیاب و خوشنما

۳

تیرہ کردی زنگ دادی در نہاد   آئینہ کو زنگ سے کالا کیا
ایں بُود یَسْعونَ فِی الْاَرضِ الْفَسَاد   اور فساد الارض کا مظہر بنا

۱ اگر تیرا آئینۂ دل سیاہ ہے اور اس پر گناہوں کی سیاہی جمی ہوئی ہے تو اسے یادِ الٰہی سے صیقل کر اسلئے کہ یہ آئینہ صیقل سے صاف ہوجاتا ہے۔
۲ عقل سے کام لے کر حرص وہوس کو ترک کرکے دل کے آئینہ کو پاک وصاف کرو۔
۳ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے یسعون فی الارض الفسادا واللہ لایحب المفسدین وہ لوگ زمین پر فساد پھیلاتے تھے اور اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ مولانا نے اس آیت میں فساد سے مراد دل کی تاریکی لی ہے اسلئے کہ اگر دل دنیاوی خواہشات سے تاریک ہوگا تو انسان تباہی کا راستہ اختیار کریگا۔

تا کنوں کر دی چنیں اکنوں مکن — جو کیا ہے اس سے اب بڑھ کر نہ کر
تیرہ کردہ آب را افزوں مکن — آب کو گندہ کیا بد تر نہ کر

۱

بر مشوراں تا شود ایں آب صاف — مت ہلا ہونے دے اب پانی کو صاف
واندرو بیں ماہ و اختر در طواف — دیکھ اس میں چاند تاروں کا طواف

۲

زانکہ مردم ہستند ہمچو آب جو — نہر کے پانی کی صورت میں بشر
چوں شود تیرہ نہ بینی قعرِ او — تہہ نہاں ہوتی ہے گدلا ہو اگر

قعرِ جُو پُر گوہر ست و پُر ز دُر — نہر کی تہہ میں ہیں موتی اور گہر
ہیں مکن تیرہ کہ ہست آں صاف وحُر — صاف رہنے دے کہ وہ آئیں نظر

۳

جانِ مردم ہست مانندِ ہوا — روح انساں جیسے پاکیزہ ہوا
چوں بگرد آمیخت شد پردہ سما — مل کے مٹی سے ہوئی پردہ نما

مانع آید اُو ز دیدِ آفتاب — دیکھنا سورج کا مشکل ہو گیا
چونکہ گردش رفت شد صافی و ناب — جب چھٹی مٹی تو منظر کھل اٹھا

حاصل آنکہ کم مکن اے بے سرور — مختصر یہ کم نہ کر صیقل کو تو
صیقلی وَاللہ اَعْلَم بِالْقُدُور — جانتا ہے راز دل اللہ ہو

۱ گدلے پانی کو مت ہلا تا کہ مٹی بیٹھ جائے یعنی اب دل کی تاریکی کو مزید نہ بڑھاؤ بلکہ نیکی اپناؤ تا کہ دل سے گناہوں کی کدورت دور ہو۔
۲ اگر پانی گدلا ہو تو نہر کی تہہ نظر نہیں آتی۔ اسی طرح اگر دل گناہوں سے آلودہ ہو تو انسان اپنی ان صلاحیتوں کو دیکھنے اور ان سے بھلائی کیلئے کام لینے سے قاصر ہوتا ہے جو حق تعالیٰ نے اسے نیک اور پاکیزہ زندگی گزارنے کیلئے عطا کی ہیں۔
۳ جب انسانی روح دنیاوی خواہشات کی مٹی سے آلودہ ہو جاتی ہے تو وہ نور حقیقی کی روشنی دیکھنے سے محروم ہو جاتی ہے لیکن جب زندگی گناہوں سے پاک و صاف ہو جائے تو پھر اسرار قدرت سے پردہ اٹھ جاتا ہے اور روح انسانی بزم حقیقت کی لذتوں سے لطف اندوز ہوتی ہے۔

خواہشات

۱

دستِ کورانہ بحبل اللہ زن — بے دریغ اللہ کی رسی کو تھام
جز بہ اَمر و نہی یزدانی متن — اَمر و نہی کے سوا سب کچھ ہے خام

۲

چیست حبل اللہ رہا کردن ہوا — اَمر و نہی کیا ہے ترک خواہشات
کیں ہوا شد صرصرے مر عاد را — عاد کا طوفاں تھا غرق خواہشات

۳

خلق در زنداں نشستہ از ہواست — قیدِ زنداں کا سبب بھی خواہشات
مرغ را پر ہا بہ بستہ از ہواست — بندِ مرغاں کا سبب بھی خواہشات

۴

ماہی اندر تابہٴ گرم از ہواست — سوزِ ماہی کا سبب بھی خواہشات
رفتہ از مستوریاں شرم از ہواست — بے حیائی کا سبب بھی خواہشات

۵

خشم شحنہ شعلہٴ نار از ہواست — نار و قدغن کا سبب بھی خواہشات
چار میخ و ہیبتِ دار از ہواست — دار و رسّن کا سبب بھی خواہشات

شحنہٴ اجسام دیدی بر زمیں — تو نے دیکھا ہے زمیں کا حکمراں
شحنہٴ احکام جاں را ہم بہ بیں — دیکھ اب روحِ مبیں کا حکمران

۱ اگر تو مجتہد نہیں تو اللہ کی رسی کو پکڑ لے اور اس کے احکام کی پابندی کر۔
۲ اللہ کی رسی کو پکڑنے کا مقصد خواہشات نفسانی کو ترک کرنا ہے۔ قوم عاد بھی انہی خواہشات کے باعث طوفان کا شکار ہوئی تھی۔
۳ ہر جاندار خواہشات نفسانی کے باعث مصائب میں گرفتار ہوتا ہے۔ ۴ مچھلی اگر خوراک کا لالچ نہ کرے تو آگ پر بھنے جانے کی تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔ عورتیں خواہشات دنیاوی کے سبب ہی بے حیائی میں مبتلا ہیں۔
۵ حکام کا غصہ بھی دنیاوی خواہشات کی تکمیل کیلئے ہوتا ہے اور یہی خواہشات انسان کو دار پر پہنچاتی ہیں۔

۱

روح را در غیب خود اشکنجہاست　　روح کے بند و سلاسل ہیں نہاں
لیک تا نجہی شکنجہ در خفاست　　زندگی میں وہ نہیں ہوتے عیاں

چوں رہیدی بینی اشکنجہ دِ مار　　وہ نظر آئیں گے مرجانے کے بعد
زانکہ ضد از ضد گردد آشکار　　صبح ہوگی شب گذر جانے کے بعد

۲

چوں رہا کر دی ہوا از بیم حق　　ترک کیں جب خوف حق سے خواہشات
در رسد سغراق از تسنیم حق　　عرش سے آئے گا جام پر صفات

مثال در بیان معنی نومن بالقدر خیرہ وشرہ

(ایک مثال کہ ہم ایمان لائے اچھی اور بری تقدیر پر)

۳

کرد نقاشے دو گونہ نقشہا　　نقش دو نقاش نے کھینچے جدا
نقشہائے صاف و نقش بے صفا　　ایک دلکش نقش تھا اک بدنما

نقشِ یوسف کرد و حور خوش شرست　　ایک تھا یوسف کا اور حوروں کا نقش
نقشِ عفریتاں و ابلیسانِ زشت　　ایک تھا شیطان اور بھوتوں کا نقش

۱ خواہشات نفسانی کی پیروی کرنے والی روح کیلئے آخرت میں سزا کے ذرائع موجود ہیں جو مرنے کے بعد ہی نظر آئیں گے۔

۲ جب انسان عذاب الٰہی کے خوف سے خواہشات نفسانی کو چھوڑ دے گا تو اسے حق تعالیٰ کی طرف سے جام رحمت عطا ہوگا۔

۳ ان اشعار میں مولانا نقاش ازل کی قدرت وکمال کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں وہ جسے چاہے خوبصورت بنا دے اور جسے چاہے بدصورت وہی اچھی اور بری صورت اور تقدیر کا خالق ومالک ہے۔

۱

ہر دو گونہ نقش استادیِ اوست — نقش تھے دونوں مہارت کی دلیل
زشتیِ اونیست آں روایِ اوست — اس کی دانش اور فراست کی دلیل

خُوب را در غایتِ خوبی کشد — خوبصورت کو بنائے خوب تر
حسنِ عالم چاشنی از وے چشد — اہل دنیا کے لئے جنت نظیر

زشت را در غایتِ زشتی کند — ایسا بدصورت کو بدصورت بنائے
جملہ زشتی ہا بگردش بر تند — جس پہ خود بدصورتی کو رشک آئے

۲

تا کمالِ دانشش پیدا شود — تا کہ ہو اس کا کمال فن عیاں
منکرِ اُستادیش رسوا شود — منکر عظمت وہ رسوائے جہاں

۳

ورنہ تاند زشت کردن ناقص ست — بدنما صورت کا بھی خالق ہے وہ
زیں سبب خلاقِ گبرو خالص ست — نور اور ظلمت کا بھی خالق ہے وہ

۴

پس ازیں رُو کفر و ایماں شاہد اند — کفر و اماں اس کی عظمت کے گواہ
بر خداوند لیش ہردو ساجد اند — سر بسجدہ اس کی وحدت کے گواہ

۱ دونوں طرح کے نقش اس کی مہارت اور کمال قدرت کو ظاہر کرتے ہیں۔ ۲ کمال فن کا یہ مظاہرہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کو ظاہر کرتا ہے بلکہ اس کی قدرت کے منکرین کی رسوائی کا موجب بھی ہوتا ہے۔ ۳ جس طرح وہ اچھی صورت تخلیق کرسکتا ہے اسی طرح بری صورت بنانے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔ وہی نور و ظلمت یعنی مومن کو بھی پیدا کرتا ہے اور کافر کو بھی۔ ۴ کافر اور مومن دونوں اس کی قدرت اور عظمت کو مانتے ہیں اور اپنے اپنے انداز میں اس کے حضور سجدہ کرتے ہیں مومن کا سجدہ خلوص ایمانی کا حامل ہوتا ہے جبکہ کافر کا سجدہ اس خصوصیت سے محروم ہوتا ہے۔

۱

لیک مؤمن وانکہ طوعاً ساجد ست — مرد مؤمن دل سے ہے سجدہ کناں
زانکہ جویائے رضا و قاصد ست — ملتجی اس کی رضا کا ہر زماں

ہست کرہاً گبر ہم یزداں پرست — گبر بھی جبراً جھکائے سر و لے
لیک قصدِ او مرادِ دیگر ست — مدعا ہوتے ہیں اس کے دوسرے

۲

قلعۂ سلطاں عمارت می کند — قلعہ سلطاں بناتا ہے مگر
لیک دعویِ امارت می کند — ہے امیری پر سدا اس کی نظر

گشت باغی تا کہ ملک اُو را بود — سلطنت کے واسطے باغی ہوا
عاقبت خود قلعہ سلطاں را شود — مات کھائی بادشاہ حاوی ہوا

مؤمن آں قلعہ برائے بادشاہ — مدعا مؤمن کا ہے شہ کا جلال
می کند معمور نے از بہرِ جاہ — اپنی شوکت کا نہیں اس کو خیال

زشت گوید اے شہِ زشت آفریں — زشت رو کہتا ہے اے رب جلی
قادری بر خوب و بر زشت مہیں — خوب و بدصورت کا ہے خالق تو ہی

خوب گوید اے شہ حسن و بہا — خوب رو بولا شہ حسن و جمال
پاک گردانیدیم از عیبہا — تو نے ہی مجھ کو بنایا خوش خصال

۱ گبر بھی سجدہ کرتا ہے لیکن خدائے وحدہ لاشریک کے حضور نہیں بلکہ فانی جنس کے سامنے۔ درحقیقت مومن کا سجدہ اختیاری ہے اور کافر کا اضطراری اور اضطراری نہ ایمان معتبر ہے نہ عبادت۔ ۲ اضطراری عبادت کی مثال یوں دی جا سکتی ہے جس طرح ایک شخص بادشاہ کیلئے قلعہ تعمیر کرتا ہے لیکن اس کے دل میں یہ خیال ہوتا ہے کہ قلعہ بن جانے کے بعد میں وہ اس پر قبضہ کرکے خود حکمرانی کریگا۔ اس کا مقصد ذاتی مفاد ہوتا ہے لیکن جب وہ اس میں کامیاب نہیں ہوتا تو ذلیل و خوار ہوتا ہے اسی طرح کافر کا اضطراری سجدہ انجام کار بے سود ثابت ہوتا ہے اور اسے خالق حقیقی کا قرب اور بخشش حاصل کرنے میں کامیابی نہیں ہوتی۔

حَمدَ لَکَ وَ الشُّکرُ لَک یا ذَالمَنَن   تو ہے محسن لائق شکر و ثنا
حاضری و ناظری بحالِ مؤمن   تو ہمارے حال کو ہے جانتا

[1]

حاصلِ آں شد گو ہر آنچہ خواست کرد   مختصر یہ اس نے جو چاہا کیا
خوب را و زشت راچوں خارو وَرد   نیک و بد کو خار و گل جیسا رکھا

اُو ست بر ہر بادشا ہے بادشاہ   حکمرانوں کا بھی ہے وہ حکمراں
کار سازِ یَفعَلُ اللہ مَا یَشَا   سب کا مالک کار ساز انس و جاں

اے محبّ مہرباں

[2]

روز نور و مکسب و تابم توئی   دن میں میرا نور اور حاصل ہے تو
شب قرارم سلوت و خوابم توئی   رات کو خواب و سکون دل ہے تو

[3]

از مروت باشد ارشادم کُنی   اپنے لطف خاص سے کر شاد کام
وقت بے وقت از کرم یادم کُنی   یاد فرما چاہے جب بھی صبح وشام

بے نیازی از غمِ من اے امیر   میرے غم سے تو ہے شاہا بے نیاز
دہ زکاتِ جاہ و بنگر در فقیر   دے گدا کو خیر اے بندہ نواز

[1] اللہ تعالیٰ کائنات کا خالق و مالک ہے اور نیک و بد کو اس طرح ساتھ ساتھ رکھتا ہے جس طرح ایک ہی شاخ پر پھول اور کانٹے۔ تاہم دونوں کی خاصیتیں جدا جدا ہوتی ہیں۔

[2] اے میرے پروردگار تیری ہی بدولت اور تیرے ہی کرم سے میری زندگی روشن اور آرام دہ ہے۔

[3] اے رب اپنا یہ کرم اسی طرح جاری رکھنا اور مجھے صبح و شام اپنی عنایات سے نوازتے رہنا۔

۱

می نجوید لطفِ عام تو سند — بے سند ہوتا ہے تیرا لطف عام
آفتابے بر حدثہا می زند — مہر سے ناپاک بھی ہیں شاد کام

۲

نورِ او را زاں زیانے نا بدہ — کچھ زیاں پہنچا نہ اس کے نور کو
واں حدث از خشکیٔ ہیزم شدہ — فائدہ پہنچا مگر مقہور کو

۳

تاحدث در گلخنی شد نور یافت — گندگی بھٹی میں تاباں ہوگئی
بر در و دیوارِ حمامے بتافت — اس کے گرد و پیش پھیلی روشنی

۴

بود آلائش شد آرائش کنوں — رشک زینت بن گئی وہ گندگی
چوں برو بر خواند خورشید آں فسوں — کیا فسوی کاری ہے نورم ہر کی

شمس ہم معدہ زمیں را گرم کرد — کی زمیں کو شمس نے گرمی عطا
تا زمیں باقی حدثہا را بخورد — تاکہ باقی گندگی بھی ہو فنا

۵

جز و خاکی گشت وشداز وے نبات — خاک میں مل کر اگائیں سبزیاں
ھٰکذا یَمْحُو اِلٰہٗ السَّیِّات — یوں مٹاتا ہے گناہ وہ مہرباں

جزو خاکی گشت از وے بار شاد — نور سے مل کر ہوئی مٹی بھی نور
ھٰکذا یَرْحَم اِلٰہٗ لِلْعِبَادِ — مغفرت کرتا ہے یوں رب غفور

۱ اللہ تعالیٰ کے کرم کیلئے کسی کے اچھے یا برے ہونے کی سند کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ بے نیاز ہے جس پر رب چاہے مہربانی فرمادے۔ جس طرح سورج کی شعاعیں پاک اور ناپاک سب پر پڑتی ہیں۔ ۲ سورج کی گرمی سے گندگی خشک ہوکر ایندھن بن گئی اور ضرورت مندوں کو فائدہ پہنچا جب کہ اس عمل سے خوف سورج کی روشنی اور گرمی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ ۳ گندگی سورج کی گرمی سے خشک ہوکر ایندھن بنی تو سارے حمام گرم ہوئے اور گھروں میں اس کے جلانے سے روشنی ہوئی۔ ۴ سورج کی روشنی سے گندگی بھی پاکیزہ ہو کر آرام و آسائش کا باعث بن گئی۔ یہ سب سورج کی کرم فرمائی ہے۔ ۵ گندگی کو جب کھاد کے طور پر استعمال میں لایا جاتا ہے تو اس سے کھیت میں طرح طرح کی سبزیاں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کرم فرمائی کا کرشمہ ہے کہ وہ گندگی اور مٹی سے کس قدر خوشنما و فرحت بخش سبزیاں پیدا کر دیتا ہے۔

با حدث کاں بدتریں است ایں کند　　　بدتریں ناپاکیوں پہ یہ کرم
کِش نبات و نرگس و نسریں کند　　　دے رہی ہے سبزہ گل کو جنم

۱

تا بہ نسرینِ مناسک در وفا　　　گلشن زہد و صفا پہ پھر بھلا
حق چہ بخشد در جزا و در عطا　　　ہوں گے کیا کیا لطف از راہ جزا

چوں خبیثاں را چنیں خلعت دہد　　　جب گناہگاروں پہ ہے اتنا کرم
طیبیں را تا چہ بخشد در رسد　　　ہوگا نیکو کار پر کتنا کرم

آں دہد حق شاں کہ لاعَین رَات　　　نعمتیں بخشے گا ان دیکھی خدا
کہ نگنجد در زباں و در لُغت　　　خوبیاں جن کی بیاں سے ماورا

۲

ماکیئم ایں را بیان کن یار من　　　کون ہوں میں اے مرے محسن بتا
روز من روشن کن از خُلقِ حُسن　　　زندگی پر نور کر اے خوش ادا

۳

منگر اندر زشتی و مکروہیم　　　میرے عیبوں کو برائے کو نہ دیکھ
کہ زِ پُر زہرے چو مارِ کوہیم　　　سانپ جیسی کج ادائی کو نہ دیکھ

۴

ایکہ من زشت و خصالم جملہ زشت　　　میں براہوں میری ہر خصلت خراب
چوں شوم گُل چوں مرا اُو خار کشت　　　خار ہوں میں کیسے بن جاؤں گلاب

۱ جب اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ناپاک کھاد اور مٹی اتنی پاک چیزیں پیدا کر سکتا ہے تو پھر پاک و صاف چیزوں پر اس کا کتنا کرم ہوگا یعنی اگر گناہگاروں کو حق تعالیٰ ہر طرح کی نعمتیں عطا کر سکتا ہے تو پھر نیک کاروں پر کس قدر رحمتیں ہوتی ہوں گی۔ جنہیں نہ تو ہم دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی ان کی خوبیوں کو بیان کیا جا سکتا ہے۔ ۲ اے قادر مطلق میں اپنی اچھائی اور برائی کو جاننے سے عاجز ہوں تو ہی مجھے اپنے آپ کو پہچاننے کی قدرت عطا فرما۔ ۳ میری برائیوں پر نظر نہ ڈال، میرا باطن تو سیاہ ورگناہوں کی زہر سے بھرا ہوا ہے۔ ۴ میں تو کانٹا ہوں مجھ میں کوئی خوبی نہیں تو ہی اپنی نظر کرم سے مجھے پھول بنا سکتا ہے۔ مجھے پھول بنادے اور سانپ جیسے زہریلے کو مور جیسا حسن عطا کردے۔

نور بہارا حسنِ گُل دہ خار را   گل بنا دے خار کو اے گل ادا
زینتِ طاؤس دہ ایں مارا را   سانپ کو ہو مور کی زینت عطا

[1]

در کمالِ زشتیم من منتہی   میں برائی میں خطا میں منتہی
لطفِ تو در فضل و در فن منتہی   تو عنایت اور عطا میں منتہی

[2]

حاجتِ ایں منتہی زاں منتہی   منتہی ہے منتہی سے ملتجی
تو بہ آر اے غیرتِ سروِ سہی   رحم فرما تو ہے یکتا اور غنی

دستگیرم در چنیں بیچارگی   دستگیری کر کہ بیچارہ ہوں میں
شاد گردانم دریں غمخوارگی   شاد فرما درد کا مارا ہوں میں

طبیب

[3]

ایں طبیبان بدن دانشورند   اہل دانش ہیں طبیبانِ بدن
بہ سقام تو ز تو واقف ترند   جانتے ہیں یہ ترا مرض کہن

ہم زِ نبض وہم زِ رنگ وہم زِ دَم   نبض سے رنگت سے تیری سانس سے
بُو بُرند از تو بہر گونہ سِقَم   ہر طرح کے درد کو ہیں جانتے

[1] میں برائی کی انتہا پر ہوں اور تو فضل و کرم کی انتہا پر [2] مجھ جیسا انتہائی گناہ گار تجھ جیسے انتہائی رحیم و کریم سے رحم و کرم کی التجا کرتا ہے۔ [3] جس طرح دنیاوی اطبا ظاہری علامتوں کے ذریعے مرض کی تشخیص کر لیتے ہیں اسی طرح روحانی اطبا علامات سے بغیر اپنی روحانی بصیرت سے مرض کو پہچان لیتے ہیں۔

پس طبیبانِ الٰہی در جہاں   پھر جہاں میں یہ طبیبان خدا
چوں بدانند از تو بے گفتِ وہاں   کیوں نہ جانیں بن سنے سب ابتلا

ہم ز نبضت ہم ز چشمت ہم ز رنگ   نبض سے رنگت سے چشم زرد سے
صد سقم بینند در تو بے درنگ   ہیں وہ آگہ تیرے ہر اک درد سے

ایں طبیبانِ نو آموزند خود   بے گماں یہ سب طبیبان جہاں
کہ بدیں آیات شاں حاجت بُود   دیکھتے ہیں ظاہری رنگ و نشاں

کاملاں از دور نامت بشنوند   اہل دل سنتے ہی تیرے نام کو
تا بہ قعرِ تار و پُودت در روند   دیکھ لیتے ہیں ترے ہر کام کو

حالِ تو دانند یک یک مُو بمُو   جانتے ہیں حال تیرا مو بمو
زانکہ پُر بوند از اسرارِ ہُو   کیونکہ ان پر ہیں عیاں اسرار ہو

کارِ خیر

[1]

ہیں مگو فردا کہ فرداہا گذشت   کل پہ مت چھوڑو کہ سب کل ہیں فنا
تا بکلی نگذرد ایّامِ کِشت   کھو نہ جائے یوں زمانہ کشت کا

[1] اچھے کام کرنے میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ جس طرح بیج کو وقت پر کاشت کرنے سے ہی اچھی فصل پیدا ہوتی ہے اسی طرح نیک عمل بھی بروقت کرنا چاہیے تاکہ اسکا اجر مل سکے۔

۱

پند من بشنو کہ تن بندِ قویست   سن کہ اک بند قوی ہے تن ترا
کہنہ بیروں کن گرت میلِ نویست   چھوڑ دو کہنہ جو چاہتے ہو نیا

۲

لب بہ بند و کف پُر زر بَر کشا   ہونٹ سی لو کھول دو دست عطا
بخلِ تن بگذار پیش آور سخا   ترک کر دو بخل اپنا لو سخا

۳

ترکِ لذتہا و شہوتہا سخا ست   چھوڑ حرص و ہوس کا ہے سخا
ہر کہ در شہو فروشد بَر نخاست   جو ہوس کا ہو گیا وہ کھو گیا

۴

ایں سخا شاخست از سروِ بہشت   ہے سخا اک شاخ سروِ خلد کی
وائے اوکز کف چنیں شاخے بہشت   حیف ہے یہ شاخ جس نے چھوڑ دی

عروۃ الوثقیٰ ست ایں ترک ہوا   ترک خواہش راہِ حق ہے بے گماں
برکشد ایں شاخ جاں را برسما   روح کو لے جائے سوئے آسماں

تابرد شاخِ سخا اے خوب کیش   تجھ کو یہ شاخِ سخا اے نیک خو
مرترا بالا کشاں تا اصلِ خویش   عرش پر پہنچا دے وصلِ خویش

۵

یُوسفِ حسنی و ایں عالم چو چاہ   تو ہے یوسف یہ جہاں ہے اک کنواں
ویں رسن صبر ست بَر اَمرِ اللہ   صبر کر حکمِ خدا ہے بے گماں

۱ تیرا جسم تیری روح کی راہ میں حائل ہے یعنی خواہشات جسمانی روح کو نیک اعمال سے روکتی ہیں۔ پرانے جسم کی خواہشات کو ترک کر اگر تجھے نئے یعنی آخرت میں خوشنما جسم کی خواہش ہے۔ ۲ زبانی باتوں سے کچھ حاصل نہ ہوگا نیک اعمال کرنا ضروری ہے۔ ۳ حرص و ہوس کو ترک کرنا جسم کی سخاوت ہے یعنی جسم سے گناہ کی آلودگی دور ہوتی ہے۔ ۴ حضورؐ کی حدیث شریف ہے کہ سخاوت (مالی یا جسمانی) جنت کے درخت کی شاخ ہے۔ جو شخص سخی ہے اس نے اس درخت کی شاخ کو پکڑ لیا اور یہ شاخ اسے جنت میں پہنچانے کا ذریعہ ثابت ہوگی۔ ۵ جس طرح یوسف کو ان کے بھائیوں نے کنویں میں پھینک دیا تھا اور وہاں ایک مدت تک قید رہے تھے اسی طرح دنیا بھی ایک کنواں ہے جس میں ہم سب قید ہیں یہ قید صبر و تحمل سے گزارنی ہوگی۔

۱

یُوسفا آمد رسن در زن دو دست　　یوسفا رسی خدا کی تھام لے
از رسن غافل مشو بیگہ شد ست　　دن ڈھلا اب ہوش سے کچھ کام لے

۲

حمدُ لِلّٰہ کایں رسن آویختند　　شکر حق کہ مل گئی راہ نجات
فضل و رحمت را بہم آمیختند　　رحمت و عفو و کرم ہیں ساتھ ساتھ

۳

در رسن زن دست بیروں رو ز چاہ　　تھام کر رسی نکل آ چاہ سے
تا بہ بینی بارگاہِ بادشاہ　　تا کہ پائے فیض لطف شاہ سے

۴

تا بہ بینی عالم جانِ جدید　　اک نئی دنیائے جاں آئے نظر
عالِم بس آشکار و ناپدید　　جو عیاں بھی ہے نہاں بھی سر بسر

۵

ایں جہانِ نیست چوں ہستاں شدہ　　ہو گیا ہے عالم فانی عیاں
واں جہانِ ہست چوں پنہاں شدہ　　عالم باقی ہے نظروں سے نہاں

۶

خاک بر بادست و بازی می کند　　خاک ہے رقصاں ہوا کے دوش پر
کژ نمائی پردہ سازی می کند　　پردہ پوشی کر رہی ہے بے خبر

۷

خاک ہمچوں آ لتے در دستِ باد　　خاک تو آلہ ہے دست باد میں
باد را داں عالی و عالی نژاد　　ہے بجا گر باد کو اعلیٰ کہیں

۱ خدا کے احکامات کی پابندی کرنے سے نجات حاصل ہوگی۔ ۲ اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے اس نے ہمیں توبہ اور استغفار کی راہ دکھائی جو ہماری نجات کا باعث ہوگی۔ یہ اس کا کرم اور بخشش ہے۔ ۳ اللہ کے احکامات پر عمل پیرا ہو کر دنیا کی کثافتوں سے نجات حاصل کر، تاکہ تو گناہوں کے کنویں سے باہر نکل سکے اور حق تعالیٰ کی رحمتوں سے فیضیاب ہو۔ ۴ تاکہ تجھے وہ دنیا حاصل ہو جو ظاہر بھی ہے اور پوشیدہ بھی۔ ظاہر اس لئے کہ کلام الٰہی میں اس کی بشارت موجود ہے اور پوشیدہ یوں کہ ہم نے اسے ظاہری آنکھ سے نہیں دیکھا۔ ۵ یہ جہاں جو فانی ہے ہمیں نظر آ رہا ہے اور جسے بقا حاصل ہے وہ ہماری نگاہوں سے چھپا ہوا ہے۔ ۶ جب بگولا اٹھتا ہے تو ہم سمجھتے ہیں کہ خاک رقصاں ہے حالانکہ اسے حرکت میں لانے والی طاقت ہوا ہوتی ہے جو ہماری نظروں سے اوجھل ہوتی ہے۔ اس طرح ہوا اپنی پردہ پوشی کرنا چاہتی ہے۔
۷ خاک تو ہوا کے ہاتھ میں ایک آلہ کی طرح ہے جو ہوا کی وجہ سے حرکت میں آتی ہے۔ بگولے کی حیثیت ہوا سے ہے۔

۱

چشمِ خاکی را بخاک افتد نظر چشم خاکی دیکھتی ہے خاک کو
بادبیں چشمے بُود نوع دگر اور نگاہ بادبین افلاک کو

۲

ایں کہ برکارست وبیکارست وپوست یہ جہان ظاہری کچھ بھی نہیں
وانکہ پنہاں ست مغز واصلِ اُوست وہ جہاں غیب ہے اصل یقیں

۳

نورِ حس را نورِ حق تزئین بود نور حس ہے نور حق سے تابناک
معنیِ نورٌ علیٰ نور ایں بود ہے یہی قرآن میں ارشاد پاک

نورِ حسی می کشد سوئے ثریٰ چشم ظاہر بیں ہے مائل سوئے خاک
نور حقش می بُرد سوئے عُلیٰ چشم حق بیں دیکھے سوئے ذات پاک

نورِ حسی کو غلیظ است و گراں نور حسی ہے کثافت کا نشاں
ہست پنہاں در سوادِ دید گاں جو ہے آنکھوں کی سیاہی میں نہاں

۴

چونکہ نورِ حس نمی بینی بچشم نور حس بھی آنکھ سے ہے جب نہاں
چوں بہ بینی نورِ آں غیبی بچشم نور غیبی دیکھ سکتے ہیں کہاں

نورِ حس با آں غلیظی مختفی ست نور حس بھی جب نظر آتا نہیں
چوں خفی نبود ضیائے کاں صفی ست کیوں نہ ہو پوشیدہ وہ نور مبیں

۱ ظاہری آنکھ صرف ظاہری دنیا کو دیکھ سکتی ہے اور صاحب بصیرت کی آنکھ عالم غیب کو دیکھتی ہے۔ ۲ انسان کی آنکھ کی روشنی نور بصیرت سے ہیں ہے اور قرآن میں نور "علی" نور کا یہی مطلب ہے۔ ۳ دنیاوی جدوجہد بیکار ہے اس لئے کہ اس کی حقیقت چھلکے کی سی ہے یعنی مغز کی ہے اصل چیز عالم غیب ہے جو ہماری نظروں سے اوجھل ہے اسے دیکھنے کیلئے بصیرت قلبی کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ ۴ جب انسان آنکھ کے نور کو نہیں دیکھ سکتا تو پھر وہ نور بصیرت اور نور الٰہی کو کیسے دیکھ سکتا ہے۔ یعنی عام آدمی اہل اللہ کے مقام و مرتبہ کو پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتا۔

۱

این جہاں چوں خس بدستِ بادِ غیب — یہ جہاں خس ہے بدست بادِ غیب
عاجزی پیشہ گرفت از دادِ غیب — اس کا رنگ عاجزی ہے دادِ غیب

گہ بلندش می کند گاہیش پست — وہ کبھی اونچا کبھی نیچا کرے
گہ درستش می کند گاہے شکست — وہ کبھی توڑے کبھی یکجا کرے

گہ یمینش می برد گاہے یسار — وہ کبھی دائیں کبھی بائیں اٹھائے
گہ گلستانش کند گاہیش خار — وہ کبھی کانٹا کبھی گلشن بنائے

گہ بہ بحرش می بُرد گاہیش بَر — گاہے بحر اور گاہے بر پر لے کے جائے
گاہ خشکش می کند گاہیش تر — گاہے وہ خشک اور گاہے تر بنائے

دست پنہان و قلم بیں خط گذار — ہاتھ ہے پنہاں قلم مصروف کار
اسپ در جولان و ناپیدا سوار — ہے دواں گھوڑا مگر غائب سوار

تیر پراں بین و ناپیدا کمان — تیر چلتا ہے کماں پردے میں ہے
جانہا پیدا و پنہاں جانِ جان — جاں عیاں ہے جانِ جاں پردے میں ہے

۲

تیر رامشکن کہ ایں تیرِ شہی ست — شاہ کے تیروں سے تو نالاں نہ ہو
نیست پرتابی زشست آگہی ست — علم ہے ہر شے کا تیر انداز کو

۱ یہ جہاں بادِ غیب یعنی دستِ قدرت میں تنکے کی طرح ہے اور اس کی یہ حیثیت بھی قدرِ مطلق کی عطا کی ہوئی ہے یعنی اسی کی مرضی و منشا سے ہے۔ اگلے اشعار میں اس کی مثالیں دی گئی ہیں۔ ۲ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تکالیف آئیں ان پر رنجیدہ نہیں ہونا چاہئے اس لئے کہ اسے ہر بات کی اچھائی اور برائی کا علم ہوتا ہے جب کہ ہم اس سے بے خبر ہوتے ہیں۔

خشمِ خود بشکن تو مشکن تیر را　　تیر کو مت توڑ غصہ ترک کر
چشمِ خشمت خوں شمارد شیر را　　دھوکہ کھا جاتی ہے غصہ میں نظر

۱

بوسہ دہ بَر تیر و پیشِ شاہ بَر　　چوم کر یہ تیر شہ کے در پہ جا
تیر خوں آلودہ از خون تو تر　　تیر جو تر ہے ترے خوں سے دکھا

۲

اُنچہ پیدا عاجز و بستہ زبوں　　جو ہے ظاہر بے بس و لاچار ہے
وانچہ نا پیدا چنیں تند و حروں　　جو ہے پنہاں قادر و جبار ہے

۳

ماشکاریم ایں چنیں دامے کراست　　جانے کس کے دام میں ہیں ہم اسیر
گوئے چوگانیم و چوگانے کجاست　　گیند ہیں ہم اور چوگاں ناپذیر

۴

می دَرَد می دوزَد ایں خیاط کو　　خود سیئے اور خود ہی پھاڑے بخیہ گر
می دمد می سوزد ایں نفاط کو　　خود جلائے خود بجھائے شمع بر

ساعتے کافر کند صدیق را　　گاہے کافر کو کرے صدیق وہ
ساعتے زاہد کند زندیق را　　گاہے زاہد کو کرے زندیق وہ

۵

زانکہ مخلص در خطر باشد مدام　　پُر خطر ہے طالب حق کا سفر
تا زِ خود خالص نگردد اُو تمام　　گر نہ خود بینی سے پائے وہ مفر

۱ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تکالیف آتی ہے انہیں خندہ پیشانی سے برداشت کرکے اس سے صبر و استقامت کی استدعا کرنی چاہیے۔
۲ ظاہری دنیا اور اس کی ہر چیز دست قضا کے قبضۂ قدرت میں ہے اور اللہ تعالیٰ جو ہماری آنکھوں سے پنہاں ہے تمام معاملات پر قادر مطلق ہے۔ ۳ ہم سب قضا و قدر کے ہاتھ میں اسیر ہیں۔ ہم چوگان کے گیند کی طرح ہیں جسے چوگان کا بلا جو ہمیں نظر نہیں آ رہا جس طرف چاہتا ہے مار پھینکتا ہے۔ ۴ سالک کو راہ سلوک میں بہت سے خطرات کا سامنا ہوتا ہے تاہم اگر وہ خود بینی سے نجات پا کر حق بینی کو زاد راہ بنالے تو وہ ان خطرات کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ ۵ دست قضا و قدر سب کام اپنی مرضی سے کرتا ہے۔

۱

زانکہ در راہست و رہزن بیحد ست　　اس کی رہ میں راہزن ہیں بے شمار
او رہد کو در امانِ ایزدست　　بچ گیا وہ جس کا حق ہو پاسدار

۲

ہیچ آئینہ دگر آہن نہ شد　　کب بھلا آئینہ پھر آہن بنا
ہیچ نانِ گندمی خرمن نہ شد　　نان گندم پھر کہاں خرمن بنا

ہیچ انگورے دگر غورہ نہ شد　　کب ہوا انگور پک کر پھر سے خام
ہیچ میوہ پختہ با کورہ نہ شد　　کب ہوا ہے کوئی میوہ پک کے خام

۳

پُختہ گرد و از تغیر دور شو　　پختہ ہو رَد کر بدلنے کا چلن
رَد چو برہانِ محقق نور شو　　مثل برہانِ محقق نور بن

۴

چوں ز خود رستی ہمہ برہاں شدی　　جب کیا خود کو فنا برہاں بنے
چوں کہ گفتی بندہ ام سلطاں شدی　　دل سے جب بندہ کہاں سلطاں بنے

۵

دَر عیاں خواہی صلاح الدین نمود　　کی صلاح الدین نے قائم مثال
دیدہا را کرد بینا و کشود　　کر دیا آنکھوں کو بینا پر جمال

فقر را از چشمِ او سیمائے اُو　　دیکھ ہائے اس کے رخ پر فقر کو
جید ہر چشمے کہ دارد نورِ ہو　　نورِ حق سے آنکھ جو پر نور ہو

۱ راہ سلوک میں قدم قدم پر گمراہی کا خدشہ ہوتا ہے لیکن جس سالک کو حق نے سہارا دیا اسے کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ ۲ جب سالک مراتب سلوک طے کر کے مقام امن و فنا میں پہنچ جاتا ہے یعنی کمال حاصل کرنے کے بعد خطرات کا ازالہ ہو جاتا ہے اور وہ نقصان سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ صوفیا کا مقولہ ہے الفانی لا یرد یعنی سالک مقام فنا میں پہنچ کر پھر کر نہیں ہوتا۔ اس بات کی تائید میں مولانا چند مثالیں دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ لوہا جب آئینہ بن جائے تو وہ پھر لوہا نہیں بن سکتا۔ قدیم زمانہ میں آئینہ لوہے سے بنایا جاتا تھا اسی طرح گندم سے نان بن جائے تو پھر اسے گندم میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا اور انگور یا کوئی اور میوہ پک کر دوبارہ کچا نہیں بن سکتا۔ ۳ مولانا فرماتے ہیں کہ راہ سلوک اختیار کر کے پختہ ہو جاؤ تاکہ تم بدلنے کے عمل سے نجات پالو جس طرح برہان الدین محقق نے نجات حاصل کی۔ سید برہان الدین محقق مولانا رومی کے استاد اور مرشد تھے اور ایک بلند پایہ صوفی اور عالم دین۔ ۴ جب تم نے خودی کو مٹا دیا تو سراپا سید برہان الدین بن گئے یعنی مقام فنا حاصل کر لیا جب تم نے دل سے اپنے آپ کو اللہ کا بندہ کہا تو سلطان بن گئے یعنی مقام سلوک پا لیا۔ ۵ صلاح الدین زرکوب مولانا کے مرید تھے لیکن مولانا ان کی بہت تعظیم کرتے تھے۔

۱

شیخ فعالست بے آلت چو حق   مثل حق ہے مرد حق بھی کامراں
با مریداں دادہ بے گفتے سبق   درس دیتا ہے وہ بے حرف و بیاں

۲

دل بدستِ او چو مومِ نرم رام   دل ہے اس کے ہاتھ میں بے اختیار
مُہرِ او کہ ننگ سازد گاہ نام   عزت و ذلت کا ہے جو پاسدار

۳

ایں صدا در کوہِ دلہا بانگِ کیست   گونجتی ہے دل میں یہ کس کی صدا
گہ پُرست از بانگ ئہ گاہے تہی ست   اس سے دل خالی کبھی پر مرحبا

ہر کجا ہست اُو حکیم ست اُو ستاد   یہ صدا ہے علم و عرفاں کی صدا
بانگِ او زیں کوہِ دل خالی مباد   یہ صدا یا رب نہ ہو دل سے جدا

۴

ہست کہ کاوہ مثنیٰ می کند   یہ صدا دو چند ہوتی ہے کہیں
ہست کہ کا واز صد تا می کند   اور کہیں صد ہا گنا کیف آفریں

۵

می رہاند کوہ زاں آواز و قال   یہ صدا کرتی ہے کہ سے بے گماں
صد ہزاراں چشمۂ آبِ زلال   تیز پانی کے کئی چشمے رواں

۶

چوں زکہ آں لطف بیروں می شود   اس صدا سے کوہ جب خالی ہوا
آبہا در چشمہا خوں می شود   چشمہ چشمہ تازہ پانی خوں بنا

۱ مردکامل اپنے تصرف سے مرید کی باطنی تربیت کرتا ہے۔ ۲ شیخ کے تصرف سے کبھی ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے جو باعث ننگ ہوتی ہے اور کبھی ایسی جو عزت واحترام کا موجب بنتی ہے۔ ۳ شیخ کے دل میں یہ کس کی آواز کی گونج ہے جس سے کبھی ہمارے دل گونج اٹھتے ہیں اور کبھی ہماری غفلت کے باعث خالی ہوجاتے ہیں۔ ۴ انسان کے دل میں صدائے ربانی اس کے زہدو تقویٰ کے مرتبہ کے مطابق ہوتی ہے۔ ۵ شیخ کامل کی توجہ سے مرید کے دل میں اسرار و رموز کے کئی چشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔ ۶ فیض باطنیہ کے بند ہوجانے سے دل معارف الٰہی سے محروم ہوجاتا ہے اور ان کی جگہ کفریہ خیالات جنم لیتے ہیں۔

۱

زاں شہنشاہ ہمایوں نعل بود | فیض تھا اس شاہ پر اکرام کا
کہ سراسر طور سینا لعل بود | طور سینا لعل کامل بن گیا

۲

جاں پذیرفت و خرد جازائے کوہ | کوہ نے جب نور حق کو پالیا
ما کم از سنگیم آخر اے گروہ | ہم بھلا اس کوہ سے بھی کم ہیں کیا

۳

نے زجاں یک چشمہ جوشاں می شود | چشمہ جاں کیوں نہیں ہے موجزن
نے بدن از سبز پوشاں می شود | رشک گلشن کیوں نہیں تیرا بدن

۴

نے صدائے بانگ مشتاقی درد | کیا ہوئی اس کی صدائے مست مست
نے صفائے جرعۂ ساقی درد | کیا ہوئی اس کی مے ناب الست

۵

کو حمیت تا ز تیشہ وز کلند | تیشہ لو، اٹھو حمیت کیا ہوئی
ایں چنیں کہ را بکلی سر کنند | کھود ڈالو بیخ سے کوہِ قوی

۶

بو کہ ہر اجزائے او تا بد مہے | کیا عجب ہوں اس کے ذرے ماہتاب
بو کہ در وے تاب خوریا بد رہے | کیا عجب ہوں اس کے ذرے آفتاب

۷

چوں قیامت کوہہا را بر کند | جب پہاڑوں کو اکھاڑے گی قیام
پس قیامت ایں کرم را کے کند | یہ کرم دکھلا نہ پائے گی قیام

۱ یہ اشارہ ہے شام میں کوہ طور پر ذات باری کی تجلی پڑنے کی طرف جہاں موسیٰ علیہ السلام خدا اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف حاصل کرتے تھے۔ ۲ مولانا فرماتے ہیں کہ جب پہاڑ نے حق تعالیٰ کی تجلی قبول کرلی تو پھر انسان جو اشرف المخلوقات ہے اپنے اندر یہ تجلی قبول کرنے کی صلاحیت کیوں پیدا نہیں کرسکتا۔ ۳ تمہاری جان یادالٰہی سے کیوں لبریز نہیں اور تمہارا جسم خدا کی عبادات سے کیوں نہیں مہک رہا۔
۴ تمہارا دل کیوں تمام خوبیوں سے محروم ہوگیا ہے ۵ مولانا پوچھتے ہیں کہ تم یادالٰہی کی محرومی سے کیوں اس قدر مغلوب ہوگئے ہو۔ اٹھو اور مجاہدہ کے تیشے سے گناہوں کے پہاڑ کو ریزہ ریزہ کردو۔ ۶ یہ عین ممکن ہے کہ اس کے ذرے آفتاب حقیقت کے نور سے چمک اٹھیں۔ یعنی مجاہدہ کی برکت سے زندگی بدل جائے۔ ۷ قیامت پہاڑوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے گی لیکن اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا لیکن مجاہدہ سے بدن کے پہاڑ کو اکھاڑ پھینکنے سے زندگی فیض ربی سے مستفیض ہوگی۔

۱

این قیامت زاں قیامت کے کم ست — یہ قیامت اس سے کچھ کمتر ہے کیا
آں قیامت زخم واں چوں مرہم ست — وہ قیامت درد ہے اور یہ دوا

۲

ہر کہ دید آں مرہم از زخم ایمن ست — اس دوا سے درد بھی درماں بنے
ہر بَدے کایں حسن دید اُو محسن ست — پر خطا بھی صاحب احساں بنے

۳

اے خنک زشتے کہ خوبش شد حریف — اے خوشا جب بد کا ہو اچھا رفیق
وائے گلرویکہ جفتش شد خریف — وائے وہ گل جو ہو پت جھڑ کا رفیق

۴

ہیزم تیرہ حریف نار شد — کالا ایندھن آگ کا ساتھی بنا
تیرگی رفتہ و ہمہ انوار شد — کالا پن جاتا رہا نوری بنا

صِبْغَۃ اللہ ہست رنگِ خمِ ہُو — رنگ ہے اللہ کے خم کا بہتریں
پیسہا یک رنگ گردد اندرُو — اس میں ہوں بد رنگ بھی خوشتر حسین

چوں در آں خُم اُفتد و کویش قُم — جو گرا اس خم میں وہ بے اختیار
از طرف گوید منم خُم لا تلُم — میں ہی خم ہوں کہہ اٹھا مستانہ وار

۱ قیامت سے تباہی آئے گی جب کہ اس قیامت سے یعنی بدن کے پہاڑ کو مجاہدہ سے تو بالا کرنے سے زندگی گناہوں کے درد سے نجات پائے گی۔ ۲ جس نے مجاہدہ سے مقام فنا حاصل کر لیا وہ روز قیامت کے مصائب سے محفوظ ہو گیا۔ (مرہم مقام فنا اور زخم، قیامت کے دن کی مشکلات) اور جس نے برے نے یہ مرتبہ حاصل کر لیا وہ خوبیوں والا بن گیا۔ ۳ وہ انسان خوش قسمت ہے جس کسی صالح کا ساتھی بن جائے اور افسوس ہے اس پر، بروں کی صحبت جس کا مقدر ہو۔ ۴ اب مولانا مثالوں کے ذریعے اچھی اور بری صحبت کے اثرات کی توضیح کرتے ہیں فرماتے ہیں، سیاہ ایندھن آگ کا ساتھی بنا تو سراپا نور (روشن) ہو گیا اللہ کے خم میں جو بھی گرا وہ خوش رنگ ہو کر نکلا اور اس کے تمام داغ دھبے دھل گئے قرآن پاک میں ارشاد ہے صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ "اللہ کے رنگ سے کس کا رنگ بہتر ہے یعنی جو اللہ کے رنگ میں رنگ گیا اسے سے بہتر رنگ والا کوئی نہیں اور وہ اس رنگ پر کسی کی ملامت کو پسند نہیں کرتا۔

۱

آں منم خُم خود آنا لحق گفتن ست　　میں ہی خم ہوں ہے آنا لحق کی صدا
رنگِ آتش وارد اِلّا آہن ست　　ہے یہ لوہا ظاہراً آتش نما

رنگِ آہن محوِ رنگِ آتش ست　　رنگ لوہے کا ہوا جب آتشیں
زآتشی می لا فد و خامش وش ست　　اس پہ نازاں ہو گیا وہ بے یقیں

چوں بسرخی گشت ہمچوں زرِّ کاں　　جب ہوا سرخی سے لوہا زر نما
پس آنا النّار ست لافش بے زباں　　آگ ہوں میں فخر سے کہنے لگا

۲

شد ز رنگ و طبع آتش محتشم　　جب وہ رنگ و طبع میں آتش بنا
گوید اُو من آتشم من آتشم　　آگ ہوں میں آگ ہوں میں کہہ اٹھا

آتشم من بر تو گر شد مُشتبِہ　　آگ ہوں میں گر نہیں تجھ کو یقیں
روئے خود بر روئے من یکدم بنہ　　میری پیشانی پہ رکھ اپنی جبیں

۳

آدمی چوں نور گیرد از خدا　　جب کسی میں نور حق ہو جلوہ ریز
ہست مسجود ملائک زِ اجتبا　　ہوں ملائک بھی ادب سے سجدہ ریز

۴

نیز مسجود کسے کو چوں ملک　　اس کا بھی مسجود بن جاتا ہے وہ
رَستہ باشد جانش از طغیان و شک　　جو ملائک کی طرح بے عیب ہو

۱　انسان مقامِ فنا میں پہنچ کر جب خدائی رنگ میں رنگ جاتا ہے تو وہ اپنے آپ کو خم کہنے لگتا ہے یہی صورت منصور حلاج کی تھی جس نے مقامِ فنا میں پہنچ کر میں حق ہوں کا نعرہ لگایا تھا۔ لوہا آگ میں رہنے سے آگ کی طرح آتشیں ہوجاتا ہے اور خود کو آگ سمجھنے لگتا ہے۔

۲　جب اہل اللہ فنافی الذات ہو کر اخلاق خداوندی سے فیضیاب ہوتے ہیں تو مظہر نور خدا بن جاتے ہیں اور اہل دنیا کو آزمائش کی دعوت دیتے ہیں۔

۳　جب انسان میں اخلاق خداوندی پیدا ہوجاتا ہے تو وہ ملائک کے احترام کے قابل ہوجاتا ہے۔　۴　اور صالحین بھی اس کا احترام کرتے ہیں۔

١

آتشے چہ آہنے چہ لب بہ بند　　　چھوڑ دے اب آگ اور لوہے کی بات
ریش تشبیہ مشبہ بر مکند　　　ماورا تشبیہ سے ہے اس کی ذات

٢

پائے در دریا منہ کم گو ازاں　　　یہ تو دریا ہے نہ دکھ اس میں قدم
بر لب دریا خمش کن لب گزاں　　　ہونٹ سی خاموش رہ اے محترم

٣

گرچہ صد چوں من ندارد تاب بحر　　　گو کہ لا سکتا نہیں میں تاب بحر
لیک می نہ شکیبم از غرقاب بحر　　　ہے تڑپ دل میں رہوں غرقاب بحر

٤

جان و عقل من فدائے بحر باد　　　بحر پر ہوں میرے عقل و جاں نثار
خونبہائے عقل و جاں این بحر داد　　　اس نے بخشے ہیں اسی پر ہوں نثار

گفتگو بین مجنون و خویشاوندان او راجع بہ حسن لیلیٰ

(مجنوں اور اس کے اقارب کے درمیان حسن لیلیٰ کے بارے میں گفتگو)

ابلہاں گفتند مجنوں را ز جہل　　　چند نادانوں نے مجنوں سے کہا
حسن لیلیٰ نیست چنداں ہست سہل　　　حسن لیلیٰ کچھ نہیں ہے عام سا

بہتر از وے صد ہزاراں دلربا　　　شہر میں ہیں اس سے بہتر دلربا
ہست ہمچوں ماہ اندر شہر ما　　　خوبصورت ماہ وش نازک ادا

١ گزشتہ اشعار میں بات سمجھانے کی غرض سے ذات خدا کو آگ سے تشبیہہ دی اب فرماتے ہیں کہ وہ تو خالق ہے اسے کسی مخلوق سے کیونکر تشبیہ دی جا سکتی ہے لہٰذا بہتر ہے کہ اس بحث کو ختم کیا جائے۔ ٢ مولانا فرماتے ہیں کہ ذات وصفات کا ذکر تو بحر بیکراں ہے اس میں داخل نہ ہونا ہی بہتر ہے اس لئے کہ اس کی تہہ تک پہنچنا انسانی عقل کے بس کی بات نہیں۔ ٣ مولانا فرماتے ہیں مجھ جیسے سینکڑوں علما بھی مل جائیں تو اس بحث کا احاطہ نہیں کر سکتے تاہم ذات وصفات کا ذکر کئے بغیر صبر بھی نہیں آتا۔ ٤ مولائے روم فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے مجھے عقل وجان کے ذریعے دین ودنیا کی بے انتہا نعمتیں اور فضیلتیں عطا کی ہیں اس لئے اب میں عقل وجان اس پر نثار کروں یعنی اس کیلئے وقف کر دوں تو کوئی حرج نہیں۔

نازنیں تر زُو ہزاراں حور وش	نازنیں اور پیکر حسن و جمال
ہست بگزیں زاں ہمہ یکبار خوش	جس کو چاہے چن سبھی ہیں بے مثال
وارہاں خود را و ما را نیز ہم	تا کہ اس بندھن سے مل جائے نجات
از چنیں سودائے زشتِ مُتّہم	عشق کی تہمت سے سب پائیں براُت
گفت صورت کوزہ است و حسن مے [1]	قیس بولا حسن مے صورت ہے جام
مے خدا یم می دہد از ظرفِ وے	مجھ کو رب کرتا ہے اس سے شاد کام
مرشما را سرکہ داد از کوزہ اش	اور دیا سرکہ تمہیں اس جام سے
تا نبا شد عشق اوتاں گوش کش	تم رہے محروم اس انعام سے
از یکے کوزہ دہد زہر و عسل [2]	کوئی پائے زہر کوئی شہد لیک
ہر یکے را دست حق عز و جل	کیا عجب ہے جام بھی ساقی بھی ایک
کوزہ می بینی ولیکن آں شراب	جام تو آئے نظر لیکن شراب
روئے ننماید بچشمِ نا صواب	بے ہنر آنکھوں سے کرتی ہے حجاب
قاصرات الطرف باشد ذوقِ جاں [3]	حور جنت کی طرح یہ ذوق جاں
جز بخصمِ خویش ننماید نشاں	غیر کے محفل سے ہے دامن کشاں

۱ قیس کے دوست اسے کہتے ہیں کہ لیلیٰ عام سی صورت رکھتی ہے اسے چھوڑ کر کسی دوسری خوبصورت لڑکی کا انتخاب کرنا تاکہ تم اس الزام سے چھٹکارا پاؤ کہ ایک معمولی شکل وصورت والی کے عشق میں مبتلا ہو۔ تو قیس کہتا ہے جسم تو جام کی طرح اور اس میں حسن مے کی مانند ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اس مے سے سرشار کرتا ہے جس سے تم سب محروم ہے۔ ۲ مولانا عشق معرفت کے حوالے سے کہتے ہیں کہ جام تو ایک ہی ہے لیکن اس کی مے سے کسی کیلئے شہد ہے اور کسی کیلئے زہر ۳ جام میں جو شراب ہے اس کی تاثیر سے ہر کوئی بہرہ ور نہیں ہو سکتا۔ اس کیلئے ذوق اور حسن طبع کی ضرورت ہے۔ جنت کی حور ہر کسی کو نظر نہیں آ سکتی۔

۱

قاصرات الطرف باشد آں مدام — عشق کی مے حور جنت کی طرح

ویں حجاب ظرفہا ہمچوں خیام — پردہ کش ہے خم میں راحت کی طرح

۲

صورتِ ہر نعمتے و محنتے — ہے جدا صورت ہر اک انعام کی

ہست ایں را دوزخ اُنرا جنتے — نور ہے گاہے تو گاہے نار بھی

۳

زہر باشد مار را ہم قوت و بُرگ — زہر سے ہی سانپ پائے زندگی

غیرِ اُو را زہر او دردست و مرگ — اور انسان کی جائے زندگی

پس ہمہ اجسامِ اشیاء تُبصِرُونَ — دیکھتے ہو تم جو سب چیزیں یہاں

اندرو قوت ست و سم لا تُبصِرُونَ — زہر بھی ہے رزق بھی ان میں نہاں

ہست ہر جسمے چو کاسہ و کوزہ — جسم ہیں مانند جام و خم سبھی

اندرو ہم قوت و ہم دل سوزۂ — ان میں جاں پرور بھی ہیں جاں سوز بھی

۴

کاسہ پیدا اندرو پنہاں رَغَدَ — جام ظاہر ہے مگر مستی نہاں

طاعمش داند کزاں چہ می خورد — لذات بادہ ہے میکس پر عیاں

۵

صورتِ یوسف چو جامے بود خوب — تھی حسیں یوسف کی صورت مثل جام

زاں پدر می خورد صد بادہ طروب — باپ مے پیتا تھا اس سے صبح و شام

۱ شرابِ عشق کی مستی حور جنت کی طرح موجود ہے لیکن اس سے ہر کوئی راحت حاصل نہیں کرسکتا۔ ۲ جس طرح ایک چیز کسی کیلئے سودمند ہے تو کسی اور کیلئے نقصان دہ یہی صورت عشق کی ہے۔ ۳ سانپ کا زہر سانپ کیلئے قوت کا ذریعہ ہے اور انسان کیلئے موت کا ۴ جام تو سب کو نظر آتا ہے لیکن اس میں جو مستی ہے اس کا اندازہ صرف بادہ کش ہی کرسکتا ہے دوسرے اس مستی کو محسوس نہیں کرسکتے۔ عشق الٰہی کی لذت سے صرف وہی فیضیاب ہوتے ہیں جو محبوب حقیقی کی محبت سے سرشار ہوں۔ ۵ اب مولانا حضرت یوسف کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کی صورت جام کی سی تھی اور اس کے والد حضرت یعقوب دن رات تصور میں اسی جام سے اس کے حسن کی شراب پیتے تھے۔

۱

بازخواں را ازاں زہراب بُود — بھائیوں کے واسطے زہراب تھی
کاندر ایشاں زیرِ کینہ مغز بود — بغض و کینے کا بھیانک خواب تھی

باز از وے مر زلیخا را شکر — اور زلیخا کیلئے وہ انگبیں
می کشید از عشق افیونِ دگر — عشق کی مستی سے تھی کیف آفریں

غیرِ آں چہ بود مر یعقوب را — دیدہِ یعقوب کی تھی روشنی
بُود از یوسف غذا آں خوب را — اور زلیخا کیلئے اک زندگی

کونہ کونہ شربت و کوزہ یکے — کونا گوں ہے لیک پیمانہ ہے ایک
تا نماند در مے غیبت شکے — میکشو دیکھو تو میخانہ ہے ایک

۳

بادہ از غیب ست و کوزہ زیں جہاں — بادہ آفاقی ہے خُم خاکستری
کوزہ پیدا بادہ در وے بس نہاں — خُم ظاہر ظاہر ہے نہاں اے مشتری

بس نہاں از دیدۂ نا محرماں — وہ نگاہِ بے ہنر سے ہے نہاں
لیک بر محرم ہویدا و عیاں — اور نگاہِ با ہنر پہ ہے عیاں

۴

یَا اِلٰھِی سُکِّرَتْ اَبْصَارُنَا — اے خدا مدہوش ہیں آنکھیں مری
فَاعْفُ عَنَّا اُثْقِلَتْ اَوْزَارُنَا — رحم کر بارِ گناہ ہے منتہی

۱ حضرت یوسف کے حسن کی شراب بھائیوں کیلئے زہر تھی اور زلیخا کیلئے شہد تھی۔ یوسف کا قصہ قرآن حکیم میں بیان کیا گیا ہے ان اشعار میں اسی کا حوالہ ہے۔ ۲ صورتیں جدا اور ان کے حسن کے پرتو کا انداز مختلف سہی لیکن ان کا سرچشمہ ایک ہے۔ ۳ حسن کی شراب آسمانی ہے اور پیالہ یعنی جسم خاکی ہے اسی لئے پیالہ تو دکھائی دیتا ہے لیکن شراب کو دیکھنے اور اس کی کیف آفرینی سے بہرہ ور ہونے کیلئے نور بصیرت کی ضرورت ہے۔
۴ آخری اشعار میں مولانا بارگاہِ ایزدی میں التجا کرتے ہیں کہ میری آنکھیں گناہوں سے مدہوش ہیں اور گناہ کا بوجھ بے اندازہ ہے۔

۱؎

یَا خَفِیًّا قَدْ مَلَأْتَ الْخَافِقَیْن　　اے خفی اے مشرق و مغرب کے نور
قَدْ عَلَوْتَ فَوْقَ نُوْرِ الْمَشْرِقَیْن　　سب سے روشن تیرے جلووں کا ظہور

۲؎

اَنْتَ سِرٌّ کَاشِفٌ اَسْرَارَنَا　　راز یکتا کاشف اسرار تو
اَنْتَ فَجْرٌ مُفْجِرٌ اَنْهَارَنَا　　صبح روشن مالک انہار تو

۳؎

یَا خَفِیَّ الذَّاتِ مَحْسُوْسَ الْعَطَا　　تو خفی ہے اور غنی والا صفات
اَنْتَ کَالْمَاءِ وَ نَحْنُ کَالرَّحَا　　تو ہے دریا ہم ہیں پن چکی کے پاٹ

اَنْتَ کَالرِّیْحِ وَ نَحْنُ کَالْغُبَار　　تو ہوائے خوش ادا ہم ہیں غبار
تَخْتَفِی الرِّیْحُ وَ غَبْرَاہُ جِهَار　　تو چھپا ہے تو ہم ہیں آشکار

۱؎ اللہ تعالیٰ کی ذات مخفی ہے لیکن ساری کائنات اس کے جلووں سے منور ہے اور اس کے دست قدرت کے کمال گوناں گوں صورتوں میں دکھائی دیتے ہیں۔

۲؎ ذات الٰہی ایک راز ہے جسے انسان سمجھنے سے قاصر ہے لیکن وہ ذات ہمارے سب رازوں سے آگاہ ہے۔

۳؎ ذات حق کی عنایت سے ہی ہماری زندگی میں حرکت ہے۔ جس طرح دریا کے پانی سے پن چکی کے پاٹ حرکت میں رہتے ہیں۔ آئندہ اشعار میں مولانا مختلف مثالیں دے کر یہ ثابت کرتے ہیں کہ کائنات میں سب کچھ اللہ کے دست قدرت سے وجود میں آتا ہے اور اسی کی عنایت سے رواں دواں ہے۔

داستانِ پیر چنگی

بوڑھا چنگ نواز جو حضرت عمرؓ کے عہد میں بیکسی کی حالت میں چنگ بجاتا تھا

این شنید ستی کہ در عہدِ عمرؓ   ذکر ہے حضرت عمرؓ کے عہد کا
بود چنگی مطربے با کر و فر   تھا کہیں اک چنگ نواز خوش ادا

بلبل از آوازِ اُو بے خود شدے   بلبلیں اس کی صدا سے مست مست
یک طرب ز آوازِ خوبش صد شدے   مستیاں اک اک نوا سے مست مست

مجلس و مجمع دمش آراستے   محفلیں تھیں اس کے نغموں سے حسیں
و ز نزائے او قیامت خاستے   اس کے نغمے تھے قیامت آفریں

ہمچو اسرافیل کا وازش بفن   مثل اسرافیل ہو کر نغمہ خواں
مردگاں را جاں در آرد در بدن   پھونکتا تھا وہ تن مردہ میں جان

[1]

اولیاء را در دروں ہم نغمہاست   اولیاء ہیں نغمہ عرفاں سے مست
طالباں رازاں حیات بے بہاست   طالب حق ان کے حسن جاں سے مست

[1] یہاں سے مولانا اصل داستاں سے گریز کرتے ہوئے عارفان حق کا ذکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ نغمہ عرفاں کو وہی سن اور سمجھ سکتا ہے جس کا دل نورِ معرفت سے روشن ہو اور جو نغمہ معرفت کی زبان سے واقف ہے۔

۱

نشنود آں نغمہا را گوشِ حس	حرف دنیا سے نجس ہیں جس کے کان
کز ستمہا گوشِ حس باشد نجس	ایسے نغموں کا نہیں وہ قدر دان

۲

نشنود نغمہ پری را آدمی	کیا سنے پریوں کا نغمہ آدمی
کو بود زِ اَسرارِ پریاں اعجمی	جب نہ ہو ان کی زباں سے آگہی

گرچہ ہم نغمہ پری زیں عالم است	نغمہ پریوں کا ہو یا انسان کا
نغمۂ دل برتر از ہر دو دَم است	نغمہ دل سب سے برتر اور جدا

سورۂ رحمٰں بخواں اے مبتدی	سورۂ رحمٰن پڑھ اے متبدی
تا شوی بہ سِرِّ پریاں مُہتدی	ہوگی اسرار نہاں سے آگہی

۳

مَعْشَرَ الْجِنّ سورۂ رحمٰں بخواں	مَعْشَرَ الْجِنّ سورۂ رحمٰن میں پڑھ
تَسْتَطِيْعُوا تَنْفُذُوْ را باز داں	تَسْتَطِيْعُوا تَنْفُذُوْ کو بھی سمجھ

۴

نغمہ ہائے اندرون اولیاء	اولیاء کے دل سے اٹھے جو صدا
اَوَّلاً گوید کہ اے اجزاء لا	وہ تجھے پیغام دے تو ہے فنا

۱ جو دنیاوی باتیں سن کر لطف اٹھاتے ہیں وہ نغمہ عرفاں سے محظوظ نہیں ہو سکتے۔

۲ جو نغمہ معرفت کے الفاظ اور بیاں سے ہی نا آشنا ہو وہ اسکے معنی کو کب سمجھ سکتا ہے۔

۳ سورۃ رحمٰن میں ارشاد ہے کہ "اے جن اور انسانوں کے گروہ اگر تم سے ہو سکے کہ تم آسمان اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤں (اور ہم سے بچ جاؤ) تو نکل جاؤ۔ نہ نکلو گے مگر زور سے" یعنی وہ کسی صورت بھی حق تعالیٰ کی دست رس سے باہر نہیں ہو سکتے اس لئے کہ تمام کائنات قادر مطلق کی تابع فرمان ہے۔

۴ اولیاء کرام کے ارشادات دنیا کی بے ثباتی کا پیغام دیتے ہیں اور واضح کرتے ہیں کہ انسان اس دار الفنا کا ایک جزو ہے۔

۱

اے ہمہ پوشیدہ در کون و فساد　　اے جہاں کے بیش و کم میں مبتلا
جانِ باقی تاں نروید و نزاد　　روح باقی ہے نہیں اس کو فنا

۲

کارِ ایشان ست زاں سوئے پرے　　سِرِّ کارِ اولیاء پائے گا تو
گر ددت روشن چوجوئی رہبرے　　جب کسی رہبر کی ہوگی جستجو

گر بگویم شمۂ زاں نغمہا　　گر سُناؤں حق کے نغموں کا بیاں
جانہا سر بر زنند از دخمہا　　جی اٹھیں قبروں سے مُردے بے گماں

۳

گوش را نزدیک کن کاں دور نیست　　گوشِ دل سے ایسے نغموں کو سُنو
لیک نقلِ آں بتو دستور نیست　　اُن کو سننا گر ترا دستور ہو

۴

ہیں کہ اسرافیل و قتند اولیاء　　سن کہ اسرافیل دوراں ہیں ولی
مُردہ را زیشاں حیات ست و نما　　مُردہ تن کو بخشتے ہیں زندگی

۵

جانہائے مُردہ اندر گور تن　　مردہ جانیں گورِ تن میں زار زار
برجہد ز آوازِ شاں اندر کفن　　ہیں صدائے اولیاء سے بے قرار

۱ اے کاروبارِ ہستی میں کھوئے ہوئے انسان تو دنیاوی کاموں میں اس قدر گم ہے کہ تیری روح ان حقائق سے نا آشنا رہی جن سے بقا حاصل ہوتی ہے۔ ۲ تو اولیاء کے اسرار و رموز کو اس وقت سمجھ سکے گا جب کسی مردِ کامل کی جستجو کرکے اس کی صحبت سے فیضیاب ہوگا۔
۳ اگر تم گوشِ دل کھلے رکھو تو نغماتِ عرفاں تم سے دور نہیں یقیناً سن سکو گے لیکن انہیں سننے کیلئے کوشاں ہونا پڑیگا۔ انہیں بغیر سعی یعنی زہد و تقویٰ کے سننا ممکن نہیں۔ ۴ جس طرح قیامت میں صورِ اسرافیل سے مردہ تن زندہ ہوجائیں گے اسی طرح اولیاء کے فرمودات سے دل مردہ زندگی پاتے ہیں۔ ۵ جسم انسان ایک قبر کی مانند ہے جس میں روح ایک مردہ کی طرح بند ہوتی ہے لیکن اولیاء کی آواز جو پیغامِ الٰہی دیتی ہے اسے حیات نو بخشتی ہے۔

۱

گوید ایں آوازِ آواہا جداست   یہ صدا ہے سب صداؤں سے جدا
زندہ کردن کارِ آوازِ خداست   زندگی دیتی ہے آواز خدا

چوں ز صوت اولیاء آگاہ شوند   ہو کے صوت انبیاء سے آشنا
از طرب گویند چوں بارہ شوند   راہ حق پایا تو خوش ہو کر کہا

۲

ما بُمردیم و بکلی کاستیم   مضمحل تھے مرچکے تھے ہم مگر
بانگِ حق آمد ہمہ برخاستیم   جی اٹھے سن کر صدائے ذی قدر

۳

اے فنا تاں نیست کردہ زیر پوست   تم ہوئے دست فنا سے بے نشاں
باز گردید از عدم ز آوازِ دوست   لوٹ آؤ سن کے صوت مہرباں

۴

مطلق آں آواز کہ از شہ بُود   ہے حقیقت میں وہ آواز خدا
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بُود   گو کہ ہے وہ سا کے بندے کی صدا

۵

گفتِ اُورا من زباں و چشمِ تو   میں تری چشم و زباں حق نے کہا
من حواس و من رضا و خشمِ تو   میں ہی تیری ناخوشی ہوش و رضا

۶

رَو کہ بی یَسْمَع و بی یُبْصِرُ توئی   میری ہی قدرت سے دیکھو اور سنو
سر توئی چہ جائے صاحب سر توئی   رازداں کیوں راز ہی بن کر رہو

۱ اولیاء کی آواز پیغام حق سناتی ہے لہٰذا یہ آواز خدا ہے جو مردہ دلوں کو زندگی عطا کرتی ہے۔ ۲ روح انسان کہتی ہے کہ ہم مردہ ہو چکے تھے لیکن اولیاء اللہ سے نام حق سن کر دوبارہ زندہ ہو گئے۔ ۳ انسان اگر دنیا کا ہو جائے تو وہ فنا ہو جائے گا لیکن اگر وہ پیغام حق سن کر اس پر عمل پیرا ہو تو اسے بقا حاصل ہو گی۔ ۴ اہل خدا کی باتیں ذکر خدا سے معمور ہوتی ہیں اس لئے ان کا قول در حقیقت قول حق کی بازگشت ہوتی ہے۔ ۵ حدیث شریف میں ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں جب بندہ سے محبت کرتا ہوں تو اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ یعنی بندگان خاص کا قول و فعل اور خوشی و ناخوشی رضائے الٰہی کی عکاس ہوتی ہے۔

۶ قادر مطلق کا ارشاد ہے کہ جو میرا ہو گیا وہ میرے ذریعے سنے گا اور میرے ذریعے دیکھے گا۔ وہ راز داں نہیں بلکہ خود سراپا راز الٰہی ہو گا یعنی تمام اسرار الٰہیہ اس پر عیاں ہوں گے۔

[1]

مطربے کز وے جہاں شد پُرطرب
رُستہ ز آوازش خیالاتِ عجب

وہ مغنی جس سے دنیا نغمہ بار
جس کے نغموں سے تخیل پر بہار

از نوایش مرغ دل پراں شدے
وز صدایش ہوشِ جاں حیراں

مرغ دل اس کی صدا سے نغمہ خواں
منتشر اس کی نوا سے ہوشِ جاں

چوں بر آمد روزگارش پیر شد
باز جانش از عجز پشۂ گیر شد

عمر کے ڈھلتے ہی پیری آگئی
باز جاں پر بھی نقاہت چھا گئی

پشتِ اُو خم گشت ہمچوں پشتِ خُم
اَبرواں بر چشم ہمچوں پارِ دُم

جسم میں خم کی طرح خم آگیا
ابروں کا حسن بھی گہنا گیا

گشت آوازِ لطیف و جانفزاش
ناخوش و مکروہ زشت و دلخراش

اس کی آواز لطیف و جانفزا
ہوگئی بے کیف بے جاں بے مزا

آں نوا کہ رشکِ زہر آمدہ
ہمچو آوازِ خرے پیرے شدہ

وہ صدا جو رشک زہر تھی کبھی
اب صدائے خر سے بدتر ہوگئی

خود کدا میں خوش کہ آں ناخوش نشد
یا کدا میں سقف کاں مفرش نشد

کون ہے جس کی خوشی ہے نا تمام
کب کسی چھت کو ہوا حاصل دوام

[1] یہاں سے مولانا چنگ نواز کی داستان پھر سے شروع کرتے ہیں۔

چونکہ مطرب پیر تر گشت و ضعیف
شد زبے کسبی رہین یک رغیف

تھا بڑھاپے سے مغنی خوار و زار
اور بیکاری سے فاقوں کا شکار

گفت عمر و مہلتم دادی بسے
لطفہا کر دی خدایا با خسے

عرض کی بخشی مجھے عمر دراز
اور بہت شفقت بھی کی عاجز نواز

معصیت و زیدہ ام ہفتاد سال
باز نگرفتی زِ من روزے نوال

کو کٹی ہے معصیت میں زندگی
تو نے بخشش کو نہیں روکا کبھی

نیست کسب امروز مہمانِ تو ام
چنگ بہر تو زنم کانِ تو ام

اب ترا مہماں ہے یہ بے ننگ و نام
نغمہ زن تیرے لئے ہے یہ غلام

چنگ را برداشت شد اللہ جُوئے
سوئے گورستانِ یثرب آہ جُوئے

ساز لے کر طالب راہ خدا
آہیں بھرتا سوئے قبرستاں چلا

گفت خواہم از حق اَبریشم بہا
کہ بہ نیکوئی پذیرد قلب ہا

اپنے فن کا حق مانگوں گا صلہ
کھوٹے سکوں کا بھی ہے وہ قدرداں

چنگ زد بسیار و گریاں سرنہاد
چنگ بالیں کرد و بر گورے فتاد

ساز چھیڑا دیر تک روتا رہا
سر رکھا اک قبر پر اور سو گیا

خواب بردش مرغِ جاں از جبش رُست — نیند میں تن کے قفس سے اس کی جاں
چنگ و چنگی را رہا کرد و بجست — چنگ و چنگی سے ہوئی دامن کشاں

[1]

گشت آزاد از تن و رنجِ جہاں — قید تن رنج جہاں سے چھٹ گئی
در جہانِ سادہ و صحرائے جاں — عالم ارواح میں داخل ہوئے

جانِ اُو آنجا سرایاں ماجرا — روح اس کی واں ہوئی یوں نغمہ خواہاں
کاندریں جا گر بماندے مرا — تا ابد اے کاش رہ سکتی یہاں

خوش بدے جانم ازیں باغ و بہار — ہے مسرت آفریں یہ گلستاں
مستِ ایں صحرائے غیبِ لالہ زار — ڈوب کر مستی میں رہتی شادماں

بے پر و بے پا سفر می کردمے — بے پرو پا میں یہاں کرتی سفر
بے لب و دنداں شکر می خوردمے — اور کھاتی بے لب و دنداں شکر

ذکر و فکرے فارغ از رنجِ دماغ — غرق ذکر و فکر ہو کر صبح و شام
کردمے با ساکنانِ چرخِ لاغ — اہل حق کے ساتھ رہتی شاد کام

چشم بستہ عالمے می دیدمے — چشم بستہ دیکھتی سارا جہاں
ورد و ریحاں بے کفے بچیدمے — اور کرتی بن چھوئے گل چینیاں

[1] یہاں سے آگے مولانا چنگ نواز کے روح کی عالم ارواح میں پہنچنے اور وہاں اس کی کیفیات واحساست کو بیان کرتے ہیں۔

گر بود دہ چند ایں چرخے کہ ہست
نیست نزدِ آں جہاں جز تنگ و پست

دس گناہ بھی آسمان ہوتا اگر
اُس جہاں کے سامنے ہے تنگ تر

مثنوی در حجم گر بودے چو چرخ
درنگنجیدے دریں زان نیم بَرخ

مثنوی جتنی وسیع ہوتی ولے
تنگ تھی، وہ ذکرِ عقبیٰ کیلئے
[1]

ویں جہانے کاندریں خوابم نمود
از کشائش پَر و بالم را کشود

وہ جہاں جو خواب میں آیا نظر
اُس کی وسعت سے کھلے ہیں بال وپَر

ایں جہان و راہش ار پیدا بدے
کم کسے یک لحظہٗ اینجا بدے

اُس جہاں کی خوبیوں کو دیکھ کر
کون رہتا اِس جگہ پر لمحہ بھر

اَمر می آمد کہ ہیں طامع مشو
چوں ز پایت خار بیروں شد برو

حکم تھا حرص و ہوس کو چھوڑ دو
ترک کر دو غفلتیں آگے بڑھو

مُول مُولے میزد آنجاد جانِ اُو
در فضائے رحمت و احسانِ اُو

اس کی روح کہتی تھی رک جاؤ یہیں
ہے فراواں لطفِ ربّ العالمیں

[1] چونکہ نوا کی روح عالم ارواح کی وسعت، انوار الٰہی کی فراوانی اور سکون جاودانی سے اس درجہ متاثر ہوئی کہ واپس آنے کو تیار نہ تھی۔

حضرت عمرؓ کو بارگاہِ حق سے پیر چنگی کی امداد کا حکم

[1]

آں زماں حق بر عمرؓ خوابے بگماشت
تا کہ خویش از خواب نتواست داشت

جب کیا حق نے عمرؓ کو محو خواب
نیند سے وہ کیسے کرتے ہیں اجتناب

در عجب افتاد کیں معہود نیست
ویں زغیب افتاد بے مقصود نیست

اس طرح تو میں کبھی سویا نہیں
ہے یہ سب کچھ غیب سے بے جا نہیں

سر نہاد و خواب بردش خواب دید
کامدش از حق ندا جانش شنید

سر رکھا اور سو گیا تو اس گھڑی
خواب میں اس نے صدائے حق سنی

آں ندائے کاصلِ ہر بانگ ونواست
خود ندا آنست وایں باقی صداست

وہ صدا ہیں سب صدائیں جس کی گونج
اصل ہے وہ اور باقی اس کی گونج

[2]

تُرک و کُرد و پارسی گو و عرب
فہم کردہ آں ندا بے گوش و لب

ترک و کرد و فارس گو اور عرب
اس ندا سے آشنا ہیں سب کے سب

خود چہ جائے تُرک وتاجیک ست وزنگ
فہم کردست ایں ندارا چوب وسنگ

ترک و تاجک اور حبشی کے سوا
چوب وسنگ بھی سن چکے ہیں یہ صدا

[1] یہاں سے مولانا پھر چنگ نواز کی داستان بیان کرتے ہیں۔
[2] اللہ کی آواز جو دل سے سنی جاتی ہے۔ کان اور زبان کے بغیر۔

[1]

ہر دمے از وے ہمی آید اَلَست ‏ ‏ ‏ اس سے گونجے دمبدم عہد الست

جوہر و اغراض می گردند مست ‏ ‏ ‏ جو بنائے انس و جاں کو مست مست

پیر چنگی کو حضرت عمرؓ کا پیغامِ حق پہنچانا

بانگ آمد مر عمرؓ را کاے عمرؓ ‏ ‏ ‏ پھر عمرؓ کو خواب میں آئی صدا

بندۂ ما را ز حاجت باز خر ‏ ‏ ‏ میرے حاجت مند بندے کو بچا

بندۂ داریم خاص و محترم ‏ ‏ ‏ محترم اور خاص بندہ ہے مرا

سوئے گورستاں تو رنجہ کن قدم ‏ ‏ ‏ اے عمرؓ جا سوئے گورستان جا

اے عمرؓ برجہ زبیت المال عام ‏ ‏ ‏ اے عمرؓ اٹھ اور بیت المال سے

ہفتصد دینار بر کف نہ تمام ‏ ‏ ‏ بے حذر تو سات سو دینار لے

پیشِ اُو بَر کاے تو ما را اختیار ‏ ‏ ‏ اس سے کہنا پیش کر کے یہ رقم

ایں قدر بستاں کنوں معذور دار ‏ ‏ ‏ یہ ہے تیرے واسطے اے محترم

ایں قدر از بہر ابریشم بہا ‏ ‏ ‏ ہے یہ تیری ساز کاری کا صلہ

خرج کن چوں خرج شد ایں جا بیا ‏ ‏ ‏ پھر ضرورت ہو تو آنا اس جگہ

[1] ازل میں خداوند کریم نے روحوں سے پوچھا "کیا میں تمہارا خدا نہیں؟" روحوں نے کہا "بلیٰ" یعنی ہاں ۔ یہ عہد الست ہے۔

پس عمرؓ زاں ہیبتِ آواز جست — سن کے یہ آواز جاگ اٹھے عمرؓ
تامیاں رابہرِ ایں خدمت بہ بست — اور کمر بستہ ہوئے تعمیل پر

سوئے گورستاں عمرؓ بنہاد رُو — لے کے نقدی سوئے گورستاں چلے
در بغل ہمیاں دواں در جستجو — کونے کونے میں اسے ڈھونڈا کئے

گرد گورستاں دواں شد اُو بسے — چار سو دوڑے پھرے دیکھا مگر
غیرآں پیر اُو ندید آنجا کسے — اک وہی بوڑھا وہاں آیا نظر

گفت ایں نبود دگر بارہ دوید — دل میں سوچا یہ تو ہو سکتا نہیں
ماندگشت و غیر آں پیر اُو ندید — اور کوئی بھی نظر آتا نہیں

گفت حق فرمود ما را بندہ ایست — دل میں سوچا، تھا یہ ارشاد خدا
صافی و شائستہ و فرخندہ ایست — پاک و شائستہ ہے وہ بندہ مرا

پیر چنگی کے بود خاصِ خدا — بوڑھا مطرب اور محبوب خدا
حبذا اے سرِّ پنہاں حبّذا — واہ واہ اے راز یکتا واہ واہ

بارِ دیگر گردِ گورستاں بگشت — چھان مارا پھر سے گورستان کو
ہمچو آں شیرِ شکاری گردِ دشت — جیسے جنگل میں شکاری شیر ہو

چوں یقیں گشتش کہ غیر پیر نیست
گفت در ظلمت دلِ روشن بسے ست

تب یقیں آیا کہ اس جا ہے وہی
ظلمتوں میں ہیں دل روشن کئی

آمد و باصد ادب آنجا نشست
بر عمرؓ عطسہ فتاد و پیر جست

آئے اور باصد ادب بیٹھے مگر
جاگ اٹھا وہ جیسے ہی چھینکے عمرؓ

مر عمرؓ را دید و ماند اندر شگفت
عزمِ رفتن کرد و لرزیدن گرفت

دیکھ کر ان کو بہت حیراں ہوا
جانا چاہا خوف سے لرزاں ہوا

گفت در باطن خدایا از تو داد
محتسب بر پیر کے چنگی فتاد

عرض کی اے رب دہائی ہے تری
آ پڑی ہے یہ نئی افتاد بھی

چوں نظر اندر رخِ آں پیر کرد
دید اُو را شرمسار و روئے زرد

اک نظر میں ہی ہوا یہ آشکار
پیر چنگی تھا بہت ہی شرمسار

پس عمرؓ گفتش مترس از من مرم
کِت بشارتہائے حق آوردہ ام

مجھ سے کیوں خائف ہے تو بولے عمرؓ
میں تو لایا ہوں پیام ذی قدر

چند یزداں مدحتِ خوئے تو کرد
تا عمرؓ را عاشق روئے تو کرد

اس قدر یزداں نے کی تیری ثنا
میں بھی تیرا عاشق و شیدا ہوا

پیش من بنشیں و مہجوری مساز
تا بگوشت گویم از اقبال راز

دور مت جا بیٹھ میرے رو برو
راز خوش بختی کا سن اے نیک خو

حق سلامت می کند می پر سدت
چونی از رنج و غمانِ بے حدت

حق نے پوچھا ہے ترا احوال جاں
تو نے رنج و غم سہے ہیں ہر زماں

نک قُراضہ چند ابریشم بہا
خرچ کن ایں را و باز ایں جابیا

یہ ہے تیری ساز کاری کا صلہ
خرچ کرکے پھر سے آنا اس جگہ

پیر لرزاں گشت چوں ایں راشنید
دست می خائید و بر خود می طپید

کانپ اٹھا سن کے بوڑھا یہ بیاں
ہاتھ کاٹا فرط غم سے تھا تپاں

بانگ می زد اے خدائے بینظیر
بسکہ از شرم آب شد بیچارہ پیر

کہہ اٹھا اے میرے ربِ عزّ و جل
شرم سے یہ پیر چنگی ہے خجل

چوں بسے بگریست و زحد رفت درد
چنگ را زد بر زمیں و خرد کرد

روتے روتے جب ہوا بے حد دکھی
چنگ دے ماری زمیں پر توڑ دی

گفت اے بودہ حجابم از الٰہ
اے مرا تو راہزن از شاہراہ

اور کہا تو نے کیا حق سے جدا
ہاں تو ہی ہے رہزنِ راہ خدا

اے بخوردہ خونِ من ہفتاد سال
اے ز تو رویم سیاہ پیشِ کمال

تو نے ستر سال مرا خوں پیا
اہل دل کے سامنے رسوا کیا

اے خدائے با عطائے با وفا
رحم کن بر عمرِ رفتہ در جفا

رحم کر اے صاحبِ لطف و عطا
میری ساری عمر تھی وقفِ خطا

دادِ حق عمرے کہ ہر روزے ازاں
کس نداند قیمتِ آں در جہاں

زندگی کے روز و شب تیری عطا
کون جانے یہ ہے کتنی بے بہا

خرج کردم عمرِ خود را دمبدم
در دمیدم جملہ را در زیر و بم

میں نے ساری زندگی برباد کی
نغمگی کے زیر و بم میں پھونک دی

آہ کز یادِ رہ و پردہ عراق
رفت از یادم دمِ تلخِ فراق

حیف موسیقی میں ایسا گم ہوا
ذہن سے وقتِ نزع جاتا رہا

وائے کز تریِ زیرِ افگندِ خُرد
خشک شد کشتِ دلِ من دل بمُرد

حیف راگوں کی نمی نے کیا کیا
کشتِ دل ویراں ہوئی دل مرگیا

وائے از آواز ایں بست و چہار
کارواں بگذشت بیگہ شد نہار

حیف راگوں کی صدا سے لٹ گیا
ڈھل گیا دن قافلہ جاتا رہا

اے خدا فریاد ازیں فریاد خواہ　　سن مری فریاد بھی اے داد گر
داد خواہم نے زکس زیں داد خواہ　　داد خواہ ہوں تجھ سے ہی اے دادگر

داد خود را چوں ندادم در جہاں　　یونہی میں نے زندگی برباد کی
عمر شد ہفتاد سالم در جہاں　　ہو چکی ہے عمر اب ہفتاد کی

دادِ خود از کس نیابم جز مگر　　کب کوئی اس کے سوا ہے دادگر
زانکہ اُو از من بمن نزدیک تر　　جو ہے میری جاں سے بھی نزدیک تر

لے

کیں منی از وے رسد دم دم مرا　　ہر گھڑی کرتا ہے جانِ نو عطا
پس ورایئم چوں ایں شد گم مرا　　اس کو پایا جب کیا خود کو فنا

ع

ہچو آنکو با تو باشد زر شُمر　　جب بھی کرتا ہے کوئی نقدی شمار
سوئے او داری نہ سوئے خودنظر　　دیکھتے ہو بس اسی کو بار بار

ہمچیں در گریہ و در نالہ او　　روتے روتے مبتلائے اضطراب
می شمردے جرم چندیں سالہ او　　کر رہا تھا اپنے جرموں کا حساب

لے صوفیا کے نزدیک یہ ہستی تجدد امثال ہے۔ ایک ہستی ہر لحظہ فنا ہوتی ہے اور دوسری ملتی ہے۔ ع اپنی ہستی کو فنا کیا تو اللہ کو پا سکو گے۔ سے جس طرح انسان کی نظر نقدی شمار کر کے دینے والے پر ہوتی ہے اپنے آپ پر نہیں۔ اسی طرح حاجتمند کی صاحب کرم پر نظر رہتی ہے۔

حضرت عمرؓ کا اُسے مقامِ گریہ سے عالمِ استغراق کو لے جانا

پس عمرؓ گفتش کہ ایں زاریِ تو[1] — گریہ و زاری تری بولے عمرؓ
ہست ہم آثارِ ہشیاریِ تو — لازماً ہے ہوشمندی کا اثر

بعد ازاں اُورا ازاں حالت براند — اس کی حالت میں تغیر آگیا
زاعتذارش سوئے استغراق خواند — محو ہستی محو استغراق تھا

ہست ہشیاری ز یادِ ما مضٰی — یاد مرضی تیری بیداری کا راز
ماضی و مستقبلت پردہ خدا — محو فردا یاد حق سے بے نیاز

آتشے برزن بہر دو تا بکے — ماضی و فردا کو خاکستر بنا
پُر گرہ باشی ازیں ہر دو چوئے — مثل نے کب تک رہے گا پُر گرہ

تا گرہ بائے بود ہمراز نیست — پُر گرہ ہو ئے تو ہوگی بے نوا
ہمنشین آن لب و آواز نیست — بے صدا اور اُن لبوں سے بھی جدا

چوں بطوف خود بطوفی مرتدی — خود نگر مرتد ہوا وقتِ طواف
چوں بہ خانہ آمدی ہم با خودی — حیف ہے دل تھا نہ خود بینی سے صاف

[1] جب انسان اپنے گناہوں کا احساس کرکے روتا ہے تو اس کی نظر اپنی طرف ہوتی ہے۔ یہ وہ مقام ہستی ہے جس میں اپنے وجود کا خیال رہتا ہے جب کہ مقام استغراق میں انسان اپنے آپ سے بے خبر ذات باری میں گم ہو کر بحر وحدت میں کھو جاتا ہے۔

۱

اے خبرہات از خبر دہ بے خبر   تو کہ ہے اُس باخبر سے بے خبر
توبۂ تو از گناہِ تو بتر   تیری توبہ بھی خطاؤں سے بتر

راہِ فانی گشتہ راہِ دیگر ست   ہے جدا اہلِ فنا کا راستہ
زانکہ ہشیاری گناہ دیگر ست   ان کی دنیا میں ہے خود بینی گناہ

۲

اے تو از حالِ گزشتہ توبہ جو   تو کہ ماضی سے ہوا ہے توبہ گار
کے کنی توبہ ازیں توبہ بگو   ہوگا کب تک توبہ جوئی کا شکار

گاہ بانگِ زیر را قبلہ کُنی   نغمہ خوانی تھی کبھی منزل تری
گاہ گریہ زار را قُبلہ زنی   اشکباری سے ہے اب وابستگی

چونکہ فاروق آئینۂ اسرار شد   تھا رخِ فاروقِ اقدس حق نما
جانِ پیر از اندروں بیدار شد   اُس نے بخشی روحِ مطرب کو جلا

ہمچو جاں بے گریہ و بے خندہ شد   پا گیا وہ شادی و غم سے نجات
جانش رفت و جانِ دیگر زندہ شد   جانِ مطرب کو ملی تازہ حیات

۳

حیرتے آمد درونش آن زماں   اُس کے اندر موجِ حیرت سے اٹھی
کہ بروں شد از زمین و آسماں   دور تر ارض و سما سے لے گئی

۱ جو اپنے ماضی و مستقبل کی فکر میں گم ہے اور واقعات کے خالق سے غافل ہے ایسے شخص کی توبہ گناہ سے بھی بدتر ہے۔
۲ جو خود بینی کی حالت سے نجات پائے بغیر توبہ کرتا ہے اس کی توبہ بے اثر ہوتی ہے۔
۳ حیرت ایک کیفیت ہے جو عالمِ استغراق کا لازمہ ہے۔

جستجوئے ماورائے جستجو [1] — جستجو تھی ماورائے جستجو
من نمیدانم تو میدانی بگوی — خود ہی تھا وہ انتہائے جستجو

جستجوئے از ورائے حال و قال — جستجو اس کی رہی بے حال و قال
غرقۂ گشتہ در جمالِ ذوالجلال — ہو گیا وہ محو حسن ذوالجلال

[2]
غرقہ نے کہ خلاصی باشدش — ہوش میں آتا نہیں محو جمال
یا بجز دریا کسے بشاندش — آشنا اس کا فقط بحر کمال

عقل جزو از کل گورایا میستے — اہل عرفاں ذات کل کا ماجرا
گر تقاضا بر تقاضا میستے — کہہ نہ پائیں گر نہ ہو اذن خدا

چوں تقاضا بر تقاضا می رسد — جب ہوا اذن خدا تو بَر ملا
موجِ آں دریا بدینجا می رسد — راز الا اللہ افشا کر دیا

چونکہ قصہ حال پیر ایں جا رسید — عالم حیرت کا آیا مرحلہ
پیر و جانش روئے در دریا کشید — بحر وحدت میں مغنی کھو گیا

پیر دامن را زِ گفت و گو فشاند — ذکر دنیا سے ہوا دامن کشاں
نیم گفتہ در دہانِ او بماند — نیم گفتہ رہ گیا اس کا بیاں

۱ اس کی جستجو کسبی نہ تھی بلکہ انجذابی تھی جس کی کیفیت کوئی دوسرا محسوس نہیں کرسکتا اور نہ ہی اس کی وضاحت کی جاسکتی ہے۔ جس طرح درد کو وہی محسوس کرسکتا ہے جو اس کا شکار ہو۔ کوئی دوسرا اس کی شدت یا کمی کی بیان نہیں کرسکتا۔ ۲ جو جمال خداوندی میں کھو گیا ہو اس کے احوال سے صرف ذات الٰہی ہی آگاہ ہوتی ہے۔ دنیا والے اس کے استغراق کے راز کو کیا جانیں۔

از پئے ایں عیش و عشرت ساختن   اُس جہانِ پُر مسرت کے لئے
صد ہزاراں جاں بشاید باختن   لاکھوں جانیں بھی ہوں قرباں کیجئے

در شکارِ بیشۂ جاں باز باش   عالمِ ارواح میں شہباز بن
ہمچو خورشیدِ جہاں جاں باز باش   مہر تاباں کی طرح جاں باز بن

جاں فشاںُافتاد خورشیدِ بلند   نور افشاں مہر تاباں ضو بہ ضو
ہر دمے تی می شود پُری کنند   ہر گھڑی ہوتا ہے روشن نو بہ نو

[1]

در وجودِ آدمی جان و رواں   آدمی کے جسم میں یہ روح و جاں
میرسد از غیب چوں آبِ رواں   غیب سے آتی ہے چوں آبِ رواں

[2]

ہر زماں از غیب نو نوی رشد   پہنچتی رہتی ہے ہر دم جان نو
و ز جہانِ تن بروں شو می رسد   ور یہ آواز کہ واپس چلو

جانفشاں اے آفتابِ معنوی   مہر کامل نور افشانی کرو
مَر جہانِ کہنہ را بنما نوی   یہ جہانِ کہنہ ہو دنیائے نو

[1] بظاہر دیکھنے میں دریا کی سطح پر سکون نظر آتی ہے لیکن درحقیقت اس میں مسلسل ردوبدل ہوتا رہتا ہے اور ایک لہر دوسری لہر کی جگہ لیتی رہتی ہے۔ صوفی کے نزدیک یہی حال روح انسانی ہے۔

[2] ہر لحظہ یہی صدا آتی ہے کہ جسم کی دنیا سے نکل جاؤ تاکہ تمہیں حیات ابدی حاصل ہو۔

تحفہ دل

گفت لا ینظر الی تصویر کم   دیکھتا ہے کب خدا صورت تیری
فابتغو ذالقلب فی تدبیر کم   اہلِ دل کو ڈھونڈ ہے قولِ نبی

من زِ صاحبدل کنم در تو نظر   صاحب دل سے ہوں تجھ کو دیکھتا
نَے بنقش و سجدہ و ایثارزر   بے اثر ہیں زہد و زر حق نے کہا

تو دل خود را چودل پنداشتی   اپنے دل کو دل سمجھ بیٹھا ہے تو
جستجو ئے اہلِ دل بگذاشتی   ترک کر دی اہل دل کی جستجو

دل اگر ہفصد چوایں ہفتہ آسماں   دل تو وہ ہے جس میں صد ہا آسماں
اند اُو آید شود یا وہ و نہاں   گر اتر آئیں تو موجائیں نہاں

صاحب دل آئینہ شش رُو بُود   صاحب دل جیسے شش رُو آئینہ
حق درو از شش جہت ناظر شود   حق ہے اس سے چھ رخوں سے دیکھتا

ہر کہ اندر شش جہت دارد مقر   ہو تسلط جس کا سب اطراف پر
کے کندر در غیرِ حق یک دم نظر   غیر حق پر کب وہ ڈالے گا نظر

۱ حدیث شریف ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا وہ تمہارے دلوں اور کاموں کو دیکھتا ہے یعنی ظاہری صورت کی اتنی وقعت نہیں جتنی اعمال وافعال اور باطنی خلوص ونیت کی ہے۔ ۲ صاحب دل ہمہ صفت مصطفٰی ہوتا ہے جس طرح شش رو آئینہ سے اوپر نیچے اور چار سو دیکھا جا سکتا ہے اسی طرح صاحب دل بھی ہمہ وقت نزد و دور اور چار دانگ عالم پر نظر رکھتا ہے۔ یہ صفت اسے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہوتی ہے گویا صاحب دل اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب کچھ دیکھتا ہے۔

گر کند اُو از برائے او کند　　جب بھی کی اللہ کی خاطر کی نظر
ور قبل آرد ہمو باشد سند　　جو کیا اللہ پہ ہی رکھی نظر

چونکہ اُو حق را بود درکلِ حال　　چونکہ ہے وہ سر بسر اللہ کا
برگزیدہ ہست نزد ذوالجلال　　پس ہے منظور نظر اللہ کا

[1]
ہیچ بے اُو حق بکس ندہد نوال　　ہے خدا کی سب عطا اس کے طفیل
شمۂ گفتم من از صاحب وصال　　جو بھی کہنا تھا کہا اس کے طفیل

موہبت را بر کفِ دستش نہد　　ان کے ہاتھوں بخششیں بے انتہا
وَز کفش آں را بمر حوماں دہد　　اہلِ حاجت کو وہ کرتا ہے عطا

[2]
باکفش دریائے کُل را اتّصال　　ہاتھ ان کے بحرِ حق سے فیضیاب
ہست بے چون و چگو نہ پُرکمال　　پُر کمال و پُر عطائے بے حساب

صد جوال زر بیاری گر غنی　　لائے گر تم سینکڑوں انبارِ زر
حق بگوید دل بیار اے منحنی　　حق کہے گا لاؤ دل اے بے ہنر

[3]
گر زِ تو راضی ست دل من راضیم　　تجھ سے گر راضی ہے دل راضی ہوں میں
ور زِ تو معرض بود اعراضیم　　گر وہ ہے ناراضی اعراضی ہوں میں

[1] قربِ الٰہی کے باعث اللہ کے برگزیدہ بندوں کی دعا پر اثر ہوتی ہے۔
[2] اللہ اہلِ دل کے ہاتھوں بخشش تقسیم کرتا ہے۔
[3] جس سے اہلِ دل راضی ہوں اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوتا ہے اور جس سے اہلِ دل ناراض ہوں اللہ بھی اس سے ناراض ہوتا ہے۔

۱؎

ننگرم در تو دراں دل بنگرم
تحفہ او آر اے جاں بردرم

تو نہیں دل ہے تیرا پیش نظر
درپہ میرے تحفۂ دل پیش کر

۲؎

آں ولے آور کہ قطب عالم است
جانِ جان جانِ جانِ آدم است

ایسا دل لاؤ کہ ہو قطب جہاں
جانِ آدم کا بھی ہو جو جانِ جاں

از برائے آں دل پر نور و بر
ہست آں سلطان دلہا منتظر

نور و نیکی سے بھرے دل کا سدا
منتظر ہے وہ دلوں کا بادشاہ

تو بگردی روزہادر سبزوار
آنچناں دل را نیابی زاعتبار

چاہے سالوں سال چھانے سب جہاں
ایسا دل ڈھونڈے سے پائے گا کہاں

۳؎

پس دل پر مردہ و بوسیدہ جاں
برسر تختہ نہی آنسو کشاں

پس دل صد پارہ اور زخموں سے چور
مثل مردہ لے کے جا اس کے حضور

کہ دل آوردم ترا اے شہر یار
بہ ازیں دل نیست اندر سبزوار

اور کہ لایا ہوں یہ اے مہرباں
اس سے بہتر ہے جہاں بھر میں کہاں

گویدت ایں گورخانا ستاے مرد جری
کہ دل مردہ بدی جا آوری

وہ کہے گا سن یہ گورستاں ہے کیا؟
کیوں دل مردہ کو لایا ہے بتا؟

۱؎ اللہ تعالیٰ اپنے حضور انسان کی ظاہری حاضری کی بجائے حضوری دل کو پسند فرماتا ہے۔
۲؎ اللہ تعالیٰ ایسے دل کو پسند فرمایا ہے جو پاکیزہ ہو پاکیزہ اور اس کے نور سے منور ہو۔
۳؎ اگر پاکیزہ اور منور دل نہیں رکھتے تو پھر عجز و نیاز کے ساتھ اپنا دل شکستہ لے کر اس کے حضور ہو جاؤ اور رحم طلب کرو۔

ا

رَو بیاور آں دلے کو شاہ خُوست   جا کے لا وہ دل کہ ہے بے خسرو ادا
کہ امانِ سبزوارِ کون ازوست   جس کے دم سے ہے جہاں کیف آشنا

کوئی آں دل زیں جہاں پنہاں بود   تم کہو کہ اب یہاں وہ دل کہاں
زانکہ ظلمت باضیا ضدّاں بود   کب ہوئے ہیں نور و ظلمت ایک جاں

۲

صاحب دل جُو اگر بے جاں نۂ   اہل دل کو ڈھونڈ گر ذی ہوش ہو
جنس دل شو گر ضد سلطان نۂ   گر نہیں ہو ضدِ سلطان دل بنو

ا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جا اور ایسا دل لا جو الطاف و کرم میں شاہانہ مزاج رکھتا ہے اور جس کے جود و عطا کے باعث دنیا کی بقا ہے۔

۲ اگر تو مردہ اور بے حس نہیں تو صاحب دل کو تلاش کر اور اس کا دامن تھام کر دل کا ہم جنس بن جا یعنی دل جیتا جاگتا ہے اس کی طرف اللہ کا ہوجا اگر تم اللہ کو فراموش کرنے والے نہیں ہو۔

فنا فی الذات

چوں انائے بندہ لا شد از وجود　　جب فنا ہو جائے گی تیری انا
پس چہ ماند تو بیندیش اے جود　　باقی کیا رہ جائے گا سوچو ذرا

گر ترا چشم است بکشا در نگر　　آنکھ ہے تو کھول کر دیکھو ذرا
بعد لا آخر چہ می ماند دگر　　بعد لا باقی بھلا کیا رہ گیا

۱

ایں دوئی اوصاف دیدۂ احول است　　تیرے بھینگے پن نے پیدا کی دوئی
ورنہ اوّل آخر آخر اوّل است　　اول و آخر ہے ورنہ ایک ہی

۲

تو مباش اصلاً کمال ایں ست و بس　　تو نہ رہ مٹ جا اسی میں ہے کمال
رو درو گم شو وصال ایں ست و بس　　اس میں کھو جا بس یہی تو ہے وصال

۳

چیست توحیدش خدا آموختن　　راز ہے توحید کا عرفان حق
خویشتن را پیش واحد سوختن　　کرنا اپنے آپ کو قربان حق

۴

کُلّ شئی ھالکٌ جُز وجہِ اُو　　ماسوائے اس کے، ہے باقی سب فنا
چوں نئی در وجہِ اُو ہستی مجو　　جو نہیں اس میں فنا وہ کیا جیا

۱ یہ میں اور تو یعنی دوئی بھینگے پن کی وجہ سے ہے جس طرح بھینگے انسان کو دو دو نظر آتے ہیں اسی طرح اگر دیکھنے میں یکسوئی نہ ہو تو دوئی پیدا ہوجاتی ہے۔ ۲ تو اپنے آپ کو مٹا کمال اسی میں ہے اپنے محبوب میں گم ہوجا یعنی اس کی ذات میں فنا ہوجا یہی حقیقی وصل یار ہے۔

۳ توحید کا راز اللہ تعالیٰ کو پہچاننا اور اس میں فنا ہوجانا ہے۔ ۴ اللہ تعالیٰ کے سوا سب کچھ فانی ہے جو اس میں فنا ہوا اسی نے زندگی پائی۔

۱

ہر کہ اندر وجہ ما باشد فنا
کُلّ شئی ھالک نبود جزا

بے گماں جو بھی ہوا مجھ میں فنا
کل شئی ھالک سے بچ گیا

۱

چوں یکے باشد ہمہ نبود دوئی
ہم نہی بر خیزد آنجا ہم توئی

جب ہو سب کچھ ایک پھر کیسی دوئی
ہونشاں بھی کیوں من وتو کا کوئی

۲

چوں زجاں مُردَم بجاناں زندہ ام
نیست مرگم تا ابد پائندہ ام

جاں گئی تو جان جاں کو پا لیا
اے خوشا مر کر میں پائندہ ہوا

۳

چوں بہ مُردم از حواسات بشر
حق مراشد سمع و ادراک و بصر

جب مٹے میرے حواس اور میرے ہوش
بن گیا حق میرا عقل و چشم و گوش

جملہ ما و من بہ پیش او نہید
ملک ملک اوست ملک او را دہید

ما ومن اُس کے لئے قرباں کرو
ہے وہی مالک سبھی کچھ اس کو دو

اے خنک آں مردہ کز خود رستہ شد
در وجودِ زندۂ پیوستہ شد

خوب ہے آزاد جو مرکز ہوا
ہو کے باقی میں فنا پائی بقا

اے برادر یکدم از خود دور شو
باخود آ و غرق بحرِ نور شو

لحہ پھر اے یار خود سے دور ہو
ہوش میں آغرق بحرِ نور ہو

۱ جب ہر جگہ ذات باری جلوہ گر ہے تو پھر دوئی کا کیا سوال۔ ۱ جو اللہ تعالیٰ میں فنا ہوا اس نے بقا پائی اس لئے کہ وہ ہوا باقی ہے
۲ جب میں نے اپنے محبوب کیلئے جان دیدی تو ہمیشہ کیلئے جان جاں کے حوالے سے زندہ ہوگیا۔ ۳ جب انسان اپنے ہوش وحواس اور بشری صلاحیتیں دنیاوی کاموں کیلئے استعمال میں لانا چھوڑ دیتا ہے تو حق تعالیٰ اسے دیکھنے اور سننے کی باطنی قوت عطا کرتا ہے۔

۱

نور خواہ از مہ طلب خواہی زخور — جستجو کر نور کی کیا مہرو ماہ
نور ماہ ز آفتاب است اے پسر — ماہ میں بھی نور ہے اس مہر کا

۲

سایہ ہائے کہ بود جو یائے نور — سائے جو تھے ہر گھڑی جو یائے نور
نیست گردد چوں کند نورش ظہور — مٹ گئے جیسے ہوا اس کا ظہور

ہم چنیں جویائے درگاہِ خدا — طالب حق کی بھی ہے صورت یہی
چوں خدا آید شود جوینده لا — جب ملا حق اس کی ہستی مٹ گئی

گرچہ آں وصلت بقا اندر بقاست — گو ہے وصلِ یار میں اس کی بقا
لیک از اول بقا اندر فناست — یہ بقا پائی مگر ہو کر فنا

۳

بت پرستی گر بمانی در صُوَر — چھوڑ کر صورت پرستی اک ذرا
صورتش بگذار و در معنی نگر — دیکھ ہے صورت کے پیچھے کیا چھپا

سِرِّ وحدت را نداند ہر کسے — راز وحدت سے نہیں سب آشنا
گرچہ بینی در جہاں عاقل بسے — گرچہ ہیں دنیا میں عاقل جا بجا

۴

منطقی و فلسفی در حیرتند — محوِ حیرت منطقی اور فلسفی
ہرچہ کو یدعقل بروے کاربند — عقل کی کرتے ہیں اندھی پیروی

۱ اگر اہل حق سے بھی نور باطن حاصل ہو تو درحقیقت وہ نور حق ہی ہوگا اس لئے اہل حق کو بھی وہ نور اللہ تعالیٰ سے حاصل ہوا۔

۲ نور حق کی جستجو کرنے والے جب اسے پالیتے ہیں تو اس میں کھو جاتے ہیں۔

۳ ظاہری خوبصورتی پر مرمٹنے کی بجائے اس صورت کو بنانے والے کی صورت کو دیکھ۔

۴ پروردگار عالم کی تخلیقات کو دیکھ کر فلسفی اور منطقی محو حیرت میں اور عقل سے اسرار کائنات کی گتھیوں کو سلجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

دانند اُورا آں کہ قلبش پاک گشت　　جانتے ہیں اس کو جو ہیں پاک دل
از محبت سینہ اش صد چاک گشت　　عشق سے رکھتے ہیں جو صد چاک دل

آنچہ از دریا بدریا می رود　　اک دریا دو جسے دریا سے ملا
از ہمانجا کامد آنجا می رود　　اپنے منبع کی طرف بڑھتا رہا

خود بخود کن می شود آنجا یکوں　　کن ہوا خود ہی یکوں اور بے گماں
خود ارادہ بامراد آید بروں　　ہو گیا حق کا ارادہ بھی عیاں

بقا

آں یکے عاشق بہ پیشِ یارِ خود   ایک عاشق نے کہا محبوب سے
می شمرد از خدمت و ازکارِ خود   تیری خاطر میں نے کیا کیا دکھ سہے

کز برائے تو چنیں کردم چناں   ہو سکا جو بھی کیا تیرے لئے
تیرہا خوردم دریں رزم و سناں   تیر و نشتر کھائے رزم عشق کے

مال رفت و زور رفت و نام رفت   زور بازو مال و زر سب لٹ گئے
برمن از عشقت بسے ناکام رفت   عشق میں تیرے ہزاروں غم ملے

ہیچ صبحم خفتہ و خنداں نیافت   میری صبحیں بے سکوں بے جاں رہیں
ہیچ شامم باسر و ساماں نیافت   میری شامیں بے سروساماں رہیں

آنچہ نوشیدہ بود از تلخ و درد   تلخیوں کے گھونٹ تھے جتنے پیئے
او بہ تفصیلش یکایک می شمرد   اس نے اک اک کرکے سب گنوا دیئے

نہ برائے منتے بل می نمود   جو کہاں احساں جتانے کو نہ تھا
بر درستی محبت صد شہود   بلکہ تھا تکرار عہد عشق کا

[1] اس داستان میں ایک عاشق صادق اپنے محبوب کے سامنے ان مشکلات ومصائب کا ذکر کرتا ہے جو اس نے اس کی محبت میں برداشت کیں لیکن ان تکالیف کا بیان اپنے محبوب پر احسان جتانے کی غرض سے نہ تھا بلکہ اپنی محبت کی سچائی ثابت کرنے کیلئے تھا۔

ے٢

میکند تکرار گفتن بے ملال	خوش تھا حال غم کے اس تکرار پر
کے زِ ارشارت بس کند حوت از زلال	جیسے خوش ہوتی ہے مچھلی ڈوب کر

ے٣

صد سخن می گفت زاں دردِ کہن	دردِ کہنہ کے کئے شکوے کئی
در شکایت کہ نہ گفتم یک سخن	میں نے دہرایا نہیں ہے ایک بھی

آتشے بودش نمیدانست چیست	جانے کیسی آگ تھی اس میں نہاں
لیک چوں شمع از تفِ آں می گریست	سوز سے چوں شمع آنسو تھے رواں

بعد گریہ گفت ایہا رفت لیک	رو چکا تو یوں ہوا وہ لب کشا
ایں زماں ارشاد کن تو یار نیک	اب بتا میرے لئے ہے حکم کیا

ہرچہ فرمائی بجاں استادہ ام	جاں لئے حاضر ہوں میں اے جانِ جاں
بر خطِ تو پا و سر بنہادہ ام	اور رکھا قدموں میں سر ہے جانِ جاں

ے٤

گردشِ آتش رفت باید چوں خلیل	مثل ابراہیم آتش میں گروں
ورچو یحییٰ می کنی خونم سبیل	یا بہاؤں مثل یحییٰ اپنا خوں

ے٢ محبت میں جو غم اٹھائے ان کا حال دہرانے سے عاشق صادق کو خوشی ہوتی ہے جس طرح مچھلی کو پانی میں غوطہ لگا کر اطمینان حاصل ہوتا ہے ے٣ اس نے لذت غم حاصل کرنے کیلئے پرانے دکھوں کے سینکڑوں گلے شکوے کئے ۔ مولانا فرماتے ہیں میں نے ان میں سے ایک دکھ کا ماجرا ابھی بیان نہیں کیا ے٤ عاشق محبوب سے پوچھتا ہے کہ اگر حکم ہو تو میں حضرت ابراہیم کی طرح آگ میں کود جاؤں یا حضرت یحییٰ کی طرح قتل ہو جاؤں ۔

ور گریہ چوں شعیبؑ اعمیٰ شوم — رو کے مانندِ شعیب اندھا بنوں
ورچو یونسؑ در مم ماہی روم — یا چو یونسؑ شکم ماہی میں رہوں

ور چو یوسف چاہ زندانم کنی — مثل یوسف چاہ میں قیدی رہوں
ور زفقرم عیسیٰ مریم کنی — یا قبائے فقرِ عیسیٰ اوڑھ لوں

رخ نگردانم نگردم از تو من — تجھ سے منہ ہرگز نہ موڑوں گا کبھی
بہر فرمان تو دارم جان و تن — تیرے ہر فرماں پہ قرباں زندگی

۲

گفت معشوق ایں ہمہ کر دی ولیک — سب جا لیکن کہا محبوب نے
گوش بکشا پہن و اندر یاب نیک — کان کھول اور بات کو سن غور سے

کانچہ اصل اصل عشق است وولاست — عشق و مستی میں ہے جو اصلِ اصول
آں نہ کر دی آنچہ کر دی فرعہاست — وہ نہ کر پائے تو باقی سب فضول

گفتش آں عاشق بگو آں اصل چیست — کہیے کیا ہے اصل عاشق نے کہا
گفت اصلش مردنست ونیسی ست — مرنا مٹنا اصل ہے آئی صدا

تو ہمہ کر دی نمر دی زندۂ — مر نہ پائے زندہ ہو کیا فائدہ
ہیں بمیر اریار جاں بازندۂ — مر کے مٹ جاؤ اگر ہو باوفا

۱ میں تیرے حکم پر یہ سب تکالیف اور سختیاں برداشت کرنے کو تیار ہوں لیکن کسی بھی صورت میں تجھ سے منہ نہ موڑوں گا بلکہ تیرے ایک ادنیٰ سے اشارہ پر اپنی زندگی قربان کر دوں گا۔ ۲ فارسی میں پہن بمعنی پھیلانے کشادہ کرنے کے استعمال ہوتا ہے یہاں مولانا نے گوش بکشا یعنی کان کھول کے ساتھ لفظ پہن تاکید مزید کے طور پر استعمال کیا ہے۔ ۳ مر کے مٹ جانا ہی عشق کی بنیادی شرطِ اولین ہے۔ یہاں مرنے اور مٹنے سے مراد دنیاوی تعلقات کو ختم کر کے فنافی الذات محبوب ہونا ہے۔ ۴ محبوب نے کہا تم نے سب کچھ کیا لیکن پھر بھی زندہ رہے اگر صدق دل سے یار کو پانا چاہتے ہو تو مر کر دکھاؤ۔

گر بمیری زندگی باقی تمام   مر کے پاؤں گے بقائے دائمی
نام نیکوئے تو ماند تا قیام   ہو گی ہر سو دھوم تیرے نام کی

چوں شنود آن عاشق بیخوشتن   عاشق بیخود نے یہ راز نہاں
آہِ سردے برکشید از جان و تن   سن کے کھینچی آہ سرد و غم نشاں
۲
ہمدر آں دم شددراز و جان داد   خاک پر لیٹا اسی دم دم دیا
ہمچو گل درباخت سرخندان و شاد   شاد و خنداں مثلِ گل رخصت ہوا
۳
ماند آں خندہ برو وقفِ اَبد   تا ابد زندہ رہے گا بے گماں
ہمچو جان و عقل عارف بے کبد   جس طرح عارف کی روشن عقل و جاں
۴
ارجعی بشنید نور آفتاب   لوٹ جا سن کر و نور آفتاب
سوئے اصل خویش باز آمد شتاب   اصل سے ملنے کو لوٹ آ باشتاب
۵
نے ز گلخنہا برونگے بماند   بھٹیوں کے داغ سے پائی نجات
نے ز گلشنہا برورنگے بماند   رنگہائے باغ سے پائی نجات

۱ زندگی تو ہر حال میں ختم ہو گی لیکن اگر عشق حقیقی میں جان جائے تو قیامت تک اس کی شہرت باقی رہتی ہے اس لئے کہ جس کا دل عشق سے زندہ ہو وہ کبھی نہیں مرتا ہے ۲ جس طرح کھلا ہوا پھول بکھر جاتا ہے اسی طرح عاشق صادق بھی اپنے عشق کی خوشبوئیں پھیلا کر رخصت ہوا۔
۳ جیسے عارف باللہ کے اقوال و افعال زہد و تقوی کی بدولت ہمیشہ رشد و ہدایت کی روشنی پھیلاتے رہتے ہیں ایسے ہی عاشق صادق کا ذکر بھی ہوتا رہے گا ۴ عارف کی روح کو نفس مطمئنہ کہا گیا ہے قرآن پاک میں ارشاد ہے یا ایتھا النفس المطمئنہ (یعنی اے نفس مطمئنہ تو راضی اور پسندیدہ ہو کر اپنے رب کی طرف لوٹ جا) چنانچہ عارف کی روح کی طرح عاشق صادق کی روح بھی اپنی اصل سے واصل ہونے کیلئے رخصت ہو گی۔ ۵ جس طرح بھٹی میں رنگ چڑھتا ہے اور باغ میں دل و دماغ پر رنگ و بو کا اثر ہوتا ہے اسی طرح دنیا میں روح پر بھی نیک و بد اثرات مرتب ہوتے ہیں لیکن جو روح محبوب حقیقی کے عشق میں محو ہو کر دنیا سے رخصت ہو تو اس پر یہاں کے اثرات اثر پذیر نہیں ہوتے۔

قدرت حق

اِلا الّذِیْنَ اٰمَنُو وَ عَمِلُو الصَّالِحاتِ فَلَھُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُون

(وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے)

۱

لیک اگر باشد قرینش نورِ حق　　نورِ حق ہو ساتھ جس کے ہر زماں
نیست از پیری و رانقصان و دق　　وہ بڑھاپے میں نہ ہو گا خستہ جاں

۲

گر بمیرد استخوانش غرقِ ذوق　　گر مرے تو غرق ذوق یار ہو
ذرہ ذرہ ش در شعاعِ نورِ شوق　　انگ انگ میں نور شوق یار ہو

۳

وانکہ نورش نیست باغِ بے ثمر　　نور سے محروم باغ بے ثمر
کہ خزانش می کند زیروزبر　　جس کو کرتی ہے خزاں زیر و زبر

۴

گل نماند خارہا ماند سیاہ　　گل پریشاں خار ہوتے ہیں سیاہ
زرد و بے مغز آمدہ چوں تلّ کاہ　　زرد و ویراں ڈھیر جیسے گھاس کا

۱ جس شخص کے ساتھ ساری زندگی نورِ حق رہا یعنی جس نے تمام عمر اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے نور سے استفادہ کیا اور ان پر عمل پیرا رہا وہ بڑھاپے میں تکلیف نہیں اٹھائے گا یعنی اس کا ایمان کامل رہے گا ۲ جب مرے تو اس کے رگ و پے اللہ تعالیٰ کے دیدار کے شوق سے لبریز ہوں۔

۳ جس شخص کی زندگی نورِ خدا سے محروم ہو یعنی یادِ الٰہی سے بے بہرہ ہو اس کی مثال اس باغ کی سی ہے جسے خزاں یعنی دنیاوی حرص و ہوس کی ہوا برباد کر دیتی ہے اور اس پر میں نہ کوئی پھل ہوتا ہے نہ پھول۔ عابد کی ایسی زندگی کے باغ سے آخرت کیلئے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا ۴ ایسی زندگی کے باغ کا ہر پھول بکھر جاتا ہے اور کانٹے بھی سوکھ کر سیاہ ہو جاتے ہیں۔ چمنِ ہستی سوکھے گھاس کے ڈھیر کی طرح ہو جاتا ہے۔

تا چه زلت کرد ایں باغ اے خدا   کیا خطا اس باغ کی ہے اے خدا
کہ ازو ایں حلھا گردد جدا   چھن گیا ہے کیوں لباس خوشنما

۱

خویشتن را دید و دیدِ خوشتین   خود کو دیکھا خوش ہوا وہ خود نگر
زہرِ قتال است ہیں اے ممتحن   خود پسندی زہر قاتل ہے مگر

شاہدے کز عشق او عالم گریست   وہ حسیں جس پر زمانہ تھا فدا
عالمش می راند از خود جرم چیست؟   اس سے ہیں اب سب گریزاں کیوں بھلا

جرم آنکہ زیور عاریہ بست   عارضی زیور پہ وہ نازاں ہوا
کرد دعویٰ ایں حُلَل ملک من است   اور اسے اپنا سمجھنا تھا خطا

داستانیم آنکہ تا داند یقیں   چھین لیتا ہوں کہ آ جائے یقیں
خرمن آن ماست خوباں خوشہ چیں   حسن میں ہوں اور حسیں ہیں خوشہ چیں

۳

تا بداند کاں حُلَل عاریہ بود   جان لیں کہ عارضی تھا ان کا حسن
پرتوے بود آں ز خورشیدِ وجود   پرتو ذات جلی تھا ان کا حسن

۱ اپنے آپ کو اور اپنی خوبیوں کو دیکھ کر خوش ہونا معیوب ہے اس لئے کہ یہ غرور و تکبر کا باعث بنتا ہے۔
۲ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنا دیا ہوا حسن اس لئے واپس لے لیتا ہوں کہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ حسن اصل میں میری ملکیت ہے اور دنیا میں حسن والے میرے حسن کے خوشہ چیں ہیں۔
۳ تا کہ اہل حسن سمجھ لیں کہ ان کا حسن باری تعالیٰ کا عطا کردہ تھا اور اس کی ذات کی تجلی کا پرتو تھا جو اللہ تعالیٰ کسی وقت بھی واپس لے سکتا ہے۔

آں جمال و قدرت و فضل و ہنر
زا افتابِ حسن کرد ایں سو سفر

حسن و خوبی ہو کہ لطف و دلبری
بخششیں ہیں آفتاب حسن کی

۱

باز می گردند چوں استار ہا
نور آں خورشید ازیں دیوار ہا

مثل انجم لوٹ جاتے ہیں شتاب
جیسے دیواروں سے نور آفتاب

پر تو خورشید شد تا جائیگاہ
ماند ہر دیوار تاریک و سیاہ

اپنی خلوت گہ میں سورج چھپ گیا
دہر کو تاریکیوں نے جا لیا

۲

آنکہ کرد در رخ خوبانت دنگ
نور خورشید ست از شیشہ سہ رنگ

تم ہوئے جن صورتوں پر جاں نثار
ان میں نور مہر حق ہے جلوہ بار

شیشہ ہائے رنگ رنگ آں نور را
می نماید ایں چنیں رنگیں بما

نت نئے انداز میں شام و سحر
وہ ہمارے رو برو ہے جلوہ گر

۳

چوں نماند شیشہ ہائے رنگ رنگ
نور بیرنگت کند آں گاہ رنگ

جب نہ ہونگے جلوہ ہائے رنگ رنگ
جلوہ بے رنگ سے تو ہو گا دنگ

۱ انسان میں جس قدر خوبیاں ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں اور جب بھی خداوند کریم چاہے یہ اچھائیاں ستاروں کی طرح چھپ جاتی ہیں جیسے دن ڈھلنے سے دیوار پر پڑنے والا سورج کا سایہ لوٹ جاتا ہے۔

۲ اہل حسن میں یہ کشش اور خوبی جو تمہیں اپنی طرف مائل کرتی ہے در حقیقت حسن ازل کا پرتو ہے جیسے شیشہ سے سورج کی روشنی ہم تک پہنچتی ہے۔ ۳ جب جلوہ حق کے وہ مظاہر باقی نہیں رہتے تو پھر یکرنگا نور باقی رہ جاتا ہے یعنی "جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے"

۱

خوئے کن بے شیشہ دیدن نور را　　ایسی خو پیدا کرو جس سے یہاں
تا چو شیشہ بشکند نبود عمیٰ　　اس کا جلوہ دیکھ پاؤ ہر زماں

قانعی بر دانشِ آموختہ　　بکھرے جلوؤں میں اسے کیوں دیکھئے
وز چراغ غیر چشم افروختہ　　دوسروں سے روشنی کیوں لیجئے

اوچراغِ خویش بُر باید کہ تا　　چھین لیتا ہے وہ نعمت نور کی
تو بدانی مستعیری نے فتیٰ　　تا کہ واضح ہو کہ تھی مانگی ہوئی

۲

گر تو کردی شکر وسعی مجتہد　　پھر بھی گر کرتے رہے شکر خدا
غم مخور کہ صد چناں بازت دہد　　صد گنا خوشتر صلہ ہو گا عطا

ورنہ کر دی شکر اکنوں خوں گری　　اشکِ خوں روتا رہے گا ناسپاس
کہ شدست آں حسن ازکا فربری　　رحمتِ حق سے رہے گا ناشناس

۳

گم شداز بے شکر خوبی و ہنر　　کھوئے ناشکرے نے یوں حسن وہنر
کہ دگر ہرگز نہ بیند زاں اثر　　پھر نہ پائے گا کبھی ان کا ثمر

۱ کائنات میں مظاہرِ حق کے واسطے سے ذات حق کو دیکھنے کی بجائے ایسی اہلیت پیدا کی جائے کہ ان مظاہر کو پیدا کرنے والے کو بغیر کسی وسیلے کے دیکھا جا سکے۔

۲ لیکن اگر تو اس نعمت کے چھن جانے پر بھی حق تعالیٰ کی عنایات کا شکر ادا کرتا رہا تو تجھے صد گنا زیادہ نعمتیں عطا ہونگی۔

۳ حق تعالیٰ کا شکر ادا نہ کرنے والا اس کی نعمتوں سے ہمیشہ کیلئے محروم ہوجاتا ہے۔

۱

خویش و بے خویش و شکرو و داد — مٹ گئے سب رشتے ناطے خوبیاں
رفت ز انساں کہ نیاردشاں بیاد — اب نہیں یادوں میں بھی ان کے نشاں

جز زاہلِ شکر و اصحاب وفا — دولت امروز و فردا ہے ولے
کہ مرایشاں راست دولت درقفا — اہل شکر اہل وفا کے واسطے

۲

قرض دہ زیں دولت اندر اَقرضو — دولت امروز سے تم قرض دو
تا کہ صد دولت بہ بینی پیش رو — پاؤ گے دولت ہی دولت چار سو

۳

اند کے زیں شرب کم کن بہر خویش — آج اس دولت کا پانی کم کرو
تا کہ حوضِ کوثرے یابی بہ پیش — تا کہ کل تم حوض کوثر پا سکو

جرعہ بر خاک وفا آں کس کہ ریخت — جس نے اک قطرہ بھی دنیا میں دیا
کے تواند صید دولت زاں گریخت — کیوں نہ پائے دولت عقبیٰ بھلا

۴

خوش کند دل شاں کہ اصلح بالھُم — ہوں گی ان پر رحمتیں بے انتہا
رَد مِنْ بَعْدِ النوٰی انزالھُم — بخششوں کا پائیں گے بیحد صلہ

۱ جب اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں واپس لے لیتا ہے تو دنیا کے تمام رشتے اور ناطے یوں مٹ جاتی ہیں کہ ان کی یاد بھی باقی نہیں رہتی تاہم شکر گزاروں کیلئے یہ انعامات برقرار رہتے ہیں۔ ۲ قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے کہ اقرضوا اللہ قرضا حسنہ یعنی اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دو اللہ تعالیٰ تمھیں اس کا بڑا صلہ دے گا مدعا یہ کہ اس کی راہ میں خرچ کرو وہ تمھیں کئی گنا لوٹائے گا۔ ۳ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس کی دی ہوئی دولت خرچ کرو تا کہ کل موت کے بعد بہشت کے ثمرات پا سکو۔ ۴ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنی عنایات سے خوش کریگا جنہوں نے اس کی خوشنودی کیلئے اپنی دولت خرچ کی اس کے بدلے میں انہیں کئی گنا صلہ ملیگا۔

اے اجل اے ترک غارت سازِ دہ	حق کہے گا اے اجل اے ظلم خُو
ہر چہ بردی زیں شکوراں بازدہ	شاکروں سے جو لیا واپس کرو

وا دہد ایشاں نہ پذیرند ہاں	وہ نہ لیں گے ان سے ہیں اب بے نیاز
زانکہ منعم گشتہ انداز رختِ جاں	پا چکے ہیں اخروی دولت کا راز

۲

صوفئیم و خرقہا اندا ختیم	ہم ہیں صوفی اب قبا سے کیا غرض
باز نستا نیم چوں در باختیم	چھوڑ دی جو اس ادا سے کیا غرض

۳

ماعوض دیدیم دانکہ چوں عوض	جو صلہ پایا نہ پوچھو اس کا راز
رفت از ما حاجتِ حرص و غرض	ہر صلے سے کر دیا ہے بے نیاز

۴

ز آب شور مہلکے بیروں شدیم	مل گئی بحر ہلاکت سے نجات
بر رحیق و چشمۂ کوثر زدیم	بادہ کوثر ہے وجہ انبساط

آنچہ کر دی اے جہاں با دیگراں	اہل دنیا سے کہا دنیا نے کیا
بیوفائی و فن و نازگراں	بے رخی اور بیوفائی کے سوا

۱ اللہ تعالیٰ اجل کو حکم دے گا کہ تو نے شکر گزاروں سے جو نعمتیں چھینی ہیں واپس کر دو لیکن اہل شکر دنیاوی نعمتوں کو قبول نہ کریں گے اس لئے کہ انہیں اخروی اور روحانی نعمتیں حاصل ہو چکی ہیں۔

۲ وہ کہیں گے ہم صوفی ہیں اب ہم گدڑی لٹا چکے ہیں اب ہم ترک کردہ زندگی واپس نہیں لیں گے یعنی دنیاوی آسائشوں کی ضرورت نہیں وہ تو عارضی ہیں۔

۳ اللہ تعالیٰ نے ہمیں شکر گزاری اور قناعت کا حوصلہ دیا ہے اس نے ہمیں ہر طرح کے صلہ کی ہوس سے بے نیاز کر دیا ہے۔

۴ اب دنیاوی چیزوں سے جو زحمت اور ہلاکت کا باعث ہیں نجات پائی ہے اور روحانی تسکین ملی ہے جو آبِ کوثر کی سی کشش رکھتی ہے۔

۱

بہ سرت ریزیم ما بہر خدا — کیوں نہ لوٹا دیں تجھے ساماں ترا
کہ شہیدیم آمدہ اندر غزا — ہم شہیدان رہ رب العلی

تابدانی کہ خدائے پاک را — تاکہ تو یہ جان لے بہر خدا
بندگاں ہستند پُر عزم و مرا — ایسے بندے ہیں کہ ہو جائیں فدا

مہلتِ زروبرِ دنیا بَر کنند — شوکت دنیا کو ٹھکراتے ہیں وہ
خیمہ را بر باروئے نصرت زنند — لطف حق سے نصرتیں پاتے ہیں وہ

۲

ایں شہیداں باز نو غازی شدند — راہ حق میں جو بھی ہوتا ہے فنا
ویں اسیراں باز بر نصرت زوند — پھر سے زندہ ہو کے پاتا ہے بقا

۳

قفل مشکلہا ز لطفش حل شدہ — اس کی ہر مشکل کا ساماں ہو گیا
نفس کافر ناگہاں بسمل شدہ — نفس کافر بھی مسلماں ہو گیا

۴

نا امیدی رفتہ امید آمدہ — نا امیدی بن گئی امید نو
گشت مسجد ناگہاں ایں تبکدہ — پھیلی بتخانے میں بھی مسجد کی ضو

۱ ہم راہِ خدا کے شہید، فاتح اور مطمئن ہیں پھر اے دنیا کیوں نہ تیری عارضی چیزیں تجھے لوٹا دیں۔
۲ ایسے لوگ فنا ہو کر بھی زندہ ہوتے ہیں اور بقا کا مرتبہ حاصل کرتے ہیں۔
۳ ان کی تمام مشکلات ناپید ہوجاتی ہیں اور وہ نفس جو انہیں دنیا میں گمراہی کی طرف لے جاتا تھا فنا ہوجاتا ہے۔
۴ وہ دنیا میں جس مایوسی اور کشمکش کا شکار تھے وہ ختم ہوگئی اور ان کا دل ہمیشہ کیلئے منور ہوگیا۔

۱

سر پر آوردند باز از نیستی　　کیا عجب ہو کر فنا پائی بقا
کہ بہ بیں مارا کہ اکمہ نیستی　　غور کر گر ہے حقیقت آشنا

۲

نابدانی در عدم خورشید ہاست　　ہیں عدم میں جانے کیا کیا آفتاب
وانچہ اینجا آفتاب آنجا سہاست　　مثل انجم واں ہمارا آفتاب

۳

در عدم ہستی برادر چوں بُوَد　　کیسے ممکن ہے عدم میں ہو وجود
ضدّ اندر ضد چوں مکنوں بُوَد　　کیسے ہو پوشیدہ نابودی میں بود

۴

یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتْ بداں　　پیدا بے جاں سے کیا ہے جاندار
کہ عدم آمد امیدِ عابداں　　عابدوں کو ہے عدم کا انتظار

۵

مرد کارندہ کہ انبارش تہی ست　　جس نے سب کچھ بودیا وہ کاشتکار
شادوخوش نے بَر امید نیستی ست　　پھر عدم سے کیوں نہ ہو امیدوار

۶

کہ بروید آں زسوئے نیستی　　نیستی سے ہونگی پیدا ہستیاں
فہم کن گرواقفِ معنیستی　　غور کر اس پر اگر ہے نکتہ داں

۱ اللہ کے شکر گزار بندے اس دنیا سے رخصت ہو کر عالم بقا میں دائمی زندگی پاتے ہیں اگر غور کیا جائے تو فنا ان کیلئے بقا کا راستہ ہوتا ہے۔
۲ عالم غیب میں ایسے سورج ہیں کہ اس دنیا کا سورج ان کے سامنے ستارہ کی سی حیثیت رکھتا ہے یعنی عالم بقا میں ہر چیز دنیا سے بہتر اور ارفع واعلیٰ ہے۔ ۳ ہستی اور نیستی دو متضاد کیفیتیں ہیں پھر کیسے ممکن ہے کہ عدم میں ہستی او روجود ہے اس لئے کہ ہستی کیلئے نیست ہونا لازمی ہے جبکہ عدم میں بقا ہی بقا ہے فنا نہیں۔ ۴ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی (ال عمران آیت ۲۷) (میں بے جان سے جاندار پیدا کرتا ہوں اور جاندار سے بے جان) نطفہ بے جان ہوتا ہے لیکن اس سے جاندار پیدا ہوتا ہے اسی طرح ایک بے جان قطرہ سے انسان وجود میں آتا ہے یعنی اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور عابد اسی لئے عالم بقا کے منتظر ہوتے ہیں کہ وہاں فنا نہیں۔
۵ جس نے ساری زندگی اعمال صالح کئے وہ عالم بقا کا منتظر کیوں نہ ہو۔ ۶ انسان نیست ہو کر یعنی مٹ کر ہی پھر دائمی وجود پاتا ہے۔

۱

نیست دستوری کشاد ایں راز را   گر میں افشا کر سکوں اس راز کو
ورنہ بغدادے کنم انجاز را   کر سکوں بغداد سا انجاز کو

۲

پس خزانہ صنع حق باشد عدم   حق کی صنعت کا خزانہ ہے عدم
کہ بر آرد زو عطا ہا دمبدم   واں سے کرتا ہے عطائیں دمبدم

۳

مبدع آمد حق و مبدع آں بُود   وہ ہے خالق ہاں وہی خالق تو ہے
کہ بر آرد فرع بے اصل و سَنَد   جان جو بے جان سے پیدا کرے

۱ مولانا فرماتے ہیں مجھے یہ راز افشا کرنے کا حکم نہیں ورنہ میں ازبکستان کے شہر انجاز کو جہاں کا بادشاہ اور عوام بد اعمالیوں میں گرفتار تھے بغداد جو علم وحکمت کا مرکز ہے اس جیسا بنا دیتا یعنی اس راز کے مضمرات سے آگاہ کر کے انجاز کے لوگوں کو راہ راست پر لاتا۔

۲ اللہ تعالیٰ عالم بقا سے عالم فنا میں لوگوں کو نعمتیں عطا کرتا ہے تا کہ اس کی شکرگزاری کریں اور عالم بقا میں اس کے رحم وکرم کے مستحق بنیں۔

۳ اللہ تعالیٰ ہی سب کا خالق ہے اور وہی سب کی زندگی اور موت پر قادر ہے۔ لہٰذا اسی کی شکرگزاری اور فرمانبرداری کرنی چاہیے۔